اُندلس کی ناگن

تاریخِ اُندلس کے مردانِ حُر کی ولولہ انگیز اور سنسنی خیز داستان

عنایت اللہ

فلورا کو ہمارے افسانہ نویسوں نے کسی نہ کسی مسلمان کی محبت میں گرفتار کیا اور ایک سے ایک لذیذ کہانی لکھی ہے لیکن حقیقی فلورا کو ہر ایک مسلمان سے نفرت تھی جس کا اظہار اُس نے قاضی القضاۃ کی عدالت میں بھی کیا تھا۔

ایسے کچھ واقعات اور ہیں جو میں نے مختلف تحریروں کی چھان بین کر کے اصل رنگ میں پیش کیے ہیں۔

ان کہانیوں میں جو دراصل ایک ہی کہانی کی کڑیاں ہیں، میں نے جہاں واقعات کو حقیقی روپ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، وہاں انہیں دلچسپ بھی بنایا ہے کہ قاری ان میں محو ہو کے رہ جاتا ہے۔ آپ اس داستان سے بہت کچھ حاصل کریں گے اور آپ چاہیں گے کہ آپ کے بچے بھی یہ داستان پڑھیں۔

عنایت اللہ

مدیر "حکایت" لاہور

زمانہ ۸۲۵ء کا تھا جب آج کے سپین پر مسلمانوں کی حکمرانی تھی اور یہ خطہ جس میں آج کا پرتگال بھی شامل تھا، اُندلس کہلاتا تھا۔ فرانس کا بادشاہ لوئی اپنے محل کے ایک خاص کمرے میں بیٹھا تھا۔ اُس کے سامنے ایک ریاست گوتھک مارچ کا بادشاہ برن ہارٹ اور قرطبہ (اُندلس) کا ایک عیسائی ایلوگیتس جس کا کوئی رُتبہ نہیں تھا، بیٹھا تھا۔ شاہ لوئی کے دو جرنیل اور وزیر بھی اس محفل میں موجود تھے۔

"ایلوگیتس!" — شاہ لوئی نے بادشاہوں کے لہجے میں کہا — "مجھے جب تمہارے متعلق بتایا گیا تھا کہ تمہارا کوئی رتبہ اور کوئی سرکاری حیثیت نہیں تو میرے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تھا کہ تمہیں ملاقات کی اجازت دوں یا نہ دوں مگر اب تمہاری باتیں سُن کر محسوس کرتا ہوں کہ تم جیسے آدمی سے میرا ملنا ضروری تھا۔ مجھے صرف ایک شک رفع کرنا ہے .... میں کس طرح یقین کر سکتا ہوں کہ تم مسلمانوں کے جاسوس نہیں ہو؟ دوسری بات یہ

ہے کہ تم جذبات سے مغلوب ہو کر بات کر رہے ہو۔ یہاں ضرورت عمل کی
اور جدوجہد کی ہے۔ جذباتی باتیں کرنے والے اُس وقت کہیں نظر نہیں
آیا کرتے جب قربانی دینے کا وقت آتا ہے۔"

"میں آپ کو یقین نہیں دلا سکتا کہ میں مسلمانوں کا جاسوس نہیں ہوں"۔۔۔
ایلوگیتس نے کہا۔۔۔ "اگر آپ کے جاسوس اتنے ہی ہوشیار اور عقلمند ہیں
جتنے مسلمانوں کے ہیں تو انہیں کہیں کہ قرطبہ سے معلوم کریں کہ میں قابلِ اعتماد
ہوں یا نہیں۔ آپ کی دوسری بات کا جواب اُسی وقت ہی مل سکتا ہے جو قربانی
دینے کا وقت ہو گا۔"

"میں احتیاط کا قائل ہوں"۔ فرانس کے بادشاہ لُوئی نے کہا۔۔۔
"مجھے ڈر نہ تمہارا ہے نہ مسلمانوں کا۔"

"آپ کے باپ دادا بھی احتیاط کے قائل تھے"۔۔۔ ایلوگیتس نے
کہا۔۔۔ "اسی کا نتیجہ ہے کہ اندلس پر مسلمانوں کی حکمرانی کو ایک سو سال سے
زیادہ عرصہ گزر گیا ہے۔ ویسی ہی احتیاط آپ کر رہے ہیں۔ وہاں ہم غلام ہیں
ہمارا مذہب غلام ہے۔ اگر آپ کے دل میں یسوع مسیح کی اور کنواری مریم
کی محبت اور عزت ہوتی تو آپ یُوں چین سے تخت پر نہ بیٹھے ہوتے۔ کیا
میں بے عمل جذباتی ہوں جو اتنی دُور سے آپ کے دربار میں پہنچا ہوں؟
میں ایک مقدس مقصد لے کر آیا ہوں۔ یہ مقصد میرا ذاتی نہیں۔ اگر میرے پاس
فوج ہوتی جیسے آپ کے پاس ہے تو میں مسلمانوں کو اگر اندلس سے نکال
نہ دیتا تو انہیں یہاں چین سے حکومت بھی نہ کرنے دیتا۔ میں ان پر چھاپے

اور شب خون مارتا رہتا۔"

"میں تمہارے جذبات کی قدر کرتا ہوں ایلوگیتس!"۔۔۔ شاہ لُوئی نے
کہا۔۔۔ "لیکن تم شاید نہیں جانتے کہ عرب کے ان مسلمانوں کو میدانِ جنگ
میں شکست دینا بہت مشکل ہے۔"

"کیوں مشکل ہے؟"۔۔۔ ایلوگیتس نے پُوچھا۔

"مشکل یہ ہے کہ مسلمان مذہبی جنون سے لڑتے ہیں"۔۔۔ شاہ لُوئی نے
کہا۔۔۔ "ان کا عقیدہ ہے کہ وہ خُدا کی خوشنودی کی خاطر غیر مسلموں کے خلاف
لڑتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خُدا ان کے ساتھ ہے۔۔۔۔ ایلوگیتس! تم نے اگر
اندلس میں مسلمانوں کی آمد کی روئیداد نہیں سُنی تو مجھ سے سُن لو۔ ان کی تعداد
صرف سات ہزار تھی اور اندلس کے ساحل پر اُتر کر انہوں نے اپنی کشتیاں
جلا ڈالی تھیں تاکہ واپسی کا خیال ہی دماغ سے نکل جائے۔ تم اپنی فوج بنا
سکتے ہو مگر اس میں یہ جذبہ پیدا نہیں کر سکتے کہ پسپائی کا خیال دل سے نکال
دے۔ یہ ان مسلمانوں کا جذبہ ہی تھا کہ انہوں نے جہاں حملہ کیا، فتح پائی اور
ان پر جس نے حملہ کیا وہ پسپا ہُوا۔ آج ایک سو سال سے اُوپر مدت گزر گئی
ہے، مسلمان آگے ہی بڑھ رہے ہیں، پیچھے نہیں ہٹے۔ تم یہ نہیں جانتے
ہو گے کہ ان سے فرانس بھی محفوظ نہیں۔ وہ فرانس پر حملہ کر کے اس ملک
کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لیں گے۔"

"تو کیا آپ ان کے خلاف کچھ بھی نہیں کرنا چاہتے؟"۔۔۔ ایلوگیتس
نے کہا۔۔۔ "میں تو ان کے پاؤں تلے سے زمین نکال لینے کی سوچ رہا ہوں۔

میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ میں نے ایک گروہ تیار کر لیا ہے جو اندلس کے عوام کو مسلمان حکومت کے خلاف بغاوت کے لئے تیار کر رہا ہے۔"

"کیا ہمارے مہمان ایلوگیئیس کو معلوم نہیں کہ اس وقت تک کتنے ہزار عیسائی اسلام قبول کر چکے ہیں؟" — شاہ لوئی کے وزیر آندرے کینتھ نے کہا — "وہ پکے مسلمان بن چکے ہیں۔ وہ اس مذہب کی حکومت کے خلاف بغاوت پر آمادہ نہیں ہوں گے جسے انہوں نے دل و جان سے قبول کیا ہے۔"

ایلوگیئیس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس کی نظریں محفل کے ہر آدمی پر گھوم گئیں۔ اس نے کہا — "مجھے معلوم ہے لیکن آپ کو معلوم نہیں کہ یہی عیسائی جو اپنا مذہب تبدیل کر چکے ہیں میرے پیروکار ہیں۔ وہ بیشک مسلمان ہو گئے ہیں، مسجدوں میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ روزے بھی رکھتے ہیں لیکن ان کے دلوں سے صلیب نہیں نکلی: وہ اندر سے ویسے ہی عیسائی ہیں جیسے پہلے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب کے مسلمان ان نومسلموں کو کمتر اور اپنے آپ کو برتر سمجھتے ہیں۔ انہیں عرب کے مسلمان اپنی رعایا سمجھ کر ان کے ساتھ باعزت سلوک نہیں کرتے۔ اس کا فائدہ ہمیں مل رہا ہے۔ یہ نومسلم مسلمانوں کے لئے دھوکہ بنے ہوئے ہیں۔ ان کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں اور درپردہ ان کی جڑیں کاٹنے کی ترکیبیں سوچتے ہیں۔ انہیں ایک راہنما کی ضرورت ہے اور انہیں کسی عیسائی بادشاہ کی مدد کی ضرورت ہے۔ مدد سے میری مراد فوجی مدد ہے۔"

ایلوگیئیس نے اور بھی بہت سی باتیں کیں جن سے فرانس کے بادشاہ لوئی کو یقین ہو گیا کہ یہ شخص مسلمانوں کا جاسوس نہیں اور یہ وہی مقصد لئے ہوئے ہے جو شاہ لوئی کے دل میں تھا اور اسے بے چین کئے رکھتا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ سپین سے مسلمانوں کو نکالا جائے ورنہ اسلام سارے یورپ میں پھیل جائے گا۔

"ایلوگیئیس!" — شاہ لوئی نے کہا — "اپنے آپ کو اکیلا نہ سمجھو۔ میں نے کہا ہے کہ مسلمانوں کو میدانِ جنگ میں شکست نہیں دی جا سکتی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں کچھ بھی نہیں کروں گا۔ میں نے گوتھک مارچ کے بادشاہ برن ہارٹ کو کسی خاص مقصد کے لئے بلایا ہے۔ ہمیں مسلمانوں کی جڑیں زمین کے نیچے جا کر کاٹنی پڑیں گی۔ اب عبدالرحمٰن ثانی اندلس کا بادشاہ ہے۔ میں نے معلوم کرا لیا ہے کہ وہ کیسی فطرت اور خصلت کا آدمی ہے۔ وہ صحیح معنوں میں جنگجو ہے۔ لڑنا بھی جانتا ہے اور لڑانا بھی۔ اس کے دل میں اپنے مذہب کی محبت ہے۔ وہ اندلس کی سرحدیں پھیلانے کے منصوبے بنا رہا ہے اور وہ علم اور فنون کا بھی شیدائی ہے۔ اس کا باپ الحکم اول اندلس کو خاصا نقصان پہنچا گیا ہے۔ وہ آرام طلب اور عشرت پسند تھا۔ خوشامدیوں کو انعام و اکرام دیتا اور اپنے آپ کو ساری دنیا کا بادشاہ کہلاتا تھا مگر عبدالرحمٰن اس سے مختلف ہے۔ اس کے باپ نے مسلمانوں کی سلطنت کو اور اسلام کو جو نقصان پہنچایا تھا، اس کی تلافی عبدالرحمٰن کر رہا ہے....

"ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اس میں ایک بہت بڑی کمزوری ہے۔ وہ موسیقی اور عورت کا دلدادہ ہے۔ اسے میدانِ جنگ سے دور رکھنے کے

لئے ہمیں اُس کی اس کمزوری کو اور زیادہ پکا کرنا ہے ..... ایلوگیئس! جوش اور جذبات سے نکلو۔ مَیں جان گیا ہوں کہ تم ایک ایک مسلمان کو قتل کر دینا چاہتے ہو۔ تم آمنے سامنے آ کر لڑنا چاہتے ہو مگر تم کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہمارے مذہب کا دشمن یہاں سے بھاگ جائے۔ اگر اسے مارنا ہی ہے تو اس کی کمزور رگوں کو پکڑو۔"

"اس کا طریقہ کیا ہوگا؟" ___ ایلوگیئس نے پوچھا ___ "کیوں نہ عبدالرحمٰن کو قتل کر دیا جائے!"

شاہ لوئی نے اپنے وزیر کی طرف دیکھا اور دونوں مسکرا دیئے۔

"ہمارے عزیز دوست!" ___ وزیر نے کہا ___ "تم ایک عبدالرحمٰن کو قتل کرو گے تو دوسرا عبدالرحمٰن تخت پر بیٹھ کر ایک ہزار عیسائیوں کو قتل کرا دے گا۔ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہوگی کہ قاتل کوئی عیسائی ہے۔ اس مسلمان بادشاہ کے قتل کے بعد ہو سکتا ہے کوئی ایسا بادشاہ اس کی جگہ آ جائے جو ہر لحاظ سے پکا مسلمان ہو اور اس میں یہ کمزوری نہ ہو جو عبدالرحمٰن میں ہے۔ ہم تمہیں ایک اور طریقہ بتاتے ہیں۔ عبدالرحمٰن حسین عورتوں کا اتنا شیدائی ہے کہ وہ اپنی ایک حسین کنیز کو اپنی منکوحہ بیوی بنا چکا ہے۔ اس کے حرم میں ایسی ایسی عورتیں ہیں جنہیں تم ہیرے کہہ سکتے ہو مگر وہ سب اُسی کے رنگ میں رنگی گئی ہیں .....

"تمہیں اُسے کسی ایسی عورت کے جال میں پھانسنا ہے جو اُس پر اپنا طلسم طاری کر دے اور اس کی عقل پر قابض ہو جائے ..... ایسی ایک

عورت ہماری نظر میں ہے۔"

"مسلمان ہے یا عیسائی؟"

"نام کی مسلمان ہے" ___ وزیر نے کہا ___ "ایسی عورتوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ تم جانتے ہوں گے کہ اندلس میں طروب نام کی ایک جاگیر ہے۔ جاگیردار مسلمان تھا جو مر چکا ہے۔ پیچھے اُس کی جوان بیٹی ہے جس کا نام سلطانہ ہے اور وہ ملکہ طروب کہلاتی ہے۔ ہمارے مخبروں نے ہمیں بتایا ہے کہ وہ اپنی جاگیر میں اضافہ کرنے کے لئے اپنے حسن و جوانی کا جادو چلا رہی ہے۔ کہتے ہیں کہ بے حد چالاک ہے اور ذہین اتنی کہ شہزادوں کو انگلیوں پر نچا کر باہر پھینک دیتی ہے۔ مخبر کہتے ہیں کہ اُس کا حسن اور اس کا جسم ایسا ہے کہ وہ زمین کی نہیں آسمان کی مخلوق لگتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاہِ اندلس عبدالرحمٰن ثانی کی اس پر نظر نہیں پڑی۔ اگر تم میں اتنی ذہانت ہے تو سلطانہ تک رسائی حاصل کرو اور اسے کہو کہ ہمارا کام کر دے تو شاہِ فرانس سے اسے ایک ریاست ملے گی۔ تم اُس کی اس کمزوری کو استعمال کرو کہ وہ ایک جاگیردار کی بیٹی ہے لیکن ملکہ کہلاتی ہے۔ وہ ملکہ بننا چاہتی ہے۔ ہم اسے ملکہ بنا دیں گے ..... کیا تم یہ کام کر سکتے ہو؟"

"سودا بازی ہے" ___ ایلوگیئس نے کہا ___ "مَیں کر لوں گا۔ اس کے ساتھ صاف بات کر لوں گا۔"

"مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ عبدالرحمٰن موسیقی میں بہت دلچسپی لیتا ہے" ___ شاہ لوئی نے کہا ___ "اور اُس نے زریاب نام کا ایک موسیقار اپنے

دربار میں رکھا ہوا ہے۔ اگر سلطانہ ملکۂ طرب زریاب کو ساتھ ملا لے تو ہمارا کام آسان ہو سکتا ہے۔"

"اگر آپ سمجھتے ہیں کہ کام آسان کرنے کا یہی طریقہ ہے تو میں اس کا انتظام کروں گا۔" ایولوگیئس نے کہا —— "لیکن میں اسے بزدلی سمجھتا ہوں کہ ہم مسلمانوں کی تلوار سے ڈر کر چوروں کی طرح در پردہ کارروائیاں کریں۔"

"ہمارا مقصد کیا ہے ایولوگیئس؟" —— وزیر نے کہا —— "یورپ سے مسلمانوں کو بے دخل کرنا اور عیسائیت کو ساری دنیا میں پھیلانا۔ ہمیں مسلمانوں کو بیکار کرنا ہے تاکہ ان کے دلوں سے اپنا مذہب اور قومی وقار نکل جائے۔ ہماری عورتیں عرب سے مسلمانوں کی جڑیں کاٹیں گی۔ وہ ہر قسم کی قربانی دیں گی۔ دشمن کو مارنے کے لئے ہر حربہ جائز ہوتا ہے۔ اگر ہم نے اسلام کے سیلاب کو نہ روکا تو کرۂ ارض پر اسلام ہی کا پرچم لہرا رہا ہوگا۔"

"ہم اسلام کو مسلمان بادشاہوں کے ہاتھوں کمزور اور بے بنیاد مذہب بنا دیں گے۔" شاہ لوئی نے کہا —— "اگر ہم عبدالرحمٰن پر عورت اور موسیقی کا نشہ طاری کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہمارا دوست برن ہارٹ اندلس کی سرحد پر چھیڑ چھاڑ اور شب خون کا سلسلہ شروع کر دے گا۔ تم اندلس کے اندر بغاوت کا انتظام کرو۔ اس مہم میں تم اکیلے نہیں ہو گے۔ ہمارے آدمی تمہارے ساتھ ہوں گے۔"

*

جس وقت فرانس میں سلطنتِ اندلس کی تباہی کی باتیں ہو رہی تھیں،

اُس سے ایک سو چودہ سال پہلے اسلام کا ایک جواں سال سالار طارق بن زیاد سات ہزار سرفروشانِ اسلام کے ساتھ اندلس کے ساحل پر اترا تھا اور اس نے کشتیاں جلا ڈالی تھیں کہ اُس کے کسی ساتھی کے دل میں واپسی کا خیال ہی نہ آئے۔ تاریخ میں عزم کی خاطر ایسی قربانی کی مثال نہیں ملتی۔ کشتیاں جلا کر طارق بن زیاد نے اپنی سات ہزار نفری کی فوج سے جو خطاب کیا تھا، وہ لفظ بہ لفظ عربی زبان میں تاریخ میں موجود ہے۔ اُس نے کہا تھا:

"اے جوانمردو! میدانِ جنگ سے فرار کا اب کوئی راستہ نہیں رہا۔ تمہارے سامنے دشمن اور تمہارے پیچھے سمندر ہے۔ کشتیاں جل چکی ہیں۔ صدق، صبر اور استقلال کے سوا اب تمہارے پاس کچھ نہیں رہا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اس جزیرے (اندلس جو جزیرہ نما ہے) میں تمہاری مثال ایسی ہی ہے جیسے کنجوس کے دسترخوان پر یتیم کی۔ تمہاری ذرا سی کم ہمتی تمہیں نیست و نابود کر دے گی۔ تمہارے دشمن کے پاس فوج کثیر ہے اور اسلحہ بہ افراط۔ تمہارے پاس تلواروں کے سوا کچھ بھی نہیں۔ دشمن کے پاس رسد حاصل کرنے کے ہزاروں ذریعے ہیں۔ اگر تم نے ہمت اور شجاعت سے کام نہ لیا تو تمہارے پاؤں اکھڑ جائیں گے جس سے مسلمان کی عظمت خاک میں مل جائے گی اور دشمن کا حوصلہ بڑھ جائے گا۔ اپنی عزت اور اسلام کی ناموس کو بچانے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ دشمن جو تمہارے مقابلے کے لئے بڑھا چلا آرہا ہے، اُس پر دہشت بن کر چھا جاؤ اور اُس

کی قوت کو ختم کردو...

"میں نے تمہیں کسی ایسی بات سے نہیں ڈرایا جس سے میں خود گریز کروں. میں نے تمہیں ایسی زمین پر لڑنے کے لئے نہیں کہا جس پر میں خود نہ لڑوں. امیر المومنین ولید بن عبد الملک نے تم جیسے بہادروں کا انتخاب کیا ہے کہ تم اس ملک کے بادشاہوں کے داماد بن جاؤ. اگر تم نے یہاں کے شاہسواروں کو تہ تیغ کر لیا تو یہاں خدا کا دین اور رسول اللہ کا فرمان جاری و ساری ہوگا. یہ جان لو کہ جدھر میں تم سب کو بلا رہا ہوں اُدھر جانے والا پہلا شخص میں خود ہوں. جب فوجیں آمنے سامنے آئیں گی تو سب سے آگے میں ہوں گا اور سب سے پہلی تلوار جس کا وار دشمن پر ہوگا وہ میری تلوار ہوگی. اگر میں مارا جاؤں تو تم عقل اور دانش والے ہو. میری جگہ کسی دوسرے کا انتخاب کر لینا مگر خدا کی راہ میں جان دینے سے منہ نہ موڑنا اور اُس وقت تک دم نہ لینا جب تک یہ جزیرہ فتح نہ ہو جائے۔"

جس طرح اس خطاب کے الفاظ تاریخ میں محفوظ ہیں، اسی طرح وہ مقام بھی چٹان کی طرح کھڑا ہے جہاں طارق بن زیاد نے یہ الفاظ کہے تھے. اس چٹان کو جبل الطارق (جبرالٹر) کہتے ہیں.

ان سات ہزار مجاہدینِ اسلام نے آج کا سپین فتح کیا۔ اس سے پہلے اس کے فاتح روم والے تھے جنہوں نے اسے ہسپانیہ کہا تھا۔ ان کے بعد اس جزیرہ نما ملک کو جرمانیوں نے فتح کیا اور اسے واندلاس کا نام دیا اور ۷۱۱ء میں اس خطے میں طارق بن زیاد کے نعرے گرجے اور اذانیں گونجیں

تو عرب کے شیروں نے اُسے اُندلس کہا اور یہاں کے دریاؤں، پہاڑوں، وادیوں، جھیلوں، چشموں اور بڑے شہروں کے نام بدل ڈالے. یہاں کی تہذیب و تمدن کو پاک و صاف کر کے اس خطے کے باشندوں کو نیا کلچر دیا. نیا مذہب دے کر ان لوگوں کو خدا کے قریب کر دیا. الحمرا اور مسجدِ قرطبہ آج بھی وہاں موجود ہیں اور یہ اسلام کی روشنی کے مینار ہیں.

یہ سات ہزار مجاہدین وہاں حکومت کرنے نہیں گئے تھے. وہ اللہ کی حکمرانی قائم کرنے گئے تھے۔ ان میں سے کتنے شہید ہو گئے تھے، کتنے تمام عمر کے لئے اپاہج ہو گئے تھے؟ ـــ تاریخ خاموش ہے مگر تصورات خاموش نہیں رہ سکتے. اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کتنے مجاہدین کا خون بہہ گیا ہوگا ــ ان کی ہڈیاں اُندلس کی مٹی میں مل گئی تھیں۔ اُنہوں نے جان کے نذرانے دے کر اور لہو کے چراغ جلا کر وہاں اللہ کی حکمرانی قائم کر دی.

*

پھر طارق بن زیاد دُنیا سے اُٹھ گیا اور پھر ایک صدی گزر گئی۔ اندلس کے تخت پر وہ آن بیٹھے جو طارق بن زیاد اور اُس کے سات ہزار ساتھیوں کو دل سے اتار چکے تھے۔ اُنہوں نے تاریخ کے اس درخشاں باب پر جو مجاہدین نے اپنے لہو سے لکھا تھا، اپنے اعمال کا سیاہ پردہ ڈال دیا. حکومت جو اللہ کی تھی وہ انسانوں کی ہو گئی. جن درباروں میں عدل و انصاف ہوتا تھا وہاں رقص و سرود کی محفلیں جمنے لگیں. خوشامدیوں نے ان کے گرد حصار کھینچ دیا. یہ بادشاہ خوشامدیوں کی زبان میں باتیں کرنے لگے

۸۲۲ء (۲۲۷ھ) میں اُندلس کے ایسے ہی ایک بادشاہ کا انتقال ہوا جس کا نام الحکم تھا۔ اس کے متعلق تاریخ کہتی ہے ——— "الحکم نے نظمِ مملکت اور ذاتی جبروت قائم رکھنے کے لئے حیلہ اور مکر اور ظلم و استبداد کا سہارا لیا۔ نہ لوگوں کے سَروں کی پرواہ کی نہ ان کے جان و مال کی۔ اپنی بادشاہی کے تحفظ کے لئے ضرورت پڑی تو الحکم نے ایک دو کا نہیں ہزاروں کا خون بہا دیا۔ ان میں بے گناہ بھی تھے۔ لاکھوں کو دربدر ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر دیا۔ جی چاہا تو ہزاروں کی جائیدادیں ضبط کر لیں۔ اُس نے ظلم و ستم کا نشانہ رعایا کو بھی بنایا اور بڑے بڑے عالمانِ دین اور مفتیانِ قوم کو بھی۔ سطوتِ شاہی قائم رکھنے کے لئے ہر ستم اور ہر ظلم کو روا رکھا۔ شخصی حکومت بحال رکھنے کے واسطے ہر حربہ، ہر بہانہ، ہر مکر جائز سمجھا۔ الحکم کا دَور ایک فرد کی سطوت و حشمت کی نمائش کا نمونہ تھا۔ اس کی حکومت ایک شخص کی من مانی کرنے والی حکومت کی ایک مثال تھی۔" (تاریخِ اندلس)

الحکم ان بادشاہوں میں سے تھا جنہیں کسی اور کے خون کے صدقے فتح کیا ہوا ایک خطہ راہ جاتے مِل گیا تھا۔ ان کے خاندانوں کے کسی ایک بھی فرد کے خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہا تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ سرفروشانِ اسلام نے اس خطے کی قیمت کیا دی ہے۔ چونکہ وہ نہیں جانتے تھے اس لئے وہ اس کی عظمت سے بھی آگاہ نہیں تھے۔ ایک تخت تھا جو خالی ہوتا تھا تو خالی کرجانے والے کا بیٹا اُس پر بیٹھ جاتا تھا۔ ان میں سے کسی کو احساس نہیں تھا کہ یہ تخت اُندلس کے اُن شہیدوں کی ہڈیوں پر رکھا ہوا ہے جنہوں نے

اس سرزمین پر آ کر کشتیاں جلا ڈالی تھیں جو ایک عہد تھا کہ واپس نہیں جائیں گے۔ وہ اپنے عہد پر اور اپنے عزم پر قربان ہو گئے تھے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ کسی خطے کی اور وطن کی قدر و قیمت اور عظمت وہی جانتا ہے جس نے اس کے حصول کے لئے کچھ قربانی دی ہو جنہیں بنا بنایا ملک کسی قربانی اور کاوش کے بغیر مل جاتا ہے وہ بادشاہ کہلاتے ہیں اور قوم کو رعایا سمجھ لیتے ہیں۔ وہ اپنے گردِ خوشامدیوں کا حلقہ بنا لیتے ہیں اور ان کی نظر اپنی ناک سے آگے کچھ دیکھ ہی نہیں سکتی۔ وہ ملک و ملت کے زوال کا باعث بنتے ہیں اور قوم کو اپنے دشمن کے آگے تماشہ بنا دیا کرتے ہیں، تا آنکہ نہ ملک رہتا ہے نہ قوم۔ تاریخ میں ایسا ہوتا آیا ہے اور ہو رہا ہے۔ اُندلس میں سقوطِ غرناطہ تک قوم کو ایسے ہی بادشاہوں نے پہنچایا تھا۔

*

الحکم کے مرنے کے بعد اُس کا بیٹا عبدالرحمٰن ثانی ۳۱ سال کی عمر میں اُندلس کے تخت پر بیٹھا۔ تاریخ میں تحریر ہے ——— "شعر و ادب کے جتنے شائقین، رقص اور موسیقی کے جتنے ماہرین اور علم و فنون کے جتنے شیدائی عبدالرحمٰن کے دربار میں جمع ہو گئے تھے، اتنے کسی اور دَور میں نہیں ہوئے۔ عبدالرحمٰن کو جہاں فنِ تعمیر سے دلچسپی تھی وہاں وہ موسیقی کا دلدادہ بھی تھا۔ وہ تلوار کا دھنی اور فنِ حرب و ضرب کا ماہر تھا اور حسین عورتوں کا طلب گار بھی رہتا تھا۔"

تین عورتوں پر تو وہ جان چھڑکتا تھا۔ یہ تینوں محل کی کنیزیں تھیں اور

ایک سے ایک بڑھ کر حسین. ایک کا نام مدثرہ تھا. اس کے حسن سے متاثر ہو کر
عبدالرحمٰن نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا تھا. دوسری کا نام جاریہ حکم تھا
یہ خوبصورت بھی تھی اور اس کی آواز میں سوز اور رس تھا. عبدالرحمٰن پہروں
بیٹھا اس کا گانا سنتا رہتا تھا. تیسری کنیز کا نام شفا تھا. بہت ہی خوبصورت تھی
پھر اس کی نظر ایک لڑکی سلطانہ پر پڑ گئی جس کے حسن اور جسم کی
ساخت اور لچک میں جادو کا اثر تھا. عبدالرحمٰن اسے دیکھ کر ششدر رہ گیا
اور حیران بھی ہوا کہ اس کی بادشاہی میں حسن کا یہ شاہکار چھپا کیسے رہا. اسے
معلوم نہ ہو سکا کہ سلطانہ اس کے سامنے آئی نہیں اسے اس کے سامنے
لایا گیا ہے اور یہ ملاقات اتفاقی نہیں.

وہ ایک رات تھی اندلس کی ہر رات کی طرح. عبدالرحمٰن کے محل پر
موسیقار زریاب کی سحر آگیں آواز نے وجد طاری کر رکھا تھا. جاریہ بھی عبدالرحمٰن
کے قریب بیٹھی تھی. شاہ اندلس عبدالرحمٰن ثانی ساز و آواز کے طلسم میں
ایسا گم تھا کہ اس کے ذہن سے اتر گیا تھا کہ وہ اس سلطنت کا سلطان اور
اس ملک کا بادشاہ ہے جس پر صلیب کے آسیبی سائے پڑ رہے ہیں.
اسے یاد نہیں رہا تھا کہ اسے اسلام کے عظیم پیغام کو آگے بڑھانا ہے
اور سلطنت اسلامیہ کی سرحدوں کو وسعت دینی ہے کہ بھٹکی ہوئی انسانیت
اللہ کے سچے مذہب سے فیض یاب ہو سکے.

اس وقت جب خلافت بغداد کا یہ امیر عبدالرحمٰن جو اپنے آپ کو امیر
کی بجائے اپنے باپ اور دیگر پیش روؤں کی طرح بادشاہ سمجھتا تھا، دنیا و جہان

بے خبر موسیقی کی لہروں میں بہا جا رہا تھا، ایک درویش سلطانہ ملکہ
طروب کے مکان میں داخل ہوا. اس درویش کو سلطانہ نے پہلے بھی اپنے
محل جیسے مکان کے ارد گرد گھومتے پھرتے دیکھا تھا اور ایک بار یہ درویش
سلطانہ کے راستے میں کھڑا ہو گیا تھا. سلطانہ کی دو سفید گھوڑوں کی بگھی جب
درویش کے قریب سے گزری تو سلطانہ نے اپنے ساتھ بیٹھی ہوئی ایک
سہیلی سے کہا تھا ___ "یہ کوئی مغز پھرا مجذوب ہے. کئی بار اسے دیکھا ہے."

"بھکاری لگتا ہے" ___ سہیلی نے کہا.

"نہیں" ___ سلطانہ بولی ___ "بھکاری نہیں. اس کے چہرے پر
ایک تاثر ہے جو بتاتا ہے کہ یہ کوئی معمولی سا درویش نہیں. میں نے اسے
قریب سے بھی دیکھا ہے. اس کی آنکھوں میں ذہانت اور عقل و دانش کی
چمک ہے. میں نے مردوں کے چہرے پہچاننے میں کبھی غلطی نہیں کی
یہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہے."

سہیلی نے مترنم قہقہہ لگا کر کہا ___ "درویش ہو یا ہفت اقلیم کا شہنشاہ،
تمہارے حسن کا جادو سب پر یکساں چلتا ہے."

سلطانہ نے گھوم کے دیکھا. درویش وہیں کھڑا تھا اور اس کی نظریں
حسن کی اس ملکہ کی سفید گھوڑوں والی بگھی کا تعاقب کر رہی تھیں. سلطانہ سیر کو
جا رہی تھی. سورج غروب ہونے کو آیا تو وہ واپس آئی. درویش وہیں کھڑا تھا.
سلطانہ نے بگھی رکوا لی اور درویش کو اشارے سے اپنے پاس بلایا. درویش
کی آنکھیں نیلی اور رنگ گورا تھا. اس کی داڑھی بھورے رنگ کی تھی.

"میں تمہیں کئی بار یہاں دیکھ چکی ہوں" — سلطانہ ملکہ طروب نے کہا — "کیا تم ہر عورت کو اسی انہماک سے دیکھا کرتے ہو جیسے مجھے دیکھتے ہو؟"

"دنیا میں کچھ عورتیں ملکہ طروب سے بھی زیادہ دل کش ہیں" ——— درویش نے کہا — "مگر ملکہ کی کشش دل سے آگے رُوح تک اُتر جاتی ہے، اور جس کا حسن رُوح تک اُترے وہ عورت زمین کی اُن عورتوں سے بھی عظیم ہوتی ہے جو اس سے زیادہ حسین ہوں۔"

"کیا مجھے دیکھنے کے لئے میرے مکان کے اِرد گرد گھومتے پھرتے رہتے ہو؟"

"ہاں" — درویش نے بے باکی سے جواب دیا — "اور کچھ کہنے کے لئے بھی۔ ملکہ کو کچھ بتانے کے لئے بھی۔"

"کیا بتانے کے لئے؟"

"کیا ان تماشائیوں کے سامنے جن کی نظریں ملکہ کے چہرے پر جمی ہوئی ہیں، درویش کچھ بتا سکتا ہے؟" — درویش نے کہا — "دیکھیں ملکہ طروب! راہ جاتے لوگ رُک رُک کر کس طرح آپ کو دیکھ رہے ہیں۔ میں ملکہ کو وہ راستہ دکھانا چاہتا ہوں جس پر ملکہ چلے گی تو یہ لوگ ملکہ کو یوں دیدے پھاڑ کر نہیں دیکھیں گے بلکہ ان کی نظریں بھی نیچی ہوں گی اور سر ملکہ کی تعظیم میں جھکے ہوئے بھی ہوں گے۔ اندلس کے تخت پر ملکہ کی جگہ خالی ہے۔"

"اگر تم نجومی ہو اور آنے والے وقت سے پردے اُٹھا سکتے ہو تو آج رات ہمارے ہاں آ جانا۔ دربان تمہیں نہیں روکیں گے۔"

رات اُسے دربان نے نہ روکا بلکہ اسے احترام سے سلطانہ کے اس کمرے میں داخل کر آیا جس میں سلطانہ کے سوا کوئی اور داخل نہیں ہو سکتا تھا۔

سلطانہ نے ریشم کا جو باریک لباس پہن رکھا تھا اس میں وہ مستور نہیں عریاں تھی۔ اس کے کھلے ہوئے بال جو اُس کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے، ریشم سے زیادہ ملائم تھے۔ فانوسوں کی روشنی میں اُس کا حسن اور زیادہ نکھر آیا تھا۔

سلطانہ عورت نہیں جوان لڑکی تھی۔ اُس کی آواز میں موسیقی تھی۔ اُس کی چال میں طلسم تھا۔ اس کا انداز زہر شکن تھا۔ اس کی مسکراہٹ میں شراب کا خمار تھا۔

تاریخوں میں لکھا ہے کہ خدا نے اُسے جتنا حسن عطا کیا تھا، اُس سے کہیں زیادہ عقل اور ذہانت سے نوازا تھا۔ وہ شوخ و شنگ اور چنچل تھی۔ اس کی آنکھوں میں پیار و محبت اور اپنائیت کی جھلک صاف چمکتی تھی مگر وہ عیار اور مکار تھی۔ وہ اپنی قدر و قیمت سے واقف تھی اور شہزادوں اور جاگیرداروں کی نظروں کو بھی خوب پہچانتی تھی۔ وہ اپنے حسن کا جادو جگانا اور مردوں کی کمزوریوں کو استعمال کرنا اس طرح جانتی تھی جیسے پانی پیا جاتا ہے۔

درویش نے اُسے سر سے پاؤں تک دیکھا، پھر نظریں اُس کے چہرے پر گاڑ دیں۔

"تم نے کس طرح کہہ دیا تھا کہ تختِ اندلس پر میری جگہ خالی ہے؟" ——— ملکہ طروب نے پوچھا۔

"یہ عالمِ ارواح کی باتیں ہیں ملکہ!" ——— درویش نے کہا ——— "مجھے معلوم ہے کہ آپ کسی ملک کی ملکہ بننے کو بیتاب ہیں مگر آپ کو راستہ نظر نہیں

آرہا۔ آج تک کوئی آپ کو ایسا نہیں ملا جو آپ کو راستہ دکھادے۔"

"اگر تم مجھے وہ راستہ دکھادو تو یہ آدھی جاگیر تمہیں انعام میں دے دُوں گی۔"

"مجھے کوئی انعام نہیں چاہیئے ملکہ طروب!" درویش نے کہا ——"میرے قدموں میں خزانے پڑے ہیں مگر بیکار ہیں یہ میرے لئے میں کسی اور دُنیا کا انسان ہوں۔ ... میں نجومی نہیں قیافہ شناس ہوں شاہ اُندلس عبدالرحمٰن ثانی آپ کا منتظر ہے۔"

"مگر اُس نے مجھے دیکھا کب ہے؟" سُلطانہ نے کہا —— "سُنا ہے تین کنیزوں نے اُسے اپنے جال میں پھانس رکھا ہے اور میں نے یہ بھی سُنا ہے کہ عبدالرحمٰن پکّا مُسلمان اور بہت اُونچے کردار کا جنگجو بادشاہ ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اُس تک میرا نام نہیں پہنچا۔"

سُلطانہ کے بولنے کے انداز میں التجا اور خواہش کا رنگ تھا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ اُس پر ملکہ بننے کا خبط سوار تھا اور اُسے اُمید تھی کہ وہ ملکہ بن جائے گی۔ اسی لئے وہ اپنے کسی چاہنے والے کو پلّے نہیں باندھتی تھی۔ اُس کا دماغ شیطان کی آماجگاہ تھا۔

کیا تم مجھے یہ بتانے کے سوا کہ مَیں ملکہ بنوں گی، میری کوئی مدد نہیں کر سکتے؟" —— سلطانہ نے کہا "کیا تم مجھے کوئی ایسا ذریعہ نہیں بتا سکتے جو مجھے تخت تک پہنچادے؟ درویش تو بہت کچھ کر سکتے ہیں۔"

"پہلے مجھے یہ بتائیں کہ آپ کسی مُسلمان بادشاہ کی ملکہ بننا چاہتی ہیں یا۔"

ملکہ طروب ہنس پڑی اور بولی —— "میری خواہش کسی مذہب کی پابند نہیں۔ اگر میں مذہب کی پابند ہوتی تو اب تک کسی کی بیوی بن کر دو بچوں کی ماں ہوتی۔"

"پھر مَیں آپ کو جو بتاؤں وہ آپ کریں گی؟" —— درویش نے پوچھا —— "ایک ریاست آپ کی منتظر ہے مگر وہ ریاست مُسلمانوں کی نہیں ہوگی۔ وہ آپ کو اس صِلے میں ملے گی کہ آپ شاہ اُندلس عبدالرحمٰن ثانی کے دل و دماغ پر چھاجائیں اور اُس پر ایک بڑے ہی حسین آسیب کی طرح غالب آجائیں۔"

"پھر اُسے مجبور کروں کہ وہ مجھے اپنی ملکہ بنالے؟"

"نہیں" —— درویش نے کہا —— "وہ آپ کو اپنی ملکہ نہیں اپنی بیوی بنائے گا، پھر آپ سے اُکتا کر آپ کو حرم میں پھینک دے گا اور آپ کی طرح کوئی اور حسینہ ملکہ بننے کے خواب دیکھتی اُس کی خوابگاہ میں داخل ہو جائے گی۔ مَیں آپ کو ایک طریقہ بتا رہا ہوں۔ آپ اِسے اختیار کریں گی تو آپ کو اپنی آزاد ریاست مِلے گی۔ فوج مِلے گی اور آپ آزادی سے حکمرانی کریں گی۔"

سُلطانہ غیر معمولی طور پر دانش مند اور گہری نظر رکھنے والی عورت تھی۔ وہ درویش کی باتیں انہماک سے سُن رہی تھی اور اُس کے چہرے مہرے کو بھی بڑی غور سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اچانک چونک پڑی۔ اُس نے آگے بڑھ کر درویش کی داڑھی اپنی مُٹھی میں لے کر اسے جھٹکا دیا تو داڑھی اُس کے ہاتھ میں آگئی۔ اُس نے دوسرا ہاتھ درویش کے سر پر رکھا اور سر کا کپڑا

مٹھی میں لے کر زور سے کھینچا۔ کپڑے کے ساتھ داڑھی کے رنگ کے مصنوعی
بال اُتر آئے۔ یہ وِگ تھی۔ اس بہروپ میں سے جو چہرہ نکلا وہ ایک جواں سال
آدمی کا تھا۔

"کون ہو تم؟" — سُلطانہ نے غصّے اور حیرت سے پوچھا — "یہاں
کیا لینے آئے ہو؟ کیا تمہیں احساس نہ تھا کہ مَیں تمہیں قتل کرا کے تمہاری
لاش غائب کرا سکتی ہوں؟"

وہ آدمی ڈرنے کی بجائے مُسکرانے لگا۔

"میرا نام ایلوگیئس ہے سُلطانہ ملکہ!" — اُس نے کہا — "بہروپ
میں تمہارے پاس آنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ تم تک پہنچنے کا کوئی اور وسیلہ
نہ تھا۔ مَیں کسی ایسی نیت سے نہیں آیا کہ تم مجھے قتل کرا دو۔ بہروپ اُتر
جانے کے بعد بھی وہی بات کروں گا جو کر چکا ہوں۔ مَیں نے مذہب کی بات اِس
لئے کی تھی کہ تم پر اسلام غالب ہو تو اسی بہروپ میں واپس چلا جاؤں۔"

"کیا تم مجھے عیسائی بنانے آئے ہو؟"

"نہیں سُلطانہ!" — ایلوگیئس نے کہا — "تم مُسلمان رہو گی اور جب
ملکہ بن جاؤ گی تو بھی مُسلمان ہی رہو گی" — ایلوگیئس نے اپنی جیب میں
سے ایک ہار نکالا جس کے موتیوں میں سے رنگ برنگی کرنیں پھوٹ رہی
تھیں۔ اُس نے کہا — "کیا تم نے ایسی مالا پہلے کبھی دیکھی ہے؟ ایسے
ہیرے کبھی دیکھے ہیں؟ ایسی مالا کسی ملکہ کے ہی گلے میں نظر آتی ہے"
— اُس نے ہار سُلطانہ کی طرف بڑھا کر کہا — "یہ تحفہ ہے۔ ... جانتی ہو

یہ کس نے بھیجا ہے؟ ... شہنشاہِ فرانس لوئی نے۔ یہ تمہارے لئے ہے۔"
ملکہ سطروب کی آنکھیں حیرت سے ٹھہر گئیں اور ہونٹ نیم وا ہو گئے۔ اُس
نے ایسی مالا کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اُسے جیسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ مالا اب
اُس کی ہے اور بھیجنے والا بادشاہ ہے۔

"شاہ لوئی کیا چاہتا ہے؟" — سُلطانہ نے رعب سے پوچھا۔ اُس کی عقل
بیدار ہو گئی تھی اور اُسے یاد آگیا تھا کہ وہ حسین اور جوان عورت ہے اور
بادشاہوں کے ہاں اُس کی مانگ ہے۔

"وہ تمہیں اپنی ملکہ نہیں بنانا چاہتا" — ایلوگیئس نے کہا — "وہ تمہیں
ایک ریاست دینا چاہتا ہے۔ تمہیں کوئی دھوکہ اور فریب نہیں دیا جائے گا،
بلکہ تمہیں ایک دھوکہ اور فریب بنایا جائے گا۔"

"اور مجھے عبدالرحمٰن شاہِ اُندلس کے محل میں داخل کر کے اُسے دھوکہ
دینے کے لئے استعمال کیا جائے گا" — سُلطانہ نے کہا — "مَیں تمہاری
دلیری کی تعریف کرتی ہوں۔ تم ڈرے نہیں کہ میں تمہیں گرفتار کرا کے سزائے
موت دلا سکتی ہوں۔"

"اگر تم زندہ رہی تو" — ایلوگیئس نے کہا — "میری زبان ایک ہے، ہاتھ
اور بازو بہت سے ہیں۔ مَیں اکیلا نہیں۔ پورا ایک گروہ سائے کی طرح
میرے ساتھ ہے۔ مَیں جتنا زمین کے اُوپر ہوں اس سے زیادہ زمین کے
اندر ہوں ... مجھے گرفتار کرانے کی مت سوچو سُلطانہ! مَیں تمہارا مستقبل
چمکانے آیا ہوں۔ اس قیامت خیز حُسن سے فائدہ اُٹھاؤ۔ یہ چند دنوں کی

رونق ہے جو تمہارے چہرے پر نظر آرہی ہے۔ ہم تم سے کچھ لے نہیں رہے، بہت کچھ دے رہے ہیں۔ عبدالرحمٰن تمہیں سر آنکھوں پر بٹھائے گا۔ یہ تمہارا کمال ہوگا کہ اُسے اپنا دیوانہ بنا لو۔"

"اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میں خود محل میں چلی جاؤں تو میں نہیں مانوں گی"— سُلطانہ نے کہا— "میں خود گئی تو میری قیمت کم ہو جائے گی۔"

"اُسے تمہاری جھلک دکھانے کا کام مجھے کرنا ہے"— ایلوگیئس نے کہا— "تم کہو کہ ہمارا ساتھ دو گی، باقی کام ہم کریں گے۔"

"میرا کام کیا ہوگا؟"

"عبدالرحمٰن پر اپنا نشہ طاری کیے رکھنا"— ایلوگیئس نے کہا— "وہ اپنی تین کنیزوں پر فدا ہے۔ تم انہیں اپنی رقیب نہ سمجھنا بلکہ انہیں ساتھ مِلا کر عبدالرحمٰن کے سارے جوہر ختم کر دینا۔ وہ معمولی آدمی نہیں۔ اگر وہ عورت پرستی اور راگ رنگ سے نکل آئے تو وہ تمام تر دُنیائے یسوع مسیح پر چھا جائے۔ اُسے مدہوش رکھنا ہے۔ زہر دے کر ہلاک یا بے ہوش نہیں کرنا..... تمہیں جو انعام مِلے گا وہ تمہارے خوابوں اور خواہشوں سے کہیں زیادہ ہوگا۔"

"میں تیار ہوں"— سُلطانہ نے کہا۔

"اب سُنو تمہیں کرنا کیا ہے"— ایلوگیئس نے کہا اور اُسے بتانے لگا کہ اُسے کیا کرنا ہے۔

*

اُس رات جب عبدالرحمٰن اپنے موسیقار زریاب کی آواز کے جادو میں کھو گیا تھا اور اُس کی تینوں محبوب کنیزیں جن میں سے ایک اُس کی بیوی بن چکی تھی، اُس کے اِرد گرد اٹھکیلیاں کرتی پھر رہی تھیں، سلطنتِ اُندلس کو تباہی کے راستے پر ڈالنے کی بڑی حسین اور بھیانک سازش ہو رہی تھی۔ عبدالرحمٰن جو فنِ حرب و ضرب کا ماہر تھا، میدانِ جنگ کا شہسوار تھا، علم و فن کا دلدادہ تھا اور جس کی ذہانت اُسے اِرد گرد کے ملکوں کا بھی بادشاہ بنا سکتی تھی اور جس سے فرانس کا شاہ لوئی جیسا جنگجو بادشاہ بھی خائف تھا، اسلام کی عظمت اور اپنی حیثیت اور ذمہ داریوں کو فراموش کر کے ساز و آواز پر اور نسوانی حُسن پر جھوم رہا تھا، داد دے رہا تھا اور جُوں جُوں رات گزرتی جا رہی تھی، محفلِ رقص و سرود کا رنگ نکھرتا آرہا تھا۔

زریاب (مؤرخوں کے مطابق) ایران کا رہنے والا تھا۔ اصل نام علی بن نافع تھا اور کُنیت ابوالحسن۔ وہ اُس دَور کے مشہور موسیقار اور مغنی اسحاق الموصلی کا جسے علامہ مقری نے ابراہیم الموصلی لکھا ہے، شاگرد تھا۔ الموصلی خلیفہ ہارون الرشید کے دربار کا گویا تھا۔ زریاب کی آواز میں جو سوز اور لچک تھی اور راگ راگنیوں سے جتنا وہ واقف ہو گیا تھا، اتنا اس کا اُستاد بھی نہ تھا۔ زریاب صرف گویا اور موسیقار نہیں تھا۔ وہ خوبرو اور قد آور تھا۔ تاریخ اور فلسفے میں دسترس رکھتا تھا۔ وہ بولتا تھا تو سُننے والے غور سے سُنتے تھے اور اُس کے قائل ہو جاتے تھے۔ وہ باتوں سے دِل موہ لینے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اُس کے متعلق مشہور ہو گیا تھا کہ اُس ـــ

قبضے میں کوئی غیبی قوت ہے یا جنات۔ یہ اس لئے مشہور تھا کہ اُس میں ایسی صلاحیتیں تھیں جو اوسط درجہ کے لوگوں میں نہیں ہُوا کرتیں۔

وہ افریقہ چلا گیا تھا۔ عبدالرحمٰن کے باپ الحکم نے زریاب کی شہرت سُنی تو اپنے ایک یہودی گویّے کو افریقہ بھیجا کہ زریاب کو لے آئے۔ زریاب اُس وقت قرطبہ پہنچا جب الحکم مر چکا تھا اور اُس کا بیٹا عبدالرحمٰن عنانِ حکومت سنبھالے ہُوئے تھا۔ زریاب کو مایوسی نہ ہوئی کیونکہ عبدالرحمٰن اپنے باپ کی طرح موسیقی کا شیدائی تھا۔ اُس نے زریاب کو سینے سے لگا لیا۔ زریاب چند دنوں میں ہی دربار پر چھا گیا اور اُس نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ وہ صرف موسیقار نہیں بلکہ عالم بھی ہے اور فلسفہ و منطق پر بھی اُسے عبور حاصل ہے۔

*

دو روز بعد عبدالرحمٰن شکار کو گیا۔ اُس جنگل میں جہاں وہ شکار کھیلنے گیا تھا، ہرنوں کی قبیل کا ایک جانور عام تھا۔ اُس کے ساتھ ملازموں اور محافظوں کی بہت سی نفری تھی۔ عبدالرحمٰن گھوڑے پر سوار، کمان ہاتھ میں لئے آگے نکل گیا۔ دُور سفید گھوڑوں والی ایک بگھی کھڑی تھی۔ ایک محافظ نے بگھی کو وہاں سے ہٹانے کے لئے گھوڑا اُدھر دوڑا دیا۔ وہ ابھی دُور ہی تھا کہ بگھی کے گھوڑے دوڑ پڑے۔ ان کا رُخ اُدھر کو تھا جدھر عبدالرحمٰن جا رہا تھا۔ وہ رُک گیا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ گھوڑے ڈر کے بھاگ گئے ہیں اور منہ زور ہو گئے ہیں۔ زمین ہموار نہیں تھی۔ درخت بھی تھے۔ بگھی اُچھلتی تھی اور دائیں بائیں ہوتی تھی۔

عبدالرحمٰن نے اپنے محافظوں کو حکم دیا کہ وہ بگھی کے گھوڑوں کو روکیں۔ تین چار محافظوں نے گھوڑے دوڑا دیئے۔ بگھی کے گھوڑے منہ زور ہو کر سرپٹ دوڑے جا رہے تھے۔ بگھی بان راسیں کھینچ رہا تھا۔ بگھی کے اندر سے ایک عورت کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ کبھی کبھی اُس کا گھبرایا ہُوا چہرہ باہر آتا اور پھر بگھی میں چھپ جاتا تھا۔ محافظ فوج کے شہسوار تھے۔ اُنہوں نے اپنے گھوڑے بگھی کے سفید گھوڑوں کے پہلوؤں میں کر لئے اور دو محافظ اپنے دوڑتے گھوڑوں سے بگھی کے دوڑتے گھوڑوں پر جا سوار ہُوئے۔ اُنہوں نے راسیں پکڑ لیں اور گھوڑوں کی گردنوں پر لیٹ کر اُن کے مُنہ کے قریب سے راسیں اس طرح کھینچیں کہ گھوڑے رُک گئے۔

بگھی میں سے ایک بڑی ہی حسین عورت نکلی۔ اُس نے محافظوں کا شکریہ ادا کیا۔ وہ بہت ڈری ہوئی تھی اور ہانپ رہی تھی۔ بگھی بان کی حالت اُس سے زیادہ بُری تھی۔ محافظوں نے اُنہیں کہا کہ یہ شاہ اُندلس اور اس کے شاہی خاندان کی شکار گاہ ہے۔ وہ اپنی بگھی اِدھر کیوں لے آئے تھے عورت نے کہا کہ اُسے معلوم نہ تھا کہ یہ شکار گاہ ہے۔ محافظوں نے اسے کہا کہ اسے شاہ اُندلس عبدالرحمٰن ثانی کے سامنے چلنا ہوگا۔ اُنہوں نے حکم دیا تھا کہ بگھی کے گھوڑوں کو قابو کرو اور بگھی والوں کو یہاں لے آؤ۔

محافظوں کے گھوڑے آگے آگے چل پڑے۔ بگھی اُن کے پیچھے چلی۔ عورت نے بگھی کے اندر سے بگھی بان کی طرف مُنہ باہر نکالا۔ بگھی بان ذرا

اُوپر بیٹھا تھا۔

"ایلوگیتس!" — عورت نے بلند سرگوشی میں پوچھا — "کیا میرے گھوڑے واقعی ڈر کر بے لگام ہو گئے تھے؟ میرا تو خون خشک ہو گیا تھا۔"

ایلوگیتس ہنس پڑا اور بولا — "میرے کمال کی تعریف کرو سلطانہ! گھوڑے بے لگام نہیں ہوتے تھے۔ مَیں نے انہیں دوڑایا ہی اس طریقے سے تھا کہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ گھوڑے منہ زور ہو گئے ہیں... میری اطلاع صحیح نکلی نا، کہ عبدالرحمٰن شکار کھیلنے آ رہا ہے۔ اب یہ تمہیں اُس کے سامنے لے جا رہے ہیں۔ اس شکارگاہ کی حدود میں آنا جرم ہے۔ میرا کمال تم نے دیکھ لیا ہے۔ اب تمہیں اپنا کمال دکھانا ہے۔"

*

یہ ایلوگیتس کا انتظام تھا۔ عبدالرحمٰن کے محل میں اس کا کوئی آدمی تھا جس نے اُسے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ فلاں دن عبدالرحمٰن شکار کھیلنے جا رہا ہے۔ سلطانہ ملکہ طروب کو اُس کے سامنے کرنے کا یہ موقع بہت اچھا تھا۔ وہ اس غیر معمولی طور پر حسین عورت کو بگھی میں بٹھا کر شکارگاہ میں اس طرح لے گیا جیسے گھوڑے ڈر کر مُنہ زور ہو گئے ہوں۔ گھوڑے دراصل اس کے قابو میں تھے۔ گھوڑے مُنہ زور ہوتے تو بگھی اُلٹ جاتی۔

سُلطانہ جب عبدالرحمٰن کے سامنے بگھی سے اُتری تو عبدالرحمٰن کے چہرے پر غصّے کے جو آثار تھے وہ غائب ہو گئے اور اُس کے ہونٹوں پر تبسم آ گیا۔ سُلطانہ کا جادو کام کر گیا۔ عبدالرحمٰن نے ایلوگیتس

کی طرف دیکھا جو بگھی بان کے بہروپ میں بگھی کے پاس کھڑا تھا۔

"خطا میری نہیں شاہِ اُندلس!" — ایلوگیتس نے جُھک کر کہا — "گھوڑے قابو سے نکل گئے تھے۔ مجھے شکارگاہ کی حدود سے واقفیت نہیں تھی۔"

عبدالرحمٰن نے اس کی پُوری بات بھی نہ سُنی اور اُس کی نظریں سُلطانہ پر جم گئیں۔

"ہمیں شکار کے نکل جانے کا کوئی افسوس نہیں" — عبدالرحمٰن نے سُلطانہ سے کہا — "تم کون ہو لڑکی؟"

"ملکہ طروب" — سُلطانہ نے کہا — "سُلطانہ میرا نام ہے۔"

"کس ملک کی ملکہ؟... طروب؟" — عبدالرحمٰن نے اپنے آدمیوں کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"طروب ایک جاگیر ہے" — اُسے بتایا گیا — "کوئی ملک نہیں۔"

سُلطانہ نے اُسے بتایا کہ اُس کا باپ مر چکا ہے اور اس نے شادی نہیں کی اور وہ اب باپ کی جاگیر کی مالک ہے۔

"تم سچ مُچ کی ملکہ بن سکتی ہو" — عبدالرحمٰن نے کہا — "تم جوان ہو۔ اپنے مستقبل کے متعلق خود فیصلہ کر سکتی ہو.... اور ہمیں یقین ہے تم سمجھ گئی ہو گی کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔"

"سمجھ گئی ہوں شاہِ اُندلس!" — سُلطانہ نے مُسکرا کر کہا — "اتنے سے اشارے سے تو سمجھ لیتی ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد سُلطانہ ایک خوشنما خیمے میں جو ایک چشمے کے قریب
نصب کیا گیا تھا، عبدالرحمٰن کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھی تھی۔ دستر خوان
پر بھنے ہُوئے پرندے اور اُس ہرن کی رانیں پڑی تھیں جو تھوڑی دیر
پہلے عبدالرحمٰن نے مارا تھا۔ عبدالرحمٰن خوشی سے پھُولا نہیں سما رہا تھا
اُسے من پسند شکار مل گیا تھا۔ سُلطانہ کو دیکھ دیکھ کر اُس پر نشہ طاری ہو
جا رہا تھا۔

*

اور یہ نشہ شاہِ اُندلس عبدالرحمٰن بن الحکم پر ہمیشہ طاری رہا۔ ملکہ طرو
اُس پر ایک بڑے ہی دل کش اور دلفریب طلسم کی طرح چھائی رہی۔ سُلطا
اُس کی منکوحہ بیوی نہ بنی مگر محل پر، حرم پر اور عبدالرحمٰن کی خواب گاہ پر ا
کی حکمرانی تھی۔ اُس نے کبھی بھی عبدالرحمٰن کو پتہ نہ چلنے دیا کہ اُس کے سا
اُس کی پہلی ملاقات کرانے والا ایلوگیتس اُس کا بھی ہاتھ نہیں تھا اور اس
کے گھوڑے ڈر کر منہ زور نہیں ہوئے تھے۔ اس عورت کے متعلق تار
کہتی ہے ،

"اس کا حُسن جہاں سوز، جمال جاں نواز تھا۔ قدرت نے اس کو اپ
ہاتھوں ڈھالا تھا۔ یہ عورت جتنی حسین تھی اُتنی ہی چالاک اور مکار بھی تھی۔ عقل و فہم
اُس میں کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ شوخ و شنگ بھی تھی، تیز و طرار بھی
اداؤں کا مظاہرہ اس نزاکت اور لطافت سے کرتی تھی کہ بادشاہ اُس
قدموں میں لوٹ پوٹ ہو جاتے تھے۔ اس کی چال میں عجیب طرح کا لو

اور لچک تھی۔ یہی کافر شباب اور یہی ظالم حُسن تھا جس نے عبدالرحمٰن کو ملکہ طروب
کا دیوانہ بنا رکھا تھا۔ یہ عورت حُسن کے اثرات سے خُوب واقف تھی۔ اسے شاہِ
اُندلس کی شیفتگی کا بھی بخوبی اندازہ تھا۔۔۔ ایک بار عبدالرحمٰن نے اُس کو
اس قدر زرِ کثیر بطور انعام دے دیا کہ خزانچی چیخ اُٹھا۔۔۔

"ایک بار اُس نے شاہِ اُندلس سے ناراض ہو کر اپنے کمرے کا دروازہ
بند کر لیا۔ شاہ کا حال اُس کی خفگی اور جُدائی اور مفارقت سے بُرا ہونے لگا۔
اُس نے اپنے کئی غلام ملکہ طروب کے حضور بھیجے کہ اُس کی خوشامد اور منّت
کر کے بادشاہ کو کمرے میں آنے کی اجازت دے دے مگر ملکہ نے کسی
کی نہ سُنی۔ بادشاہ کے وزیر اور دو مشیروں نے اُسے مشورہ دیا کہ معمولی سی
ایک عورت اس قدر ضد پر اُتری ہوئی ہے کہ بادشاہ کے جذبات اور حیثیت کا
بھی اُسے لحاظ نہیں تو اُس کے کمرے کے دروازے اور کھڑکیوں میں اینٹیں
چنوا دی جائیں کہ وہ اندر ہی گھُٹ کر مر جائے۔۔۔۔

"عبدالرحمٰن نے نہ صرف یہ کہ اس مشورے کو قبول نہ کیا بلکہ مشورہ دینے
والوں پر بر افروختہ ہُوا اور حکم دیا کہ ملکہ طروب کے دروازے کے سامنے
درہموں کی تھیلیاں اینٹوں کی طرح نیچے سے اُوپر تک چُن دی جائیں اور سب
سے زیادہ قیمتی موتیوں کا ڈھیر لگا دیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی عبدالرحمٰن
ملکہ طروب کے دروازے پر گیا اور اُسے پکار کر کہا کہ دروازہ کھول کر
دیکھو۔ یہ سب دولت تمہاری ہے۔ دروازہ کھُل گیا۔ ملکہ طروب اس کھیل
کی ماہر کھلاڑی تھی۔ عبدالرحمٰن کے قدموں میں گر پڑی۔ اُس کے ہاتھ چُومے اور

اظہار کیا کہ وہ بادشاہ کی دیوانی ہے۔ دیوانہ تو بادشاہ تھا جس نے یہ بھی نہ دیکھا کہ سلطانہ ملکہ طروب کس کی دیوانی ہے۔ اُس نے ہاتھ تو بادشاہ کے چومے مگر بادشاہ کو اپنے کمرے میں لے جانے سے پہلے درہموں کی تھیلیاں اور موتیوں کی ڈھیری اٹھوا کر اپنے کمرے میں رکھوائی۔"

*

محل میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ حرم میں عورتوں نے انگلیاں دانتوں تلے دبا لیں۔ ہر کسی پر ملکہ طروب کا رعب طاری ہو گیا۔ سب عبدالرحمٰن کی خوبیوں سے، اُس کی جنگی فہم و فراست سے اور انتظامی امور کی مہارت سے اچھی طرح واقف تھے۔ وہ سمجھ گئے کہ جس عورت نے اس آدمی کو اپنا غلام بنا لیا ہے، اُس کے ہاتھ میں یقیناً کوئی جادو ہے۔ بعض نے اُسے ساحرہ کہنا بھی شروع کر دیا تھا۔

سب سے زیادہ اُداسی اور شکست کا احساس اُن تین کنیزوں پر سوار ہو گیا تھا جنہیں عبدالرحمٰن اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا کرتا تھا۔ اب سلطانہ نے آکر اُن سے ان کا چاہنے والا چھین لیا تھا۔ ان تینوں کو ملکہ طروب نے اپنے کمرے میں بلایا۔ تینوں دل میں اُس کی نفرت لے کر اُس کے پاس گئیں۔ انہوں نے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھی جسے وہ فتح اور طنز کی مسکراہٹ سمجھ رہی تھیں۔

"تم تینوں میرے قریب بیٹھ جاؤ"۔۔۔ سلطانہ نے انہیں اپنے پاس بٹھا کر کہا۔۔۔ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہاں ہر کسی کی زبان پر میرے

خلاف باتیں ہیں۔ وہ سب کچھ میرے کانوں تک پہنچ رہا ہے جو میرے متعلق کہا جا رہا ہے۔ کچھ باتیں تم نے بھی کی ہیں۔"

تینوں بے چین سی ہو گئیں۔ یہ خوف کا اظہار تھا۔ خوف یہ کہ ملکہ طروب نہیں حرم سے نکلوا دے گی۔ شاہِ اندلس اُس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اس سے ان تینوں کے قتل کا حکم بھی لے سکتی تھی۔

"تمہارے چہروں کے رنگ پیلے کیوں پڑ گئے ہیں؟"۔۔۔ سلطانہ نے اُن سے پوچھا۔۔۔ "کیا تم مجھے اپنی رقیب سمجھ رہی ہو؟..... دل سے ایسا وہم نکال دو۔ مَیں عورت ہوں اس لئے عورت کے دل کو سمجھتی ہوں۔ نہ مَیں تمہیں اپنی رقیب سمجھتی ہوں نہ تم مجھے اپنا دشمن سمجھو۔ تم میں کوئی ایک بھی نہیں جس کے دل میں اس شخص کی محبت ہو جو اندلس کا بادشاہ ہے۔ ہم چاروں شاہِ اندلس کی محبت کا دم صرف اس لئے بھرتی ہیں کہ یہ بادشاہ ہے۔ اگر آج یہ قتل ہو جائے اور اس کی جگہ کوئی بڈھا کھوسٹ تخت پر بیٹھ جائے تو ہم چاروں اُس کے عشق میں بے حال ہونے لگیں گی.... تم نے میری طاقت دیکھ لی ہے۔ مَیں کیا نہیں کر سکتی، لیکن میں تمہارے خلاف اور حرم کی کسی بھی عورت کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کروں گی۔"

تینوں کنیزوں کے چہروں پر رونق عود کر آئی۔

"مدثرہ!"۔۔۔ سلطانہ نے مدثرہ نام کی کنیز سے کہا۔۔۔ "شاہِ اندلس نے تمہیں عقد میں لے لیا ہے۔ تم اُس کی بیوی ہو۔ وہ تم پر فریفتہ ہے۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ اس کے دل میں تمہاری محبت ہے اور وہ صرف تمہارا ہے؟"

"وہ کسی کا بھی نہیں" — مدثرہ نے کہا — "میں اس کی اکیلی بیوی نہیں۔ مجھے وہ دوسریوں سے زیادہ پسند کرتا تھا اس لئے مجھے بھی اپنے عقد میں لے لیا۔ اب تم اسے سب سے زیادہ پسند آگئی ہو تو۔۔۔"

"لیکن میں اُس کا عقد قبول نہیں کروں گی" — سُلطانہ نے کہا — "میں بغیر نکاح کے اُس کے پاس رہوں گی۔ میں تم تینوں کو یقین دلانا چاہتی ہوں کہ مجھے اپنا دشمن نہ سمجھنا۔ میں کہہ چکی ہوں کہ میں عورت ہوں اس لئے کسی عورت کے دل کو اپنے پاؤں تلے نہیں آنے دوں گی۔ اُس کی سب سے زیادہ توجہ مجھ پر ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا کہ میں نے اُسے تم سے چھین لیا ہے۔ میں اس کی توجہ تم پر کر دوں گی۔ میرے دل میں ایسی کوئی خواہش نہیں کہ میں ہی اس پر قبضہ کئے رکھوں۔ اپنے چہروں سے مایوسی اور اداسی دھو ڈالو۔"

اور اُس نے اُن کے ساتھ ایسی باتیں کیں کہ تینوں جب اُس کے کمرے سے نکلیں تو اُن کی نگاہوں میں سُلطانہ ملکہ طروب نہیں تھی، نہ شاہ اندلس کی منظورِ نظر تھی بلکہ اُن کی ہمدرد سہیلی اور بھولی تھی۔ اُن کے دلوں سے بوجھ اُتر چکا تھا۔

*

"یہ بے انصافی ہے، یہ ظلم ہے کہ جن پر کل تک آپ جان چھڑکتے تھے، آج اُن سے نظریں پھیر کر آپ میرے دامِ محبت میں گرفتار ہو رہے ہیں" — ملکہ طروب نے ایک روز عبدالرحمٰن سے کہا — "آپ صرف

مرد نہیں، بادشاہ بھی ہیں۔ آپ کو دل کا بھی بادشاہ ہونا چاہیئے۔ میں کسی عورت پر یہ ظلم برداشت نہیں کر سکتی کہ اُس کے جذبات کو کچلا جائے۔ میں دو تین دنوں کے لئے اپنی جاگیر پر جا رہی ہوں۔ آپ مدثرہ، جاریہ اور شفا کو وہی محبت اور توجہ دیں جو مجھ سے پہلے دیا کرتے تھے، ورنہ اُن کی آہیں مجھے جلا دیں گی۔"

"نہیں سُلطانہ!" — عبدالرحمٰن نے بے تابی سے کہا — "میں دو تین دن بھی تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تم دو تین دنوں کی بات کر رہی ہو۔"

"میں آپ کو اس لئے نہیں چاہتی کہ آپ بادشاہ ہیں" — ملکہ طروب نے کہا — "نہ آپ مجھے اس وجہ سے اچھے لگتے ہیں کہ آپ کے پاس زر و جواہرات کے خزانے ہیں۔ میں نے آپ کو ایک انسان کی حیثیت سے محبت کے قابل سمجھا ہے لیکن میں جب کسی عورت کو آپ کے ہاتھوں دُکھی دیکھتی ہوں تو میری محبت مجروح ہو جاتی ہے۔ میں یہاں سے دو تین دن غیر حاضر رہوں گی۔"

اُس نے عبدالرحمٰن کو جذبات میں اُلجھا کر اس طرح بے بس کر دیا جیسے بڑا ہی زہریلا ناگ سپیرے کی بین پر جھوم رہا ہو۔ سُلطانہ نے محبت کا اظہار ایسے والہانہ انداز سے کیا جیسے وہ بھی عبدالرحمٰن کے بغیر ایک دو لمحے بھی زندہ نہ رہ سکتی ہو۔

شام کو وہ اپنی جاگیر میں پہنچ گئی۔ عبدالرحمٰن نے اُس کی حفاظت کے لئے اُس کے ساتھ اپنے باڈی گارڈ بھیج دیئے تھے جنہیں رات کو سُلطانہ

کے گھر کے ارد گرد پہرہ دیتا تھا. شاہی باورچی بھی ساتھ آئے تھے او
خادمائیں بھی ـــ اور ایلوگیتس بھی سائیں کے بہروپ میں آگیا. اس پر کسی گارڈ
شک نہیں ہوا.

"میں ہر لحاظ سے کامیاب ہوں" ـــ سلطانہ نے کہا ـــ "مجھے با
اُمید نہیں تھی کہ یہ شخص عورت کے معاملے میں اس قدر کمزور ہوگا کہ دونو
جہان بھول جائے گا."

"دماغ میں عورت سما جائے تو بڑے جری جنگجو بھی ہتھیار اُٹھا
کے قابل نہیں رہتے" ـــ ایلوگیتس نے کہا ـــ "اور اگر عورت کسی بزد
کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر اُسے کہہ دے کہ میں تمہاری غیرت ہوں تو وہ بزد
بڑے جری جنگجوؤں کو گھٹنوں بٹھا دیتا ہے. ہم اُندلس کے ان بادشاہوں
اسی طرح بے کار کرتے جائیں گے."

ایلوگیتس اپنے ساتھ چھوٹی سی ایک صندوقچی لایا تھا. اُس نے
کھول کر سلطانہ کے آگے رکھ دی اور بولا ـــ "یہ حقیر سا نذرانہ ہے جو شا
فرانس لوئی کی طرف سے تمہارے لئے آیا ہے. تمہارا اصل انعام تمہار
منتظر ہے."

"مجھے اور کیا کرنا ہے؟" ـــ سلطانہ نے پوچھا.

"یہی کچھ جو تم کر رہی ہو" ـــ ایلوگیتس نے کہا ـــ "میں تمہیں بتا تا رہوں
"میں نے اُن تینوں کنیزوں کو جن پر وہ فدا ہے، اپنے ساتھ ملا
ہے" ـــ سلطانہ نے کہا ـــ "محل میں میری کسی کے ساتھ دشمنی نہیں

مردوں میں موسیقار زریاب ہے جس پر شاہِ اُندلس عاشق ہے. دربار میں
زریاب کا اتنا اثر ہے کہ اکثر اسی کا حکم چلتا ہے. وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور
کرا بھی سکتا ہے. زریاب میں کوئی مافوق الفطرت قوّت ہے کہ جو بات منوانا
چاہتا ہے منوا لیتا ہے اور شاہِ اُندلس اُس کے آگے کمزور سا بچّہ بن جاتا
ہے. مجھے وہ ذرا مختلف نظروں سے دیکھتا ہے. میں ان نظروں کو سمجھتی ہوں.
مجھے پوری اُمید ہے کہ دوسروں پر جادو چلانے والا میرے جادو کا شکار
ہو جائے گا."

"اسے اپنے ساتھ ملانا ضروری ہے" ـــ ایلوگیتس نے کہا ـــ "اور
ایک بار پھر سن لو سلطانہ! عبدالرحمٰن کو قتل نہیں کرنا. ہم اسی سے فائدہ
اٹھائیں گے. اسے عیش و عشرت میں ڈالے رکھو. باقی کام ہم کریں گے."

"ایلوگیتس!" سلطانہ نے قدرے رعب دار آواز میں کہا ـــ "میں اپنے
متعلق تمہیں ایک بات بتا دوں. میں کبھی کسی کے ہاتھ میں کھلونا نہیں بنی میں کھلونا
بنایا کرتی ہوں. تم نے مجھے ابھی تک نہیں بتایا کہ تمہارا منصوبہ کیا ہے. تمہاری
سازش کیا ہے جس کے لئے تم مجھ سے زمین ہموار کرا رہے ہو. کیا تم لوگوں
کو مجھ پر اعتبار نہیں؟ اگر میں یہ کہوں کہ تم مجھے بھی اپنی سازش کی بھینٹ چڑھا دو
گے تو یہ غلط نہیں ہوگا. مجھے ان قیمتی موتیوں سے خریدنے کی کوشش نہ
کرو ایلوگیتس!"

"مجھے بتایا گیا تھا کہ تم بہت ہی دانشمند عورت ہو اور اشارے سمجھ
سکتی ہو" ـــ ایلوگیتس نے کہا ـــ "میں نے تمہارا انتخاب غلط نہیں کیا تھا.

کیا تم ابھی تک نہیں سمجھ سکیں کہ ہمارا منصوبہ اور ہماری سازش کیا ہے؟ تمہیں یاد ہوگا کہ پہلی ملاقات میں جب تم نے میرا بہروپ اتار دیا تھا تو میں نے تم پر اپنا آپ ظاہر کرکے پوچھا تھا کہ تمہارا مذہب کیا ہے اور مذہب کے متعلق تمہارے جذبات کیسے ہیں۔ تم نے کہا تھا کہ مذہب کے متعلق تمہارے کوئی جذبات نہیں۔ تمہارا مذہب صرف یہ خواہش ہے کہ تمہیں ملکہ بننا ہے۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ تمہیں ہم ملکہ بنا دیں گے۔ اب کچھ عرصہ تم عبدالرحمٰن کی ملکہ بنی رہوگی۔ جب اندلس کی اسلامی گدی کو زوال آئے گا تو تم ایک ریاست کی ملکہ ہوگی اور ریاست تمہیں شاہِ فرانس کی طرف سے ملے گی۔....

"ہمارا منصوبہ یہ ہے کہ ہمیں اس ملک میں بغاوت کرانی ہے۔ ہم نے ایک زمین دوز تحریک چلائی ہے۔ تم جانتی ہو کہ جہاں بادشاہ کے خلاف بغاوت ہوگی وہاں بادشاہ کی فوج قتل و غارت کرے گی۔ اگر بادشاہ زریاب جیسے موسیقاروں اور تم جیسی جادو جگانے والی حسین عورتوں میں مدہوش پڑا ہو تو اس کا سارا نظام جس میں فوجی نظام بھی شامل ہے، کمزور اور بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ تمہارا کام یہ ہوگا کہ شاہِ اندلس کو اپنے طلسم میں ایسا گرفتار کرو کہ اسے جب یہ اطلاع ملے کہ اس کے نیچے سے تخت سرک رہا ہے تو بھی وہ حقیقت کی دنیا میں لوٹ کر نہ آئے .... تم نے سمجھ لیا ہے سلطانہ! میں کیا کہہ رہا ہوں؟ ہم عبدالرحمٰن کو زندہ رہنے دیں گے لیکن اس کی ذات اور فطرت کے شہسوار اور تلوار کے دھنی سالار کو مار دیں گے...

یہ کام آسان نہیں۔ اسی لئے تمہارا انعام بہت زیادہ مقرر کیا گیا ہے —— ایک ریاست جس کی تم ملکہ ہوگی۔"

*

ایلوگیئس اور وہ تحریک جس کا اس نے مقصد بیان کیا تھا، افسانوی باتیں نہیں، نہ ایلوگیئس کوئی افسانوی یا تصوراتی کردار تھا۔ اندلس کے مسلمان حکمرانوں کو سقوطِ غرناطہ تک پہنچانے والوں کے ہراول کا کماندار ایلوگیئس تھا۔ قدرت نے اسے غیر معمولی عقل و دانش سے نوازا تھا۔ مذہبی علوم کا وہ عالم اور میدانِ عمل کا سپاہی تھا۔ اس نے عربی زبان پر عبور حاصل کیا اور قرآن کا گہرا مطالعہ کرکے اللہ کے کلام کو سمجھا۔ اندلس میں پمپلونہ کے مقام پر عیسائیوں کی عبادت گاہ کے کھنڈر تھے۔ وہاں سے ایک کتاب برآمد ہوئی جو ایلوگیئس کے ہاتھ لگ گئی۔ اس میں رسول اکرم صلعم کی ذاتِ مبارک کے متعلق بڑی بیہودہ باتیں لکھی ہوئی تھیں۔

یہ کتاب جو ہاتھ سے لکھی ہوئی تھی اس میں عالموں اور واقعات کے حوالے بھی تھے۔ ان حوالوں سے یہ تحریر جو محض بے بنیاد تھی، مستند لگتی تھی۔ ایلوگیئس نے اس کتاب کی کئی نقلیں تیار کیں جو گرجوں میں تقسیم کیں اور پادریوں سے کہا کہ وہ بھی اس کی نقلیں تیار کرکے تقسیم کریں۔ چنانچہ اسلام کے خلاف یہ پروپیگنڈہ گوشے گوشے تک پہنچ گیا۔ مسلمان حکمران جو دراصل امیر تھے، اندلس کے بادشاہ کہلانے لگے۔ انہیں پتہ ہی نہ چل سکا کہ ملک میں اسلام اور سلطنتِ اندلس کے خلاف کیا زہر پھیلایا جا رہا ہے۔

ایلوگیتیس شہر شہر گھوم گیا اور وہ شاہِ فرانس تک پہنچا۔ اُس نے اسلام کے زوال اور سلطنتِ اُندلس کی تباہی کو زندگی کا مشن بنا لیا تھا۔ اُس کی یہ آواز ہر گرجے میں اور ہر گلی میں سنائی دیتی تھی —— "مذہب چھوڑ دو گے تو آنے والی نسلوں کو بھی مسلمانوں کا غلام بنا جاؤ گے۔ وقار اُسے ملتا ہے جو اپنے مذہب کا وفادار ہے۔ مسلمانوں کی تباہی شروع ہو چکی ہے کیونکہ اُن کے حکمرانوں نے اپنے اُوپر جنسیت اور رقص و سرود کا نشہ طاری کر لیا ہے۔ ان کے دلوں میں تخت و تاج کی محبت پیدا ہو گئی ہے۔ وہ اپنی قوم کو اب دھوکے اور فریب دے رہے ہیں۔ ان کی قوم سے وہ عسکری جذبہ نکلتا جا رہا ہے جس نے انہیں آدھی دُنیا پر غالب کر دیا تھا۔ اب ان کے بادشاہ قوم کو اُس مقام پر لے گئے ہیں جہاں کوئی اور طارق بن زیاد پیدا نہیں ہوگا۔ اب یہ قوم بانجھ ہو گئی ہے۔ بادشاہی یسوع مسیح کی ہوگی۔ حکمرانی صلیب کی ہوگی۔"

اور ایلوگیتیس نے جس تحریک کا ذکر کیا تھا اسے عربی زبان میں تحریک مولّدین کہا گیا تھا۔ انگریزی میں اس تحریک کے کارکنوں کو RENEGADES کہا جاتا تھا جس کے معنی ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنا مذہب ترک کر دیا ہو۔ مولّدین کے معنی ہیں دوغلے لوگ۔ دوغلا اُن عیسائیوں کو کہا گیا تھا جو اُندلس میں مسلمانوں سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے تھے۔ ان میں زیادہ تعداد اُن کی تھی جو ذاتی مفادات کی خاطر مسلمان ہوتے تھے کیونکہ حکومت مسلمانوں کی تھی۔ ان کی اکثریت قرطبہ، طلیطلہ اور ملاقہ میں تھی۔

انہیں جب ایلوگیتیس جیسے لیڈر مل گئے تو انہوں نے عیسائی مذہب میں واپس جانے کی بجائے مُسلمان رہ کر اُندلس کی جڑیں کاٹنی شروع کر دیں۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ وہ مسجدوں میں جا کر نمازیں پڑھتے اور پکے مُسلمان نظر آتے تھے مگر در پردہ عیسائی ہو گئے اور اسلام کی آستین کے سانپ بن گئے تھے۔ انہیں اسلام کُش پروپیگنڈے کے علاوہ عربوں کے سلوک نے بھی اسلام سے مایوس کر دیا تھا۔ عرب ان نومسلموں کو کمتر اور حقیر اور اپنی رعایا سمجھتے تھے۔ اسلام کی تعلیمات اور قرآن کے فرمان کے مطابق انہیں وہی عظمت ملنی چاہیئے تھی جو عرب کے مُسلمانوں کو حاصل تھی مگر ایسا نہ ہوا۔

ان کی تحریک کو اسی لیے تحریک مولّدین کہا گیا تھا کہ وہ دوغلے تھے —— ظاہری طور پر مسلمان اور در پردہ عیسائی اور مسلمانوں کے دُشمن۔ ایلوگیتیس کو ایک دستِ راست بھی مل گیا تھا جس کا نام ایبلارو تھا۔ دونوں پہلے ایک عیسائی عالم اور مبلغ سینٹ زولیتیس کے پھر ایبٹ سپیرانڈیو کے شاگرد رہے۔ سپیرانڈیو نے اسلام کے خلاف ایک کتاب بھی لکھی تھی۔
عبدالرحمٰن ثانی کے دورِ حکومت میں عیسائیوں کی تحریکِ مولّدین زور پکڑ گئی اور اُندلس کا یہ بادشاہ موسیقی اور حسین عورتوں کی جنت میں مدہوش پڑا رہا۔

*

سلطانہ ملکہ طروب عبدالرحمٰن سے کہہ گئی تھی کہ وہ دو تین دن اپنی

جاگیر پر گزارے گی لیکن وہ جس مقصد کے لئے گئی تھی وہ پہلے ہی روز
پورا ہو گیا۔ وہ وہاں ایک ہی رات رہی، اور یہ اُس کی زندگی کی یادگار رات
تھی۔ ایلوگیتس میں زبان کی چاشنی کے علاوہ مردانہ حُسن اور وقار کی بھی کشش
تھی۔ سُلطانہ کے دِل کو وہ اچھا لگا، اور اسی لئے بھی وہ اُسے خوش رکھنا
چاہتی تھی کہ اُس کے ساتھ بہت بڑی سازش میں شریک تھی جس میں سے
اُسے ایک ریاست انعام میں ملنے والی تھی، مگر وہ دیکھ رہی تھی کہ ایلوگیتس
نے اُسے بھولے سے بھی اُس نظر سے نہیں دیکھا جس نظر سے اُسے دوسرے
مرد دیکھا کرتے تھے اور جس نظر سے اُسے عبدالرحمٰن نے دیکھا اور خرید
لیا تھا۔

رات ایلوگیتس وہیں سویا۔ اُسے سحر کی تاریکی میں وہاں سے نکل جانا
تھا۔ اُس نے سُلطانہ سے کہا تھا ــــ "میری گردن پر جلاد کی تلوار لٹک رہی
ہے۔ میرا ہر لمحہ موت کے خطرے میں گزرتا ہے۔ باہر تمہارے شاہی محافظ
پہرے پر کھڑے ہیں۔ انہیں میری اصلیت کا پتہ چل جائے تو سورج نکلنے
سے پہلے مجھے ہلاک کر دیا جائے۔ مَیں نے شادی نہیں کی۔ میں کسی عورت
کو بیوہ اور بچوں کو یتیم نہیں کرنا چاہتا۔ میں نے اپنے مقصد کی خاطر اپنے
جذبات کو کچل ڈالا ہے۔"

رات وہ الگ کمرے میں سویا۔ آدھی رات سے کچھ دیر بعد اُس نے
اپنے چہرے پر کسی کا ہاتھ محسوس کیا۔ اُس کی آنکھ کھُل گئی۔ اُس نے نہایت
تیزی سے کمربند سے خنجر نکالا۔ اگر سُلطانہ بول نہ پڑتی تو خنجر اُس کے سینے

میں اُتر جاتا۔

"کیوں؟" ــــ ایلوگیتس نے گھبراتی ہوئی آواز میں پوچھا ــــ "سُلطانہ!
کیا خبر لائی ہو؟"

"تمہارے جذبات زندہ کرنے آئی ہوں ایلوگیتس!" ــــ سُلطانہ نے
اُس کے بستر پر نیم دراز ہوتے ہوتے اور بازو اُس کے گلے میں ڈال کر کہا
ــــ "جو بات تم کہہ نہیں سکتے وہ مَیں جانتی ہوں۔ اپنے آپ کو یوں نہ جلاؤ
ایلوگیتس!"

ایلوگیتس دھیمے سے ہنس پڑا مگر اس ہنسی میں مسرت نہیں تھی۔
کہنے لگا ــــ "مجھے اُن مردوں کی صف میں کھڑا نہ کرو سُلطانہ، جو عورت کو ہی زندگی
کا حاصل سمجھتے ہیں۔ اگر تم نے میرے وہ جذبات زندہ کر دیئے جو زندہ کرنے
آئی ہو تو میرا جسم زندہ ہو جائے گا، روح مر جائے گی۔ مجھے نہ اپنے جسم
کے ساتھ کوئی دلچسپی ہے نہ تمہارے جسم کے ساتھ۔"

سُلطانہ یوں پرے ہٹ گئی جیسے ایلوگیتس نے اُسے بڑی زور
سے دھکا دیا ہو۔

"کیا تم مجھے اپنے قابل نہیں سمجھتے؟" ــــ سُلطانہ نے پوچھا۔

"اگر تم اس قابل نہ ہوتیں تو میں اپنا اتنا نازک اور خطرناک راز تمہیں
نہ دیتا۔ مَیں تمہیں محل میں نہ بھیجتا" ــــ ایلوگیتس نے کہا ــــ "تمہیں مَیں نے
اپنے دل میں، اپنی روح میں جگہ دی ہے۔ مَیں تمہاری عبادت کروں گا،
اور جس کی عبادت کی جاتی ہے اُسے پاک سمجھا جاتا ہے۔ مَیں تمہیں پاک

رکھوں گا ..... یہی بات میں تمہیں سمجھا رہا تھا۔ عورت کو جسمانی طور پر یا تصوّروں میں جس نے اپنے آپ پر سوار کر لیا وہ اپنے مقاصد میں ناکام رہا۔ وہ حیوان بن جاتا ہے جس پر ترقی اور کامرانی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ دروازے ہیں جو میں شاہِ اُندلس عبدالرحمٰن پر بند کرنا چاہتا ہوں۔ اگر میں بھی جسموں کے حسن اور اداؤں کا شکار ہو گیا تو میں اپنے اس عظیم مقصد سے ہٹ جاؤں گا جس پر میں نے سب کچھ قربان کر دیا ہے۔"

"تم عظیم ہو" ـــــ سلطانہ نے کہا اور اُس کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگا کر بولی۔ "جو قربانی مانگو گے دوں گی۔ تمہاری عظمت کو خراج دوں گی۔"

اور وہ خاموشی سے اُس کے کمرے سے نکل گئی۔

*

اگلے روز وہ عبدالرحمٰن کے محل میں پہنچ گئی۔ عبدالرحمٰن کو توقع نہیں تھی کہ وہ دوسرے ہی روز واپس آ جائے گی۔ سلطانہ نے اُس کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا ـــــ "آپ کے بغیر ایک رات گذارنی مشکل ہو گئی تھی۔ میں اب آپ سے جدا نہیں ہو سکتی۔"

سلطانہ کے والہانہ پن کی اداکاری اور اُس کے جسم کی لَو نے عبدالرحمٰن کو مدہوش کر دیا۔

اُس رات سلطانہ نے دربار کے موسیقار کو اپنے کمرے میں بلایا۔ عبدالرحمٰن کو اس نے اُس کی منظورِ نظر کنیزوں کے حوالے کر دیا تھا۔

"تمہاری آواز میں جادو ہے زریاب!" ـــــ سلطانہ نے آنکھوں میں

خمار بھر کے اور آنکھیں زریاب کی آنکھوں میں ڈال کر کہا ـــــ "اور میں محسوس کرتی ہوں کہ جب میں تمہارے سامنے ہوتی ہوں تو تمہاری آواز میں سوز کچھ زیادہ ہی ہو جاتا ہے۔"

"کیا یہ گستاخی ہے؟" ـــــ زریاب نے پوچھا۔

"نہیں" ـــــ سلطانہ نے کہا ـــــ "تم نے مجھے مسحور کر دیا ہے۔ مجھے تمہاری نشیلی آنکھوں سے بھی نغمے پھوٹتے نظر آتے ہیں۔"

زریاب کو چونکہ معلوم تھا کہ سلطانہ عبدالرحمٰن کی خاص چیز ہے اس لئے وہ جھجک رہا تھا مگر بہت دیر بعد جب وہ سلطانہ کے کمرے سے نکلا تو اُسے یقین ہو چکا تھا کہ سلطانہ عبدالرحمٰن کی نہیں، اُس کی ہے اور اُسی کی محبت اپنے دل میں پال رہی ہے۔ اس رات کے بعد اُن کی ملاقاتیں رازداری سے ہونے لگیں۔ ایک بار پھر سلطانہ نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ وہ دو تین دن محل کی مقیّد فضا سے دور اپنی جاگیر پر گذارنا چاہتی ہے اور زریاب کو بھی ساتھ لے جائے گی۔ اُس نے دل پر گھٹن اور صحت کی خرابی کا بہانہ ایسے انداز سے پیش کیا کہ عبدالرحمٰن نے اسے اُسی وقت زریاب کے ساتھ روانہ کر دیا۔

رات اُبوگیتیس آگیا۔ اُس کے ساتھ سلطانہ کا خفیہ رابطہ تھا۔ زریاب سلطانہ کی محبت کے جال میں ایسا اُلجھ چکا تھا کہ اُندلس کی یہ حسین ترین عورت اس کی سوچوں پر غالب آگئی تھی۔ اُس نے زریاب کے دل میں عبدالرحمٰن کے خلاف نفرت بھر دی تھی۔ وہ اُسے کہا کرتی تھی ـــــ "ہم مجبور ہیں زریاب! تمہارے

"سنو۔ یہ کیا خبر سناتے ہیں"۔۔۔ حاجب نے کہا اور اُن آدمیوں کو اشارہ کیا کہ وہ سنائیں۔

"سالارِ محترم!"۔۔۔ ان میں سے ایک نے کہا۔۔۔ "قرطبہ کے مضافات ہیں، طلیطلہ اور مدشرہ میں عیسائی مسلح بغاوت کے لئے تیار ہیں۔ انہوں نے نہایت خفیہ طریقے سے اُن مسلمانوں کو بھی ساتھ ملا لیا ہے جو کچھ عرصہ پہلے عیسائی تھے۔ یہ لوگ دوغلے ہو گئے ہیں۔ ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں اور درپردہ ہمارے خلاف لڑنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ بہت جلدی یہ لوگ اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ انہیں احساس ہے کہ وہ تعداد میں زیادہ ہوتے تو بھی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے لیکن وہ مرنے کا حلف اُٹھا چکے ہیں۔"

ان مخبروں نے سنایا کہ شاہِ فرانس لوئی اس بغاوت کو ہوا دے رہا ہے اور عیسائی ریاست گوتھک مارچ کا حکمران برن ہارٹ اُندلس کے سرحدی علاقوں پر حملہ کر کے جتنی زمین پر قبضہ کر سکا کر لے گا۔ یہ دونوں مخبر نومسلم عیسائیوں کے بہروپ میں عیسائیوں سے جا ملے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ ایلوگیتس نام کا کوئی عیسائی ہے جو عیسائیوں کا خون گرما رہا ہے اور وہ باغیوں کا سرغنہ ہے۔

بغاوت کی آگ کئی جگہوں پر سلگنے لگی تھی۔ وزیرِ اعلیٰ حاجب عبدالکریم کو پہلے بھی بغاوت کی تیاریوں کی اطلاعیں ملی تھیں۔ اُس نے دو بار عبدالرحمٰن کو باخبر اور خبردار کرنے کی کوشش کی لیکن عبدالرحمٰن نے توجہ نہ دی۔

"عبید بھائی!"۔۔۔ حاجب نے سالارِ اعلیٰ سے کہا۔۔۔ "ہمارا امیر اور بادشاہ اگر یوں لاپرواہ ہو جائے تو ہمارا رویہ کیا یہ نہیں ہونا چاہیئے

کہ ہم بھی لاپرواہ ہو جائیں؟"

"نہیں"۔۔۔ سالار عبیداللہ نے کہا۔۔۔ "سرزمین اُندلس عبدالرحمٰن کی نہیں۔ یہ اُن مردانِ حُر کی سرزمین ہے جو عرب سے یہاں اللہ کا پیغام لے کر آئے تھے اور وہ واپس اپنے گھروں کو، اپنے عزیزوں کے پاس نہیں گئے تھے۔ یہ ہماری اور سلطنتِ اسلامیہ کی بدنصیبی ہے کہ اُندلس کی حکمرانی ایک خاندان اور ایک گروہ کا ورثہ بن گئی ہے۔ یہ شاہی خاندان بن گیا ہے۔ انہیں اس ملک کے ساتھ اور یہاں کے لوگوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں۔ ان کی دلچسپیاں بادشاہت اور عیش و عشرت پر مرکوز ہو گئی ہیں۔ ملک کا اصل دشمن یہ حکمران طبقہ ہے جو خوشامدیوں کے نرغے میں بیٹھا حکومت کر رہا ہے۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ اس سرزمین کو کفر سے بچائیں۔ مجھے بھی بغاوت اور بیرونی حملے کی اطلاعیں مل رہی تھیں۔ آج تم نے تصدیق کر دی ہے۔ اگر میرے مشورے پر عمل کرنا چاہو تو ہم دونوں امیرِ مملکت عبدالرحمٰن کے پاس چلتے ہیں۔"

"خیال میرا بھی یہی ہے"۔۔۔ حاجب نے کہا۔۔۔ "لیکن وہ ملکہ طروب اور اپنے موسیقار زریاب کے قبضے میں ہے۔ یہ جنات کا قبضہ ہے۔ یہ ایسا حصار ہے جس میں شاید ہم دونوں داخل نہ ہو سکیں۔"

"کوشش کریں گے"۔۔۔ عبیداللہ نے کہا۔۔۔ "کہو تو ابھی چلتے ہیں۔"

حاجب اور عبیداللہ دونوں مخبروں کو ساتھ لئے عبدالرحمٰن کے محل میں چلے گئے۔

عبدالرحمٰن کو اطلاع ملی کہ وزیرِ اعلیٰ اور سالارِ اعلیٰ کسی ضروری کام سے ملنے آئے ہیں تو سلطانہ ملکۂ طروب باہر آئی۔ وہ ایسے لباس میں تھی جس میں وہ عریاں لگتی تھی۔ اُس کے دلکش چہرے پر خفگی کے آثار تھے۔

"کیا آپ لوگ دن کو دربار میں ان سے نہیں مل سکتے؟" — سلطانہ نے رعونت بھرے لہجے میں کہا — "اُنہوں نے ابھی ابھی زریاب کو بلایا ہے۔ اس وقت شاہِ اندلس نہیں مل سکیں گے۔"

"ہمیں اسی وقت اُن سے ملنا ہے" — عبیداللہ نے کہا — "ہمیں حکم ان سے لینا ہے، تم سے نہیں۔ اُنہیں کہو ہم دونوں ان سے بات کئے بغیر نہیں جائیں گے۔"

"اور میں آپ دونوں کو اُن سے نہیں ملنے دوں گی" — سلطانہ نے گردن اکڑا کر کہا۔

حاجب عبدالکریم نے عبیداللہ سے کہا — "کیا اس توہین کے بعد بھی تم یہاں کھڑے رہو گے؟"

"میں یہاں کھڑا نہیں رہوں گا" — سالار عبیداللہ نے کہا — "لیکن واپس نہیں جاؤں گا، اندر جاؤں گا۔ حرم کی ایک عورت اپنی زبان سے ملکہ بنی پھرتی ہے۔ مجھے اس کی خوشنودی اور خفگی کی کوئی پرواہ نہیں۔"

شاہِ اندلس کے خاص کمرے سے زریاب کی سریلی آواز سنائی دے رہی تھی اور ساز بج رہے تھے۔ ان مترنم آوازوں سے شاہِ اندلس کی آواز اُبھری — "سلطانہ! کہاں ہو۔ اُنہیں کہو کل آئیں۔"

عبیداللہ عبدالرحمٰن کے کمرے میں چلا گیا۔ حاجب عبدالکریم اُس کے پیچھے گیا اور اس کے پیچھے سلطانہ کمرے میں داخل ہوئی۔ عبدالرحمٰن نیم دراز تھا۔ آنکھیں نیم وا کئے خمار کی کیفیت میں تھا۔

"کیا ان لوگوں کو شاہی محل کے آداب سے کوئی واقفیت نہیں؟" — سلطانہ نے غصے سے کہا۔

"کوئی ضروری بات ہو گی سلطانہ!" — عبدالرحمٰن نے غنودگی میں کہا — "اتنی جلدی ناراض نہ ہو جایا کرو۔ آؤ، میرے پاس بیٹھو" — اور اُس نے عبیداللہ اور حاجب عبدالکریم سے پوچھا — "ایسی کون سی قیامت آپڑی ہے کہ تم دونوں رات گذرنے کا انتظار نہیں کر سکے؟ اور تمہیں کہا گیا کہ میں ابھی نہیں مل سکتا تو بھی تم اندر آ گئے۔ کیا تم اپنے رتبوں کو اور اپنے عہدوں کو بھول گئے ہو؟"

"ہاں، امیرِ اندلس!" — عبیداللہ نے کہا — "ہم اپنے رتبوں اور عہدوں کو بھول گئے ہیں۔ اس سرزمین کا فاتح یہاں کسی رتبے اور کسی عہدے کی خاطر نہیں آیا تھا۔ اُن شہیدوں کو جنہوں نے اس خطے میں اللہ اور رسول ﷺ کا پرچم گاڑ کر جانیں قربان کی تھیں، کیا صلہ ملا تھا؟ ..... یہی کہ آج ایک ننگی داشتہ شہیدوں کی اس زمین پر کھڑی ہو کر ایک سالار اور ایک وزیر کو یہ حکم دے کہ تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ۔"

"عبیداللہ!" — عبدالرحمٰن جو غنودگی میں تھا اچانک گرج کر بولا — "کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کیا کہہ رہے ہو؟"

وہ نیم دراز تھا، اُٹھ بیٹھا۔ اُس کی مخمور آنکھیں پوری طرح کُھل گئیں۔ زریاب کا ساز اور اُس کی آواز خاموش ہو چکی تھی۔ سُلطانہ الگ کھڑی دانت پیس رہی تھی۔ عبدالرحمٰن کے چہرے پر خون کی لالی آگئی۔ یہ غصّے کی لالی نہیں تھی۔ یہ اس کے چہرے کا قدرتی رنگ تھا۔ اُس کی نظریں یوں عبیداللہ، حاجب، زریاب اور سُلطانہ پر بھٹک رہی تھیں جیسے نیند سے ڈر کر جاگ اُٹھا ہو اور سب کو دیکھ رہا ہو کہ اُسے کیا ہو گیا تھا، اُس نے کیا دیکھا ہے اور کیا وہ واقعی بیدار ہو گیا ہے اور کیا یہ سب جاگتی دُنیا کے لوگ ہیں؟

"تم دونوں بیٹھو گے نہیں؟" — عبدالرحمٰن نے عبید اور حاجب سے پوچھا اور زریاب اور سُلطانہ سے کہا — "تم دونوں ساتھ والے کمرے میں بیٹھو۔ معلوم ہوتا ہے کوئی بہت ضروری بات ہے ورنہ یہ دونوں اس طرح نہیں کیا کرتے جس طرح یہ آج بغیر اجازت اندر آ گئے ہیں" — اُس کے لہجے میں معذرت کا رنگ تھا۔

زریاب اور سُلطانہ چلے گئے تو عبیداللہ اور حاجب بیٹھ گئے۔ عبدالرحمٰن نے جس طرح زریاب اور سُلطانہ سے معذرت کی تھی اس سے سالار اور وزیرِ اعلیٰ برافروختہ ہو گئے۔ اُنہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں طے کر لیا کہ آج بات صاف کر کے رہیں گے۔

"کہو، کیا بات ہے؟" — عبدالرحمٰن نے کہا۔

"آپ کو خلیفہ نے اُندلس کا امیر مقرر کیا ہے" — عبیداللہ نے کہا — "مگر دربار کے مفاد پرست خوشامدیوں اور زر پرستوں نے آپ کو شاہِ اُندلس

کہنا شروع کر دیا ہے، اور آپ بھی بادشاہ بن بیٹھے ہیں۔"

"کہنا کیا چاہتے ہو عبید؟" — عبدالرحمٰن نے بادشاہوں کے لہجے میں کہا — "تم اپنے آپ کو ہر وقت میدانِ جنگ میں سمجھتے ہو۔ تمہارے تصوّروں میں بھی لڑائی ہوتی رہتی ہے۔ کیا تم اطمینان سے وہ بات نہیں کہہ سکتے جو کہنے آئے ہو؟"

"نہیں — مجھ میں اطمینان نہیں رہا" — عبیداللہ نے کہا — "جس روز میرے تصوّروں میں لڑائی ختم ہو گئی اُس روز آپ کے تخت کے نیچے سے زمین نکل جائے گی اور اُندلس کی فضا سے اسلام کا پرچم اور اذانوں کی مقدس صدائیں غائب ہو جائیں گے۔ سالار دربار کا آدمی نہیں ہوتا۔ سالار تخت و تاج کا خواہشمند نہیں ہوتا۔ سالار کا مقام محاذ ہے ... کفر کے خلاف محاذ، باطل کے خلاف محاذ ... آپ بھی سالار ہیں۔ آپ میدانِ جنگ کے شیر ہیں مگر ہمیں آکر آپ کو جگانا پڑا، صرف اس لئے کہ آپ نے اللہ کی تلوار تخت کے نیچے پھینک دی ہے اور رقص و سرود اور عورت کی جنّت میں داخل ہو گئے ہیں۔ آپ میں عقل ہے، دانش ہے، علم ہے مگر آپ نے اپنے اُوپر ایک حسین اور مترنم آسیب طاری کر لیا ہے جو آپ کو اس حقیقت سے بیگانہ کئے ہوئے ہے کہ جس جنّت میں آپ داخل ہو گئے ہیں یہ جہنّم کا دروازہ ہے۔"

"حادثہ یہ ہوتا ہے" — حاجب عبدالکریم نے کہا — "کہ جس جہنّم کی طرف عبیداللہ نے اشارہ کیا ہے اس میں بادشاہ اکیلا نہیں جایا کرتا۔

بادشاہ کا یہ گناہ پوری قوم کو اس جہنم میں پھینک دیتا ہے. بادشاہ کے جُرم کی سزا پُوری قوم کو ملتی ہے۔ دشمن کی طرف سے بے خبر ہونے والے بادشاہ کی قوم کے مقدر میں دشمن کی غلامی لکھ دی جاتی ہے۔"

"اپنے دماغ سے تخت و تاج کا نشہ نکال لیجئے امیرِ محترم!" سالار عبید اللہ نے کہا — "ابھی تو رعایا آپ کے خلاف بغاوت کے لئے اُٹھ رہی ہے، کل آپ کی اپنی فوج آپ کے خلاف باغی ہو جائے گی۔"

"بغاوت؟" — عبدالرحمٰن نے حیران و ششدر ہو کر پوچھا — "کیسی بغاوت؟ کون سی فوج باغی ہو جائے گی؟ مجھے معلوم نہیں۔ مجھے بتاؤ۔"

"آپ کو اس لئے معلوم نہیں کہ آپ کی آنکھیں اور کان درباریوں نے بند کر رکھے ہیں" — حاجب نے کہا — "آپ کو وہی نظر آتا ہے جو آپ کو خوشامدی اور غیر سرکاری مشیر دکھاتے ہیں. ان حسین کنیزوں نے، اِس داشتہ نے اور آپ کے خوش گلو موسیقار نے آپ کی ذات کے مردِ حُر کو قتل کر دیا ہے یہ مردانِ حُر کی سرزمین ہے اور آپ اس کے امیر نہیں اہل ہیں۔"

"نہیں حاجب!" — عبدالرحمٰن نے ڈرے ہوئے لہجے میں کہا — "سُلطانہ مجھ سے دھوکہ نہیں کر سکتی. زریاب مجھ سے بیوفائی نہیں کر سکتا۔"

"ہم آپ کی بات نہیں کر رہے" — عبید اللہ نے کہا — "آپ کو کوئی دھوکہ دے اور آپ سے کوئی بے وفائی کرے، ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ہم سرزمینِ اُندلس کی بات کر رہے ہیں۔ ہم باطل کے اُن پرستاروں کی بات کر رہے ہیں جو سلطنتِ اسلامیہ اُندلس کو دھوکہ دے رہے ہیں اور

جو اللہ کے اس پاک نظام کے ساتھ بے وفائی کر رہے ہیں … غور سے سُنیئے امیرِ محترم!"

عبید اللہ اور حاجب عبدالکریم نے دونوں مخبروں کو اندر بلا لیا ور انہیں کہا کہ وہ امیرِ اُندلس کو اپنی تمام تر رپورٹ تفصیل سے دیں۔ نہوں نے تفصیل سُنا دی. حاجب اور عبید اللہ نے بھی اس رپورٹ میں ضافے کئے۔

عبدالرحمٰن مکمل طور پر بیدار ہو گیا۔

*

دوسرے کمرے میں سُلطانہ ملکہ طروب اور زریاب بیٹھے پیچ و ب کھا رہے تھے. سُلطانہ کچھ دیر عبدالرحمٰن کے خاص کمرے کے ساتھ ن لگائے اُدھر کی باتیں سنتی رہی تھیں۔

"ان بدبختوں نے اُسے بیدار کر لیا ہے" — سُلطانہ نے زریاب ے کہا — "اگر وہ اسے ایک بار میدانِ جنگ میں لے گئے تو وہ ہمارے سے نکل جائے گا. ہم ناکام ہو جائیں گے۔ اُیلوگیَس نے بتایا تھا کہ وت بالکل تیار ہے اور اُدھر فرانس کے شاہ لُوئی کی پشت پناہی میں ونہ اور گوتھک مارچ کی طرف سے حملہ بھی تیار ہے. ان دونوں کو پتہ چل ے اور یہ حکم لینے آئے ہیں۔"

"اُیلوگیَس کو خبردار کر دیا جائے کہ فوج حرکت میں آنے والی ہے" — ب نے کہا — "یہ دو آدمی جو ان کے ساتھ آئے ہیں جاسوس معلوم ہوتے ہیں؛

"ہاں" سُلطانہ نے کہا ــــ "یہ جاسُوس ہیں۔ انہیں ختم کرنا ضروری ہے
زریاب دانشمند آدمی تھا۔ کہنے لگا ــــ "قتل کرنے سے کچھ حاصل نہ
ہوگا۔ اُن کی جگہ دو اور آجائیں گے۔ انہیں ہم لالچ دے کر اس طرح استعمال
کر سکتے ہیں کہ ظاہری طور پر سرکاری جاسوس بنے رہیں مگر درپردہ ایلوگیئس
کے لئے کام کریں۔ یہ سالار اور وزیرِ اعلیٰ کو دھوکہ دے سکتے ہیں۔"
"میں انہیں انعام میں حرم کی دو خوبصورت عورتیں دے سکتی ہوں"
سُلطانہ نے کہا ــــ "یہ انعام انہیں ہمارا غلام بنا دے گا۔"
سُلطانہ نے پھر اُس دروازے کے ساتھ جا کان لگائے اور اُس
کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔
"پمپلونہ پر فرانسیسی کاؤنٹ البوس اور کاؤنٹ الیسنیارس کی فوجیں حملہ
کر چکی ہیں" ــــ عبیداللہ کہہ رہا تھا اور سُلطانہ سُن رہی تھی ــــ "آپ کو بتایا گیا تھ
کہ یہ فوجیں واپس جا رہی تھیں تو تنگ وادیوں میں سے گذرتے وہاں کے
مُسلمانوں اور عیسائیوں نے اور اپنا جو مختصر سا دستہ وہاں تھا، اس نے
ان پر حملہ کر دیا اور انہیں خوب سزا دی۔ ان کے بے شمار قیدی پکڑے
ور ان سے سب کچھ چھین لیا۔ اب برسلونہ کی طرف سے حملے کا خطرہ ہے
"تم نے کیا سوچا ہے؟" ــــ عبدالرحمٰن نے پوچھا ــــ "پہلے وہاں
سے معلوم کراؤ کہ یہ اطلاع کس حد تک درُست ہے۔ ہو سکتا ہے غلط ہو"
"میری اور حاجب عبدالکریم کی عافیت اسی میں ہے کہ آپ کے
حکم پر عمل کریں" ــــ عبیداللہ نے کہا ــــ "قاصد روانہ کر دیں اور خود یہاں

بیٹھے سالار اور وزیر بنے رہیں اور ہمارے ماتحت لوگ ہمیں سلام کرتے رہیں
امیرِ محترم! ہم اپنے فرائض میں کوتاہی نہیں کریں گے۔ اگر آپ دشمن کے معاملے
میں یوں ٹھنڈے رہیں گے تو ہم آپ سے حکم لئے بغیر دشمن کے خلاف وہ
کارروائی کریں گے جو اُندلس اور اسلام کی سلامتی اور بقا کے لئے ضروری سمجھیں
گے۔ آپ ہمیں اپنے محل اور تخت کی پاسبانی کے لئے استعمال نہ کریں۔
دشمن ہر حال میں دشمن ہے۔ اس کی دوستی بھی دشمنی ہوتی ہے ...... ہم سرحدی
علاقوں پر فوجی کارروائی کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی قیادت میرے ہاتھ میں ہو گی۔
ہم آپ سے جو کچھ مانگیں وہ ہمیں دے دیں۔"
"میں تمہیں صُبح بتاؤں گا" ــــ عبدالرحمٰن نے کہا ــــ "آج ذرا سوچ لوں۔"
"صُبح ہم کوچ کر جائیں گے" ــــ عبیداللہ نے کہا ــــ "آدھی فوج یہاں
قرطبہ میں رہے گی۔ اس کی کمان حاجب کے ہاتھ میں ہو گی۔ آپ جانتے ہیں
حاجب بھی سالار ہے۔ اگر میری غیر حاضری میں بغاوت ہو گئی تو اس کے
خلاف حاجب فوج کو استعمال کرے گا۔"
"میں امیرِ محترم کو یہ بتا دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ میری کارروائی
شریفانہ نہیں ہو گی" ــــ حاجب نے کہا ــــ "میں باطل کے ان پرستاروں
کو ختم کر دوں گا جو دکھاوے کے مُسلمان بنے ہوئے ہیں اور درپردہ
اسلام کے خلاف مسلّح بغاوت کر رہے ہیں۔ یہ دوغلے ہیں۔ میں ان مولّدین
کو ان میں نہلا کر اُن کے مکان اور اُن کے مُردے جلا دوں گا۔"
سُلطانہ نے ابھی تک کان دروازے کے ساتھ لگا رکھے تھے۔

اس کے کانوں میں عبدالرحمٰن کی آواز آئی ـــ "تم دونوں منصوبہ تیار کر لو اور جہاں سمجھتے ہو فوج کی ضرورت ہے اور جتنی فوج کی ضرورت ہے لے جاؤ۔"

عبیداللہ اور حاجب عبدالکریم اور کچھ کہے بغیر چلے گئے۔

"وہ چلے گئے ہیں" سُلطانہ نے زریاب سے کہا ـــ "شاہِ اُندلس نے حکم دے دیا ہے کہ سرحد پر فوج لے جائیں۔"

"ہم انہیں روک تو نہیں سکتے" ـــ زریاب نے کہا ـــ "اور خیال رکھنا سُلطانہ! شاہِ اُندلس پر یہ ظاہر نہ ہو کہ ہم اس کے فیصلے پر خوش نہیں ہیں بات مجھے کرنے دینا..... کل ایلوگیتس کو اطلاع بھجوا دینا۔ وہ بہتر سمجھتا ہے کہ اس صورتِ حال میں اُسے کیا کرنا چاہیئے۔"

"اس سے ہمیں یہ پتہ چل گیا ہے کہ شاہِ اُندلس پر ہمارا اثر پُورا کام نہیں کر سکا" سُلطانہ نے کہا ـــ "اس کے اندر کا مُسلمان ابھی مرا نہیں"

عبدالرحمٰن نے انہیں بلا بھیجا۔ دونوں فوراً پہنچے۔ سُلطانہ نے عبدالرحمٰن سے پوچھا کہ سالار اور وزیر کیوں آئے تھے۔ عبدالرحمٰن نے انہیں ساری بات بتا دی۔

"زندہ باد بادشاہِ اُندلس!" ـــ زریاب نے کہا ـــ "آپ نے بڑی دانشمندی کا مظاہرہ کیا ہے کہ فوج کو کوچ کا حکم دے دیا ہے۔ ان کفّار کو کچل اور مسل ڈالیں۔ تاریخ میں آپ کا اسمِ مبارک سونے کے الفاظ سے لکھا جائے گا۔"

سُلطانہ نے عبدالرحمٰن کے گلے میں باہیں ڈال کر گال اُس کے گال کے ساتھ لگا دیا اور بولی ـــ "شاہِ اُندلس مردِ مومن ہے مردِ حُر ہے۔ آپ کے جذبۂ حریت اور مردانگی نے ہی مجھے آپ کا مرید بنایا ہے۔ میں آپ جیسے مُسلمان باپ کی بیٹی ہوں۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ تلوار ہاتھ میں لے کر عربی نسل کے گھوڑے پر سوار ہو کر میدانِ جہاد میں جاؤں۔"

"تم کیوں جاؤ؟" ـــ عبدالرحمٰن نے اُسے اپنی گود میں گراتے ہوئے کہا ـــ "میں تم پر اپنی ساری فوج قربان کر سکتا ہوں۔"

شاہِ اُندلس ایک بار پھر حقیقت کی دُنیا سے لاتعلق ہو گیا۔

*

جنہیں اپنے مذہب سے اور اپنے ملک سے محبت ہوتی ہے وہ اپنے آپ کو بھی جانتے ہیں اور اپنے دشمن کو بھی پہچانتے ہیں۔ وہ کبھی چین اور آرام سے نہیں بیٹھتے نہ دشمن کو چین سے بیٹھنے دیتے ہیں۔ یہی کیفیت یورپ والوں کی تھی۔ اسلام کا جھنڈا اُن کے سینے میں گڑ گیا تھا اور انہیں خطرہ نظر آ رہا تھا کہ یہ جھنڈا سارے یورپ کو اپنے سائے تلے لے لے گا۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنے اُوپر آرام اور چین حرام کر لیا تھا۔ اُنہوں نے اُندلس کی سرحدوں پر پہلے روز سے ہی حملے شروع کر دیئے تھے اور سرحدی علاقوں کی آبادیوں میں تباہی مچاتے رہتے تھے۔ اُندلس کی فوج کا خاصا حصّہ سرحدوں پر ہی بھاگتا، دوڑتا، دشمن کا تعاقب کرتا رہتا تھا۔ اس طرح اُندلس کی فوج کم ہوتی رہتی اور نئی بھرتی کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

اور مسلمان حکمران تھے کہ چین اور آرام سے تخت پر بیٹھ رہتے تھے۔
اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اندلس کی سرحدیں پھیلنے کی بجائے سکڑنے لگی تھیں۔ ہر
دور میں خدا نے کچھ مردانِ حُر پیدا کئے ہیں جنہوں نے اسلام کی لاج رکھ
لی اور سات آٹھ صدیاں یورپ میں پرچم اسلام کو بلند رکھا۔ چونکہ حریت کے
یہ پروانے بادشاہ نہیں تھے، امیر نہیں تھے، خلیفے نہیں تھے اس لئے
وہ وقت بھی آگیا کہ اُن کی حریت کا جذبہ بھی بیکار ثابت ہوا۔

ان میں ایک سالار عبیداللہ بن عبداللہ بلینسی (بلینسیہ) کا رہنے والا
تھا اور دوسرا حاجب عبدالکریم۔ ان کے ماتحت بھی کچھ ایمان والے تھے
جنہوں نے اپنے حکمرانوں کی عشرت پرستی دیکھ کر بھی اپنے فرائض سے
کوتاہی نہ کی۔

سالار عبیداللہ نے رات کو ہی فوج کے اُن دستوں کے کمانداروں
اور عہدیداروں اور اپنے نائبین کو جگا کر اکٹھا کر لیا۔ انہیں بتایا کہ ملک میں
بغاوت ہونے والی ہے اور اس سے ہماری توجہ ہٹانے کے لئے ہمارے
سرحدی علاقوں پر دشمن حملہ کر رہا ہے۔

"ایک طوفان ہے جو ہمیں اپنے ساتھ اڑا اور بہا لے جانے کے
لئے اُٹھ رہا ہے"۔۔۔ سالار عبیداللہ نے کہا۔۔۔ "یہ صحیح ہے کہ سپاہی کو حکم
ماننا ہے اور اسے پہاڑوں پر، دریاؤں اور سمندروں میں، تپتے ہوئے
ریگزاروں میں اور جہاں اُسے حکم ملے، لڑنا ہے اور جان دینے سے گریز
نہیں کرنا، لیکن اللہ کا سپاہی دوسری قوموں کے سپاہیوں سے مختلف ہے۔

ایک مقدس مقصد کی خاطر لڑتے ہیں۔ ہم کسی ایک انسان یا اُس کے خاندان
کی حکومت کو بچانے اور قائم رکھنے کے لئے نہیں لڑتے۔ ہم اللہ کی حکمرانی کو
انسانوں کے دلوں پر مسلط کرنے کے لئے لڑتے ہیں۔ ہم قرآن کے اس حکم
پر لڑتے ہیں کہ جب تک کفر کا فتنہ ختم نہ کر لو، تم پر جہاد فرض ہے۔۔۔۔

"اپنے سپاہیوں کو اچھی طرح ذہن نشین کرا دو کہ اندلس کی فوج نے
یہاں جو روایت قائم کی تھی، اُسے زندہ رکھنا ہے۔ انہیں بتانا کہ یہ سرزمین
ان شہیدوں کی امانت ہے جو بڑی تھوڑی تعداد میں یہاں آتے تھے
اور انہوں نے اپنی کشتیاں جلا ڈالی تھیں کہ کسی کے دل میں واپسی کا
خیال ہی نہ رہے۔ آج ہمیں اسی جذبے کی ضرورت ہے۔۔۔

"اور یہ بات جو میں اب کہنے لگا ہوں، اپنے سپاہیوں کو بتا دینا یا نہ بتاؤ،
تم سب غور سے سن لو کہ کچھ عرصے سے خلیفہ کی طرف سے اندلس کے ایسے
امیر مقرر ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو بادشاہ کہلاتے ہیں۔ یہ غیر اسلامی فعل
ہے۔ اسلامی طرز حکومت میں کوئی بادشاہ نہیں ہوتا مگر ہم پر ایسے بادشاہ مسلط
ہو رہے ہیں جو نام تو اللہ اور رسولؐ کا لیتے ہیں مگر ان کا ہر فعل اللہ اور رسولؐ
کے احکامات کے منافی ہے۔ انہوں نے حرم آباد کر لئے ہیں جن میں
بڑی خوبصورت ناگنیں پرورش پا رہی ہیں۔۔۔۔۔

"ہمارا موجودہ امیر بھی ایسا ہی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ کے
دلوں میں یہ شکایت موجود ہے کہ آپ نے اپنے امیر کی کبھی صورت نہیں
دیکھی اور اُس نے خود آ کر کبھی آپ کو نہیں دیکھا کہ آپ کس حال میں ہیں۔ آپ

یں سے بہت سے ایسے ہیں جنہیں معلوم ہوگا کہ ہمارا بادشاہ راگ رقص اور عیاشی میں ڈوبا ہوا ہے۔ اگر آپ کو معلوم ہے تو آپ کو یہ خیال بھی آتے گا کہ آپ کو اپنی جانیں گنوانے اور زخمی ہونے کی کیا پڑی ہے....

”اگر ایسا خیال ذہن میں آئے تو اُسے نکال دو۔ یہ ملک خدا کا ہے اور تم اس کے امین ہو۔ تمہیں اپنی قبر میں اور بادشاہ کو اپنی قبر میں جانا ہے میں ایک بار پھر کہوں گا کہ جس ملک میں قرآن کی حکومت ہوتی ہے وہ کسی ایک انسان یا اُس کے خاندان کی جاگیر نہیں ہوتا۔ یہ ہم سب کا ملک ہے اور ہم سب اس بادشاہ کے آگے نہیں بلکہ اپنے خدا کے حضور جوابدہ ہیں۔ اسی لئے مسلمان خدا کی راہ میں لڑتا ہے اور مسلمان فتح کے لئے لڑتا ہے شکست کے لئے نہیں۔ شکست سے موت بہتر ہے۔“

عبیداللہ نے اپنے نائبین اور کمانداروں کا خون گرما دیا اور صبح کی نماز کے فوراً بعد کوچ کر جانے کا حکم دے دیا۔

*

کوچ بہت تیز تھا۔ سورج نکلنے تک فوج شہر سے نکل گئی تھی۔ عبدالرحمٰن کی آنکھ کھلی تو اُس نے چوبدار کو بلایا اور اُسے کہا کہ سالار عبیداللہ کو پیغام بھیجو کہ ہم فوج کو رخصت کرنے کے لئے آئیں گے۔

”فوج شہر سے نکل گئی ہے شاہِ اندلس!“ — چوبدار نے جواب دیا اور کہا — ”حاجب باہر شاہِ اندلس کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔“

”اُسے اندر بھیج دو“ — عبدالرحمٰن نے حکم دیا اور جب حاجب

اندر گیا تو عبدالرحمٰن نے کہا — ”کیا عبیداللہ ذرا انتظار نہیں کر سکتا تھا کہ فوج ہمیں سلامی دے کر جاتی؟“

”نہیں امیرِ محترم!“ — حاجب عبدالکریم نے کہا — ”دشمن یہ نہیں دیکھا کرتا کہ اُس کے خلاف جو فوج آرہی ہے وہ اپنے بادشاہ کو سلامی دے کر آئی ہے یا نہیں۔ سلامی کی رسم کا وقت نہیں تھا امیرِ اندلس! فرض کی پکار زیادہ بلند تھی۔“

عبدالرحمٰن نے کھسیانی سی خفگی کا اظہار کیا اور حاجب عبدالکریم کے ساتھ عیسائیوں کی بغاوت کی باتیں شروع کر دیں۔

*

سرحدی علاقے میں ایک قصبہ پمپلونہ تھا جس پر دو فرانسیسی کاؤنٹوں نے کچھ عرصہ پہلے حملہ کیا اور قصبے کو لوٹ کر لے گئے تھے۔ وہ بہت سے مسلمانوں کو قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے گئے اور اُن سے جانوروں کی طرح کام لیتے تھے۔

سالار عبیداللہ چند دنوں میں وہاں پہنچ گیا۔ اُس نے وہاں کے رہنے والوں سے سرحد کے باہر کے علاقے کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ اُسے بتایا گیا کہ عیسائیوں نے سرحد کے ساتھ ساتھ اپنے علاقے میں قلعے تعمیر کر رکھے ہیں۔ یہ قلعہ بند دفاع تھا جو مسلمانوں کو روکنے کے لئے تعمیر کیا گیا تھا۔ عبیداللہ نے عبدالرحمٰن سے اجازت نہیں لی تھی کہ وہ سرحد سے باہر جائے، نہ اُس نے عبدالرحمٰن کو بتانے کی ضرورت محسوس کی تھی کہ اُس

نے ضروری سمجھا تو وہ دشمن کی سرحد کے اندر چلا جائے گا۔

رات آدھی گذر چکی تھی جب عبید اللہ اپنی فوج کے ساتھ سرحد پار چلا گیا۔ اُس کے ساتھ مقامی گائیڈ تھے جو اسے سب سے بڑے قلعے کی طرف لے جا رہے تھے۔ رفتار تیز تھی اس لئے رات کے آخری پہر تک اس نے قلعے کا محاصرہ مکمل کر لیا اور فوراً بعد اُس کی منجنیقیں قلعے کے اندر پتھر پھینکنے لگیں۔ اس کے ساتھ ہی جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر بھی چھوڑے جانے لگے۔ منجنیق اور فلیتوں والے تیر عربوں کے ایسے ہتھیار تھے جو نقصان تو کرتے ہی تھے، ان کی دہشت بہت کام کرتی تھی۔

عیسائیوں نے قلعے کی دیواروں سے تیر برسانے شروع کر دیئے۔ مگر عبید اللہ کے سپاہی جذبے سے سرشار تھے۔ اُن کے کماندار آگ بگولہ تھے۔ وہ تیروں کی بوچھاڑوں میں دروازوں کی طرف دوڑتے اور تیر کھا کر گرتے تھے۔ ان میں سے چند ایک دروازوں تک پہنچ گئے اور کلہاڑوں سے انہوں نے دروازے توڑ لئے۔ مقابلہ بڑا ہی خونریز تھا۔ مُسلمان سپاہی رُکے ہوتے سیلاب کی طرح ٹوٹے ہوتے دروازوں میں سے اندر چلے گئے۔ آگے والے دشمن کے تیروں اور برچھیوں سے گرے اور پھر اُٹھ نہ سکے۔ باقی فوج ان کی لاشوں کو روندتی ہوتی قلعے میں داخل ہو گئی ـــــ اس کے بعد عبید اللہ کی فوج نے اندر جو معرکہ لڑا وہ اسلام اور اُندلس کے دشمنوں کا قتلِ عام تھا۔

مسلمان قیدی اسی قلعے میں تھے۔ انہیں پاؤں میں لوہے کے کڑے ڈال کر رکھا ہوا تھا۔ رات کو ان کڑوں کے ساتھ زنجیریں باندھ دی جاتی تھیں۔ انہیں مویشیوں کی طرح ایک باڑے میں رکھا ہوا تھا۔ ان سب کو رہا کرا لیا گیا۔

اس کے بعد دوسرے قلعوں کا جو چھوٹے تھے، باری باری محاصرہ کیا گیا اور وہ ریت کی ڈھیریوں کی طرح بیٹھتے گئے۔

عبید اللہ جب وہاں سے واپس چلا تو دشمن کی بستیاں کھنڈر بن چکی تھیں اور قلعوں سے دھواں اُٹھ رہا تھا۔

* *

اُندلس کی سرزمین بغاوتوں اور سازشوں کا اکھاڑہ بنی رہی۔ حکمران دفن ہوتے رہے، نئے آتے رہے۔ خلافت کی گدّی پر نئے سے نئے خلیفے براجمان ہوتے رہے اور بغاوتیں اور سازشیں بڑھتی گئیں۔ اُندلس کے حکمران جو دراصل خلیفہ کے امیر تھے، اپنے آپ کو بادشاہ کہلانے لگے تھے۔ وہ اپنے فرائض کو فراموش کر چکے تھے۔ اسلام کے عظیم پیغام کو ذہن سے اُتار چکے تھے۔ اُن شہیدوں کو بھول گئے تھے جن کے لہو کے صدقے سلطنتِ اسلامیہ میں اُندلس کا اضافہ ہوا تھا۔ اُن بادشاہوں پر نشہ طاری تھا حکومت کا، جاہ و جلال اور خوشامد کا۔

بغاوتیں اور سازشیں کرنے والے عیسائی تھے اور اُن کی پُشت پناہی اُندلس کے اردگرد کی مملکتوں اور ریاستوں کے عیسائی حکمران کرتے تھے۔ اُنہیں ہم بُرا بھلا نہیں کہہ سکتے۔ کہنا بھی نہیں چاہتے۔ انہوں نے اعلان کر دیا تھا کہ اسلام کو یورپ سے نکال کر دم لیں گے۔ اسے انہوں

نے مذہبی جنگ قرار دے دیا تھا۔ اس طرح اُندلس زمین دوز جنگ کا میدان بن گیا تھا۔

اُندلس کے مُسلمان اُمراء کا پہلا بلکہ واحد فرض یہ تھا کہ اسلام کی پاسبانی کرتے اور اسلام کے پھیلاؤ پر توجہ دیتے مگر اُنہوں نے اپنے اقتدار کی پاسبانی شروع کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ ایک حکمران مرتا تھا تو کئی ایک جانشینی کے دعویدار سامنے آجاتے تھے۔ گدّی پر تو ایک ہی بیٹھتا تھا مگر اس کے اپنے بھائی اُس کے دشمن ہو جاتے اور اُس کے نیچے سے زمین نکالنے کے لئے سازشوں میں شریک ہو جاتے تھے۔ اس سے یہ صورتِ حال پیدا ہو گئی کہ دشمن سرحدوں پر سرگرم ہو گیا۔ مُلک کے اندر بغاوتیں اور سرحدوں پر دشمن کی چھیڑ چھاڑ مگر حکمرانوں کو اُن کے درباری خوشامدی "سب خیریت ہے" کی رپورٹیں دیتے تھے اور اُن کی آنکھوں اور عقل پر پردے ڈالے رکھتے تھے۔

مُسلمان حکمرانوں کے ہاں خوشامد پرستی سب سے بڑی کمزوری رہی ہے۔ تاریخ میں ایسی مثالیں بہت ملتی ہیں کہ حکمرانوں نے ایسے آدمیوں کو اپنا معتمد اور مشیر بنا لیا جو خوشامد کے ماہر تھے اور زبان کا جادو چلانا جانتے تھے۔ اُن کے دلوں میں خلوص نہ تھا، خیالوں میں گہرائی نہ تھی، اپنی قوم کا درد اور اپنے مذہب کا احترام نہ تھا۔ ان میں کوئی ایسا وصف تھا جو جادو کا اثر رکھتا تھا اور حکمران انہیں پیر و مُرشد بنا لیتے تھے۔

ایسا ہوتا آیا ہے اور ہو رہا ہے۔ ہم تاریخ سے نظریں پھیرے رکھنے

والی قوم ہیں۔ اپنی لغزشوں اور حماقتوں کو خود فریبی سے اور خوشامدیوں کی
زبان سے عظیم کارنامے کہہ لیتے ہیں۔ ہماری قوم نے آنے والی نسلوں
کے ساتھ یہ ظلم بھی کیا کہ تاریخ میں کوئی ایسی بات، کوئی ایسا واقعہ نہ آنے
دیا جو حکمرانوں کے خلاف جانے والا ہوتا۔ ہمیں اُندلس کی صحیح تاریخ لاطینی
زبان میں ملتی ہے یا یورپ کے چند ایک غیر جانبدار مؤرخوں کی تحریروں
سے۔ ان غیر جانبدار غیر مسلم مؤرخوں نے جہاں اُن عیسائیوں کا تفصیلی تذکرہ
کیا ہے جنہوں نے اُندلس میں اسلام کی حکمرانی کو سقوطِ غرناطہ تک پہنچایا تھا
وہاں اُن مسلمان جرنیلوں اور چھاپہ مار جانبازوں کے جذبۂ حریت کے
کارنامے بھی سناتے ہیں جنہوں نے یورپ میں اسلام کی آن پر جان کے
نذرانے دیئے تھے۔ یہ ہماری تاریخ کے مردانِ حُر تھے۔

اُندلس سے اسلام کو اُسی وقت دیس نکالا مل گیا تھا۔ جس وقت خلیفہ
کے مقرر کئے ہوئے پہلے امیر نے اپنے آپ کو بادشاہ کہا اور اپنے
گرد درباریوں اور خوشامدیوں کا حلقہ بنایا تھا، لیکن قوم اور فوج میں کچھ مردانِ
حُر موجود تھے جنہوں نے یہ دیکھتے ہوئے کہ حکمرانوں نے اپنی دُنیا اور
اپنے حرم آباد کر لئے ہیں، اسلام کی پاسبانی میں جانیں قربان کیں اور
اسلام کے پرچم کو بلند رکھا۔

عبدالرحمٰن ثانی بن الحکم اوّل کے دَور میں عیسائیوں کی بغاوتیں اور
سازشیں جڑ پکڑ چکی تھیں اور ان میں اضافہ ہو گیا تھا۔ یہ تو پہلے حکمرانوں کے
دَورِ حکومت میں بھی ہوتا رہا تھا، لیکن کسی نے چونکہ اُن کی جڑ نہیں

اُکھاڑی تھی اس لئے تخریب کاری کا یہ تخم زمین کے اندر اندر پھیلتا اور
پھلتا پھولتا رہا اور عبدالرحمٰن ثانی کے دَور میں صورتِ حال پہلے سے
زیادہ مخدوش ہو گئی۔

اس دَور کی کہانی سنانے سے پہلے یہ تمہید اس لئے ضروری سمجھی
گئی کہ پس منظر سامنے رہے۔ کچھ پس منظر پچھلی کہانی میں بھی بیان کیا جا چکا
ہے۔ عبدالرحمٰن نے جو سب سے زیادہ خطرناک آدمی اپنے دربار میں
رکھا وہ زریاب موسیقار تھا۔ بعض مسلمان مؤرخوں اور بعد کے تاریخ نویسوں
نے زریاب کا ذکر احترام سے کیا ہے جیسے وہ کوئی اعلیٰ رُتبے والا
اور دل میں اسلام کا دَرد رکھنے والا آدمی تھا اور جیسے وہ عبدالرحمٰن کا بڑا
ہی دانش مند مشیر تھا۔

وہ دانشمند ضرور تھا لیکن اُس کا شمار اُن مشیروں میں ہوتا ہے جن
کا ذکر اُوپر کیا گیا ہے، یعنی وہ ایسا خوشامدی تھا جو زبان کا جادو چلانا جانتا
تھا اور وہ غیر معمولی ذہانت کا مالک تھا۔ تاریخ میں زریاب کے متعلق
لکھا ہے؛

"زریاب نے اپنا کمال اور اپنا فن (موسیقی) دربارِ قرطبہ میں اُن
لوگوں کے سامنے پیش کیا جو نہ صرف اس کے دلدادہ تھے بلکہ نقاد بھی تھے مگر
ان کے استعجاب و حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ عبدالرحمٰن
کے دل پر زریاب کا سکہ بیٹھ گیا ہے اور عبدالرحمٰن اس کا دل و جان سے
گرویدہ ہو گیا ہے..... موسیقی میں مہارت کے علاوہ زبان دانی اور لفاظی

میں زریاب کا جواب نہ تھا۔ اُس کی معلومات قابل سے قابل آدمی کی نسبت کہیں
زیادہ اور منطق بلند اور پُراثر تھی ...
"اُس کی تخلیقی قوتیں اور غیر معمولی صلاحیتیں موسیقی تک محدود نہ تھیں
لباس کے استعمال اور تراش خراش میں بھی عجب ذوق رکھتا تھا۔ اُس نے
چمکیلے اور بھڑکیلے لباس اور پھر سفید کپڑے کے اتنے باریک لباس (عورتوں
کے لئے) رائج کئے جن میں سے جسم نظر آتے تھے۔ اُس نے تفریح اور
دلچسپی کے نئے مشاغل پیدا کئے جو صرف غیر مسلموں کو زیب دیتے تھے
اُندلس کی مسلمان سوسائٹی میں جس میں عربی طور طریقے اور عربی تمدن غالب
تھا، زریاب 'تہذیبِ جدید' کا انقلاب لایا۔ عرب کا کلچر یکسر بدل گیا۔ یہ
'کارنامہ' زریاب کے لطیف مذاق اور حسین طرزِ گفتگو کا تھا...
"عرب سے آئے ہوئے مسلمان شانوں تک لمبے بال اور لمبی
داڑھی رکھتے تھے۔ زریاب نے ایسا اثر ڈالا کہ مسلمانوں کے بال کٹ
گئے اور مسلمان یورپی طرز کی ٹیڑھی مانگ نکالنے لگے۔ داڑھیاں تراشی
جانے لگیں ... زریاب نے خواتین کے لئے سنگار کے مختلف
النوع انداز متعارف اور رائج کئے۔ خوشبوئیں اور عطر ایجاد کئے۔ امرا
کے سنگار اور طرزِ رہائش کے نئے طور طریقے رائج کئے ...
"زریاب کا اثر ہر شعبہ زندگی پر چھا گیا۔ اس کے اقوال ضرب المثل
بن گئے۔ قدرت نے اسے ایک خاص صلاحیت دے کر پیدا کیا تھا
اُس کا دماغ ہر وقت نئی سے نئی چیز سوچتا رہتا تھا۔ طبیعت کسی نئی سے

نئی چیز کی اختراع پر آمادہ رہتی تھی۔ اس ہمہ گیر اور جادو اثر قابلیت کی وجہ
سے لوگ اُس کے مرید ہو گئے۔ کوئی کہتا اس پر بزرگوں کا سایہ ہے جو
اسے خواب میں یہ ساری باتیں بتلا جاتا ہے، یا اس کے قبضے میں جنات
ہیں جن سے وہ یہ کرامات اور فیض حاصل کرتا ہے، ورنہ بادشاہ اس دیوانگی
سے کسی کے غلام نہیں ہوا کرتے ...
"زریاب کا اثر کیا امرا کیا حکمران، سب پر تھا۔ بادشاہ تو جیسے اُس
کا عاشق تھا۔ جو لوگ بادشاہ تک براہِ راست نہ پہنچ سکتے تھے وہ زریاب
کو اپنا ذریعہ بناتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زریاب تمام عالموں، فاضلوں،
[illegible]، حاکموں، شہزادوں اور شہزادیوں اور درباریوں کا محبوب اور مرشد
بن گیا۔ عبدالرحمٰن نے اسے اپنے مشیرِ خاص اور معتمد کی حیثیت دے رکھی تھی"
سلطانہ ملکہ طروب کے متعلق پہلے سب کچھ سنایا جا چکا ہے۔ عبدالرحمٰن
اس پر مٹا تھا لیکن اُس نے زریاب سے محبت کا اظہار کیا تو پتہ چلا کہ زریاب
پہلے ہی دل میں سلطانہ کی محبت لئے ہوئے ہے۔ اُس کا سر خم ہوتا تھا
طرف سلطانہ کے آگے۔ اس محبت کے پیچھے اسلام کے بہت بڑے
[illegible] یولوگیئس کا ہاتھ تھا جسے زریاب سمجھ نہ سکا۔ دوسروں پر اپنی زبان
[illegible] ذہانت کا جادو چلانے والا اپنے اُوپر سلطانہ کا جادو سوار کئے ہوئے
تھا۔ عبدالرحمٰن کسی لمحہ بھی محسوس نہ کر سکا کہ سلطانہ ملکہ طروب جو اُس
کو سب سے زیادہ حسین داشتہ ہے، زریاب کو چاہتی ہے۔

*

عبدالرحمٰن کے دربار میں تہذیب وتمدن، تفریحی مشاغل اور بن
سنگار میں یہ انقلاب اُس وقت لائے جا رہے تھے جب عبدالرحمٰن
سالارِ اعلےٰ عبیداللہ بن عبداللہ پمپلونہ میں عیسائیوں کے خلاف برسرپیکار
تھا۔ اُس نے اُن دو فرانسیسی کاؤنٹوں کو شکستِ فاش دی تھی جنہوں نے
اُندلس کے قصبے پمپلونہ پر حملہ کر کے غارت گری اور لوٹ مار کی تھی۔ آپ
اس کی تفصیل پڑھ چکے ہیں۔ عبیداللہ امیرِ اُندلس کی جو اپنے آپ کو سلطانِ
اُندلس کہلاتا تھا، اجازت کے بغیر سرحد سے باہر نکل گیا اور سرحد کے
ساتھ فرانسیسی قلعہ بندیوں کو توڑ پھوڑ دیا تھا۔

وہ اب اپنی فوج کو واپس قرطبہ لا رہا تھا لیکن اُسے واپسی کی کوئی
جلدی نہیں تھی۔ وہ راستے کے دائیں بائیں کے علاقے کی دیکھ بھال
کرتا آ رہا تھا۔ زیادہ تر علاقہ پہاڑی اور جنگلاتی تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ عیسائیوں
نے جگہ جگہ اڈے اور خفیہ ٹھکانے بنا رکھے ہیں۔ اسے جہاں شک ہوتا
وہاں پہنچتا اور اس جگہ کو تباہ و برباد کر دیتا۔ اس عمل اور کارروائیوں میں
اُس کی واپسی بہت سُست تھی۔ قرطبہ میں عبدالرحمٰن کو اس کی واپسی سے
ساتھ جیسے کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی۔ وزیر حاجب عبدالکریم کو اور ایک
اور سالار عبدالرؤف کو عبیداللہ کے متعلق بہت پریشانی تھی۔ وہ اپنے قاصد
بھیج کر اس کی اطلاعیں لیتے رہتے تھے۔

”مجھے خطرہ یہ نظر آ رہا ہے کہ امیر عبدالرحمٰن اس سلطنت کو ڈبو کر
دم لے گا“— ایک روز سالار عبدالرؤف نے حاجب عبدالکریم سے کہا

...س کا کوئی علاج ہو سکتا ہے؟“

”ہم عبدالرحمٰن کو قتل کرا سکتے ہیں“— عبدالکریم نے کہا— ”ہم زریاب
... سلطانہ کو بھی قتل کرا سکتے ہیں مگر حاصل کیا ہوگا؟ عبدالرحمٰن کے ہی
... کا کوئی فرد اس کے تخت پر بیٹھ جائے گا، پھر یہ رواج پڑ جائے
... کرو اور حکومت کرو۔ خلافت کمزور اور بے اثر ہو چکی ہے۔ ہمیں اپنا
... ادا کرنا ہے۔“

”میں امیرِ اُندلس عبدالرحمٰن ثانی سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں“—
... عبدالرؤف نے طنزیہ کہا— ”حکومت کرو، اسلام کا نام لینا چھوڑ دو۔ وہ
... مذہب کا دھوکہ دے رہا ہے۔ خوشنما مسجدیں بنوا رہا ہے۔ قرآن
... حوالے دے کر بات کرتا ہے۔ کیا یہ گناہ نہیں؟“

”میں سمجھتا ہوں کہ سلطنتِ اُندلس زوال نہیں بلکہ تباہی کے راستے پر
... گئی ہے“— حاجب عبدالکریم نے کہا— ”جب حکمران موسیقاروں،
... اور چرب زبانوں کے نرغے میں آ جاتے ہیں تو سلطنتوں کو کیڑا لگ
... ہے۔ دشمن جنگی طاقت بنتے چلے جاتے ہیں اور عبدالرحمٰن جیسے حکمران
... دشمن کے ساتھ دوستی کرنے کی ترکیبیں کرنے لگتے ہیں کیونکہ انہیں
... تخت و تاج کی عافیت اسی میں نظر آتی ہے کہ دشمن کو طاقتور سمجھ کر
... کہیں کہ آؤ دوست بن جائیں اور ایک دوسرے کے خلاف تلوار نہ
... ... عبدالرؤف! تم اپنا فرض ادا کرو۔ آنے والی نسلیں تمہیں یاد
... گی، اور ہو سکتا ہے تمہارے کارنامے اُن کے لئے مشعلِ راہ ہوں۔

اگر آج تم زریاب کے لائے ہوئے تہذیب و تمدّن میں غرق ہو گئے
تم اپنے بچوں کے بچوں پر بہت ظلم کرو گے۔ زمانہ جب اُن تک پہنچے گا
اسلام کا صرف نام رہ گیا ہوگا جسے لوگ ایک بھولا بسرا اور غیر اہم مذہب
کچھ لوگوں کا عقیدہ کہا کریں گے۔ ہمیں اس شمع کو روشن رکھنا ہے خواہ اسے
لہو سے روشن رکھیں۔ کفر کی آندھیاں تیز اور تند ہوتی جا رہی ہیں، پھر
ممکن ہے کہ ہمارے لہو کے چراغ روشن رہیں اور کوئی نسل ایسی آجائے
جو ٹمٹماتے ہوئے ان چراغوں کو اپنے لہو سے اُسی طرح روشن کر دے جس
طرح ہمارے رسولِ عربی کے زمانے میں یہ جلے تھے۔"

سالار عبدالرؤف کے چہرے پر رونق اور آنکھوں میں چمک آ گئی
یہ اُس کی رُوح کا نور تھا جو اُس کے چہرے پر آ گیا تھا۔ وہ حریّت کا پرستار
عہدوں اور رُتبوں کا دلدادہ نہ تھا۔

*

کچھ ایسی ہی رونق زریاب کے چہرے پر تھی۔ وہ تو تھا ہی خوبرو
لیکن سُلطانہ کو دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں خمار کا تاثر آجاتا تھا۔ وہ سُلطانہ
جاگیر پر گیا ہوا تھا۔ سُلطانہ پہلے بھی کئی بار زریاب کو اپنی جاگیر پہ لا چکی
وہ عبدالرحمٰن سے یہ بہانہ کر کے آیا کرتی تھی کہ محل کی گھٹن سے وہ دو
روز دور کھُلی فضا میں گزارنا چاہتی ہے۔ عبدالرحمٰن میں انکار کی جرأت نہ
ہوتی تھی۔ پہلے پہل وہ زریاب کو چوری چھُپے ساتھ لاتی تھی۔ بعد میں
عبدالرحمٰن کو یہ کہہ کر ساتھ لانے لگی کہ وہ زریاب کو تنہائی کے ساتھی

...ے جا رہی ہے۔

رات چاندنی تھی۔ پھولوں کی مہک تھی اور گھاس مخمل جیسی نرم تھی جس
پر دونو بیٹھے ہوئے تھے۔ رات خاموش تھی۔ اس چپ چاپ مخمور سے ماحول
پر زریاب کا بربط وجد طاری کر رہا تھا۔ بربط زریاب کا مرغوب ساز تھا۔
اس میں اُس نے پانچویں تار کا اضافہ کر کے اس کی موسیقیت میں طلسماتی تاثر
پیدا کر دیا تھا۔ موسیقی کے دلدادہ لوگوں نے بربط کو زریاب کہنا شروع کر
دیا تھا۔

زریاب تاروں کے ترنّم سے ناگنوں کو مسحور کرنے کا ڈھنگ جانتا تھا۔
اس کی اُنگلیاں بربط کے تاروں پر رینگ رہی تھیں اور سُلطانہ یوں محسوس
کر رہی تھی جیسے موسیقی کی لطیف سی لہریں اُس کے وجود میں سے گزر
رہی ہیں مگر وہ اپنے آپ میں ایسی بے چینی محسوس کر رہی تھی جیسے بربط
کے نغموں سے آزاد ہونا چاہتی ہو۔

"تم میرے پاس ہوتی ہو تو میری شخصیت ختم ہو جاتی ہے" — زریاب
نے سُلطانہ سے کہا — "مَیں تمہاری ذات میں گم ہو جاتا ہوں۔"

اُس نے ہاتھ بڑھا کر سُلطانہ کی کلائی پکڑی اور اُسے اپنے قریب کرنے
لگا۔ سُلطانہ قریب ہونے کی بجائے دُور ہٹ گئی۔ زریاب مخمور سی ہنسی
ہنس پڑا۔

"تم نہیں جانتیں مَیں کتنا پیاسا ہوں" — زریاب نے کہا —
"دُور نہ ہٹا کرو۔"

"خُدا نے تمہیں عقل و دانش سے نوازا ہے زریاب!" — سُلطانہ نے کہا — "مگر محبت کے راز کو تم نہ پا سکے.... کیا تم اس تشنگی میں لذّت محسوس نہیں کر رہے؟"

"اور کیا تم وصال کی لذّت سے آگاہ ہو؟" — زریاب نے کہا —

"نہیں.... تم آگاہ نہیں ہو."

"وصال کی تڑپ میں جو لذّت ہے وہ وصال میں نہیں" — سُلطانہ جو مرد کی فطرت اور اپنے حُسن کے جادو سے واقف تھی، کہنے لگی — "تم نہیں جانتے مجھے شاہِ اندلس ایک آنکھ نہیں بھاتا. اُسے میرے جسم سے محبّت ہے. اُس کی محبّت کی عمر اتنی ہی ہے جتنی میرے حُسن کی تازگی کی عمر ہے. وہ جس روز مجھ سے اُکتا جائے گا اُس روز میں حرم کی دھتکاری ہوئی ایک عورت بن جاؤں گی. مَیں نہیں چاہتی کہ تم میرے جسم کا ذائقہ چکھو تم بھی اُکتا جاؤ گے. مَیں ایک بھید ہوں. یہ تم پر فاش ہو گیا تو عشق کی بیتابیاں ختم ہو جائیں گی. تم مجھے تفریح کا ذریعہ بنانا چاہتے ہو تو میں تمہیں اپنا ایک گاہک سمجھوں گی. — مجھے اپنی پوجا کر لینے دو."

زریاب نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا. یہ پہلا موقعہ نہیں تھا کہ سُلطانہ نے زریاب سے ایسی باتیں کہی تھیں. اُس نے زریاب میں یہ تشنگی سوچ سمجھ کر پیدا کی تھی. یہی تشنگی اُس نے عبدالرحمٰن میں پیدا کر رکھی تھی. عبدالرحمٰن جن تین جوان عورتوں — مدثرہ، جاریہ اور شفا پر فدا تھا، انہیں وہ عبدالرحمٰن کو مدہوش رکھنے کے لئے استعمال کیا کرتی تھی اور خود اُس کے پہلو میں موجود رہتے ہوئے اُس سے دو ہاتھ دُور رہتی تھی.

*

گھوڑے کی قدموں کی آوازیں سنائی دیں.

"ایلوگیتیس ہوگا" — زریاب نے کہا.

"وہی ہوگا" — سُلطانہ نے کہا — "تم یہیں بیٹھو — مَیں اُسے لے آتی ہوں."

وہ چلی گئی. وہ ایلوگیتیس ہی تھا. سُلطانہ نے اُس کا گھوڑا اپنے ایک ملازم کو دیا اور ایلوگیتیس کو ذرا پرے لے گئی اور اُسے بتایا کہ زریاب بھی آیا ہے.

"مَیں ایک مشکل میں پھنس گئی ہوں ایلوگیتیس!" — سُلطانہ نے کہا — "یہ تو تمہیں معلوم ہے کہ وہ میری محبّت میں دیوانہ ہوا جا رہا ہے. میں اسے یہی ظاہر کر رہی ہوں کہ مَیں اُس سے زیادہ اُس کی محبت میں دیوانی ہوئی جا رہی ہوں. دیکھو ایلوگیتیس! مَیں تمہاری ہدایت کے مطابق اُس کے لئے سراب بنی ہوئی ہوں اور وہ میرے پیچھے دوڑا آ رہا ہے لیکن میں اس حقیقت کو چھپا نہیں سکتی کہ میرے دل میں اس کی محبّت پیدا ہو گئی ہے. ایسے لگتا ہے جیسے وہ نہیں بلکہ مَیں اُس کی طرف کھچی جا رہی ہوں. — مجھے اب پتہ چلا ہے کہ اس شخص میں وہ کیا جادو ہے کہ اُس نے عبدالرحمٰن جیسے عقلمند، عالم اور سالار قسم کے بادشاہ کو اپنا مرید بنا لیا ہے بلکہ اُس نے ایک قوم کا تہذیب و تمدّن تک بدل ڈالا ہے."

ایلوگیتس کوئی معمولی قسم کا تخریب کار عیسائی نہ تھا۔ وہ اپنے مذہب کا عالم تھا اور دینِ اسلام کا بھی عالم تھا۔ وہ موسیقار تو نہیں تھا لیکن عقل و دانش، منطق اور گفتگو کے فن میں زریاب سے کم نہ تھا۔ اُس نے عیسائیوں میں اسلامی حکومت کے خلاف ایک تحریک چلادی تھی جس نے مسلح بغاوت کی صورت اختیار کرلی تھی۔

"محبت گناہ نہیں سلطانہ!" اُس نے کہا — "لیکن جن لوگوں کو اپنی عظمت کا احساس ہوتا ہے وہ اپنے مقصد اور اپنی شخصیت کو محبت پر قربان نہیں کیا کرتے۔ تمہیں ہم ملکہ بنا رہے ہیں سلطانہ! میں نے تم میں ملکہ کی عظمت دیکھی ہے مگر اس مقام تک پہنچنے کے لئے تمہیں ناٹک کھیلنے پڑیں گے۔ ان میں ایک ناٹک یہ بھی ہے کہ زریاب کو اپنی محبت کی زنجیروں میں جکڑے رکھو۔ اُس پر اپنا طلسم طاری کئے رکھو۔ اُسے بیدار نہ ہونے دو۔ اسے اپنے حُسن اور محبت کے نشے میں مدہوش رہنے دو۔ مجھے پتہ چل رہا ہے کہ یہ ہمارا بہت سا کام کرچکا ہے۔ میں نے کچھ عرب دیکھے ہیں جو زبان سے عرب لگتے ہیں، لباس اور بالوں کی تراش سے وہ ہم سے ملتے جلتے ہیں۔"

"تم نے بہت کم دیکھا ہے" — سُلطانہ نے کہا — "ہم اس سے کہیں زیادہ کامیاب ہوچکے ہیں جو تم نے دیکھا ہے۔"

"چلو۔ وہ انتظار کررہا ہوں گا" — ایلوگیتس نے کہا — "اسے کوئی شک نہیں ہونا چاہیئے۔ میں تمہیں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔ زریاب تمہیں اچھا لگنا چاہیئے۔ اس میں کشش موجود ہے لیکن

ے تشنہ رکھو۔"

وہ چلتے چلتے وہاں جا پہنچے جہاں زریاب بیٹھا تھا۔

"میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ لمبی چوڑی باتیں سُننے اور سُنانے جاؤں" — ایلوگیتس نے زریاب سے کہا — "مجھے معلوم ہوچکا ہے وہ کام کامیابی سے کررہے ہو جو میں نے تمہیں بتایا تھا۔ تم میرا مقصد گئے ہو۔ یہ مقصد میرا نہیں تمہارا بھی ہے۔ میں حکمرانی کا طلبگار نہیں ں۔ میں تمہیں یہ بھی نہیں کہوں گا کہ اپنا مذہب چھوڑ کر عیسائی ہوجاؤ۔ میری یں مذہب کوئی معنی نہیں رکھتا۔ میں انسانیت کی نجات کا قائل ہوں۔ تم وں انسان ہو۔ اگر سُلطانہ اتنی حسین نہ ہوتی اور تم اتنے اعلیٰ درجے کے موسیقار نہ ہوتے تو کیا تم دونوں کو یہ رُتبہ مل سکتا تھا جو دربار میں تمہیں ل ہے؟ کیا تم عبدالرحمٰن کو اس قابل سمجھتے ہو کہ وہ اتنے بڑے ملک پر حکومت کرے؟ حکومت کرنے کے قابل تم ہو۔ تمہیں اپنا مقام حاصل کرنا ہے۔"

"عبدالرحمٰن کے متعلق تم نے غلط رائے قائم کی ہے کہ وہ حکمرانی کے قابل نہیں" — زریاب نے کہا — "اس کی قابلیت کو اردگرد کے عیسائی ملکوں کے بادشاہ بھی مانتے ہیں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اُس کا باپ الحکم جب امیرِ اندلس تھا تو سلطنت کا نظم و نسق عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں تھا؟ اگر عبدالرحمٰن نہ ہوتا تو الحکم اندلس کو ڈبو چکا تھا۔ اُسے میرا اور سُلطانہ کا کمال کہو کہ ہم نے اُس کی ذہانت اور قابلیت کو سُلا دیا ہے۔ اگر اس شخص میں عورت پرستی اور موسیقی

کی دیوانگی نہ ہوتی تو آج اُندلس میں کسی عیسائی کی جرأت نہ ہوتی کہ وہ بغاو
کی بات بھی کرتا۔ اگر آج اُسے کوئی جگا دے تو یہاں کا نقشہ بدل جا
لیکن یہ میرا کمال ہے کہ مَیں نے یہاں کا نقشہ کسی اور طرح بدل دیا ہے۔ م
نے شاہی خاندان اور ان سے تعلق رکھنے والے لوگوں میں یورپی تہذیب
تمدّن اور طور طریقے رائج کر دیئے ہیں۔ جیسا کہ تم نے کہا ہے کہ تمہاری نگ
میں مذہب کوئی معنی نہیں رکھتا اسی طرح میں بھی مذہب کو بے معنی
سمجھتا ہوں۔"

زریاب واقعی مذہب کو بے معنی سمجھتا تھا لیکن اَیلوگیتس سرتاپا اپنے
مذہب میں ڈوبا ہوا تھا۔ زریاب جو غیر معمولی ذہانت اور صلاحیت کا مالک تھ
سمجھ نہ سکا کہ اَیلوگیتس نے اُسے اپنے متعلق غلط بتایا ہے کہ اُس کی نگاہ میں
مذہب کوئی معنی نہیں رکھتا۔ زریاب کہتا تھا کہ عبدالرحمٰن کی کمزوریاں یہ ہیں
کہ وہ عورت اور موسیقی کا دلدادہ ہے مگر وہ سمجھ ہی نہ سکا کہ خود اُس نے
سُلطانہ نام کی عورت کو اپنے اعصاب اور اپنی عقل پر سوار کر لیا ہے اور
وہ اپنے مذہب اور اپنے وطن کے دشمنوں کا آلۂ کار بن گیا ہے۔

اس رات انہوں نے بہت باتیں کیں۔ منصوبہ ایک ہی تھا جو پہلے ہی
بن چکا تھا۔ اَیلوگیتس محتاط آدمی تھا۔ اُس نے زریاب اور سُلطانہ کو راز کی کئی
ایک باتیں نہ بتائیں۔

*

سالارِ اعلیٰ عبیداللہ بن عبداللہ پمپلونہ کے مقام پر فرانسیسی فوج

ست دے کر اور انہیں حملے کی پوری سزا دے کر واپس آ رہا تھا لیکن
رد کے علاقوں کی دیکھ بھال بھی کرتا آ رہا تھا۔ اُس نے کچھ جیش تیار کر لئے
ے جو تیز رفتار تھے۔ وہ ارد گرد کے علاقوں میں نکل جاتے اور وادیوں کی
لاشی لیتے تھے۔

عبیداللہ کی فوج ایک میدان میں خیمہ زن تھی جس کے ارد گرد چٹانیں
یں اور جنگل۔ شام سے کچھ پہلے کا وقت تھا۔ دو گھوڑ سوار آئے۔ وہ عام
قسم کے مسافر معلوم ہوتے تھے۔ گرد سے اَٹے ہوئے تھے۔ انہوں
ے بتایا کہ وہ عیسائی تھے اور اسلام قبول کر چکے ہیں اور وہ سالارِ اعلیٰ
ے ملنا چاہتے ہیں۔ کہتے تھے کہ راز کی ایسی بات ہے جو صرف سالار کو ہی
ی جا سکتی ہے۔ اُن کی تلاشی لی گئی کہ ان کے پاس کوئی ہتھیار نہ ہو، پھر اُنہیں
الارِ اعلیٰ کے پاس لے گئے۔

"ہو سکتا ہے یہ ہمارا وہم ہی ہو"۔۔۔ اُن میں سے ایک نے سالارِ اعلیٰ
بیداللہ سے کہا۔۔۔ "لیکن ہم نے جو دیکھا ہے اس کی اطلاع آپ تک پہنچانا اپنا
رض سمجھتے ہیں۔ ہم نے اسلام قبول کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے
وں میں اسلام کی محبت ہے اور ہم نے اسلام کو اس قابل سمجھا تھا کہ اس کی
اطر عیسائیت ترک کر دیں۔"

اس طرح کی پُراثر اور طویل تمہید کے بعد انہوں نے بتایا کہ وہ ان
ٹانوں میں سے گذر رہے تھے کہ انہیں ایک کھنڈر میں چار پانچ عورتیں
خل ہوتی نظر آئیں۔ ان دونوں کو ان عورتوں پر کچھ شک ہوا کیونکہ ان

کے لباس اس علاقے کے نہیں اور وہ اس ویرانے میں اکیلی سفر نہیں کر سکتیں۔ یہ دونوں آدمی کھنڈر میں چلے گئے۔ یہ کسی بہت پرانے گرجے کے کھنڈر تھے۔ ان دونوں نے عورتوں کو دیکھا۔ وہ دیہاتی لگتی تھیں۔ ان سے پوچھا کہ وہ کون ہیں، کہاں سے آئی ہیں، کہاں جا رہی ہیں۔

انہوں نے کہا کہ وہ نو مسلم ہیں اور مسلمانوں کی فوج سے ذرا دُور ہٹ کر فوج کے ساتھ ساتھ جا رہی ہیں۔

"ہم اس فوج کے سالار سے ملنا چاہتی ہیں"۔۔۔ انہوں نے ان دو کو بتایا۔۔۔ "لیکن ہم عورتیں ہیں اس لئے فوج سے ڈرتی ہیں۔ ہمارے پاس راز کی بات ہے جو ہم صرف سالار کو بتائیں گی۔ وہ نہ ملا تو ہم چلی جائیں گی۔ وہ یہاں آجائے تو اسے ساری بات سنا دیں گی"۔

عبیداللہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"کیا تم مجھے بیوقوف بنانے آئے ہو؟"۔ عبیداللہ نے کہا۔

"ہم ایسی جرأت نہیں کر سکتے"۔۔۔ ان میں سے ایک نے کہا۔۔۔ وہ مرد ہوتے تو ہم انہیں ساتھ لے آتے۔ عورتوں کو ہم ساتھ چلنے پر مجبور نہیں کر سکتے تھے۔ ہم نے انہیں کہا تھا کہ وہ ساتھ چلیں۔ وہ نہیں مانیں۔ ان میں دو نے تو رونا شروع کر دیا تھا۔ معلوم نہیں کیا بات ہے جو وہ صرف آپ کو بتانا چاہتی ہیں۔ آپ کو عورتوں سے کیا ڈر ہو سکتا ہے۔ اگر آپ نہ جانا چاہیں تو آپ کی مرضی ہے۔ ہم مسافر ہیں۔ یہیں سے اپنی راہ لگ جائیں گے"۔

اُنہوں نے ایسی باتیں کیں کہ سالارِ اعلیٰ عبیداللہ ان کے ساتھ چل پڑا۔ اس نے اپنے ساتھ صرف دو محافظ لئے۔ اس علاقے میں وہ اپنی فوج کے ذریعے اتنی دہشت پھیلا چکا تھا کہ کسی میں اتنی جرأت نہیں ہو سکتی تھی کہ اس کے ساتھ دھوکہ کرتا۔

گرجے کے کھنڈرات تقریباً تین میل دُور چٹانوں کے اندر تھے۔ وہ دونوں گھوڑسوار آگے آگے جا رہے تھے۔ سالار عبیداللہ اپنے محافظوں کے ساتھ اُن کے پیچھے پیچھے تھا۔ کھنڈر کے قریب پہنچے تو اندر سے عورتوں کی رونے کی آوازیں آنے لگیں۔ دونوں گھوڑسوار رُک گئے۔

"آگے نہ جائیں"۔۔۔ ایک نے سالارِ اعلیٰ عبیداللہ سے کہا۔۔۔ "یہ انسان معلوم نہیں ہوتیں۔ یہ تو جنات لگتی ہیں۔ انہیں رونا نہیں چاہیئے تھا۔ اُنہوں نے ہمارے ساتھ ایسی بات نہیں کی تھی کہ یہ مظلوم ہیں"۔

اندر سے چیخ و پکار سنائی دینے لگی۔۔۔۔ "بچاؤ، بچاؤ ان ظالموں سے"۔

دونوں گھوڑسوار تلواریں نکال کر گھوڑوں سے اُترے اور کھنڈر کی طرف دوڑے۔ عبیداللہ بھی گھوڑے سے اُترا اور کھنڈر کی طرف دوڑ پڑا۔ اس کے دونوں محافظ بھی گھوڑوں سے اُتر کر اُن کے پیچھے گئے۔ وہ دونوں آدمی باہر آگئے۔ وہ ہنس رہے تھے۔ عورتوں کی چیخ و پکار بند ہو چکی تھی۔ ان آدمیوں نے سالارِ اعلیٰ عبیداللہ کو اور اس کے محافظوں کو باہر ہی روک لیا اور کہنے لگے کہ کوئی بات نہیں۔ ویسے ہی ڈر گئی تھیں۔

"محافظوں کو باہر رہنے دیں"۔۔۔ اُنہوں نے عبیداللہ سے کہا۔۔۔ "آپ

اندر چلے جائیں۔ ضرور کوئی بات ہے۔ وہ صرف آپ کے ساتھ بات کریں گی۔"

وہ دونوں باہر رک گئے اور عبیداللہ اندر چلا گیا۔ یہ ایک ڈیوڑھی تھی جس کی چھت جھکی ہوئی تھی۔ کھنڈر میں ہیبت تھی اور بدبو۔ عبیداللہ کمرے میں چلا گیا وہاں کوئی عورت نہیں تھی۔ عبیداللہ نے تلوار نیام میں ڈال لی تھی۔ اس کمرے کے چار دروازے تھے۔ ایک کھلا ہوا تھا۔ اس نے اس دروازے میں جھانکا اسے اپنے پیچھے دبے دبے قدموں کی آواز سنائی دی۔ اس نے پیچھے دیکھا۔

چھ لمبے تڑنگے، تنومند آدمی ہاتھوں میں برچھیاں لئے کھڑے تھے۔ وہ شکل وصورت سے عیسائی معلوم ہوتے تھے۔ ان کی آنکھوں میں قہر اترا ہوا تھا۔ انہوں نے نظریں عبیداللہ کے چہرے پر جماتے ہوئے اس کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ تب اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اسے ان دو گھوڑسواروں پر اور ان کی سنائی ہوئی بات پر اتنی جلدی اعتبار نہیں کر لینا چاہیئے تھا۔

"تم لوگ کیا چاہتے ہو؟" — اس نے ان سے پوچھا۔

"ہم جو چاہتے ہیں وہ ہمیں مل گیا ہے" — چھ میں سے ایک نے کہا۔

"سالار اعلیٰ!" — ڈیوڑھی والے دروازے سے آواز آئی — "تمہارے دونوں محافظوں کو ہم ختم کر چکے ہیں۔"

عبیداللہ نے ادھر دیکھا — دونوں گھوڑسوار جو عبیداللہ کو ساتھ لاتے تھے، دروازے میں کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ دونوں کی تلواریں خون آلود تھیں۔

"تم اب ہمارے قیدی ہو" — ایک نے کہا — "گھبراؤ نہیں۔ ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے۔ تمہاری قسمت کا فیصلہ شاہِ فرانس لوئی کرے گا۔"

"اور ہم تمہیں یہ بتا دیتے ہیں کہ تمہیں اس خون کی قیمت دینی ہوگی جو تم نے عیسائیوں کا بہایا ہے" — ان میں سے ایک اور نے کہا — "قیمت شاہ لوئی بتائے گا۔"

ایک آدمی یہ کہتا ہوا آگے بڑھا — "تلوار میرے حوالے کر دو۔"

سالار اعلیٰ عبیداللہ نے اپنی تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھ لیا اور بولا —

"جان دے دوں گا، تلوار نہیں دوں گا۔ تم آٹھ ہو، میں اکیلا ہوں۔ میرے جسم میں تمہاری برچھیوں کی انیاں اتر جائیں گی اور روح جسم سے نکل جائے گی تو تلوار لے لینا۔"

"ہوش میں آؤ عبیداللہ!" — ایک اور نے کہا — "ہم تمہیں قتل نہیں کر سکتے۔ تمہیں زندہ لے جائیں گے لیکن ہمارے ہاتھ سے نکلنے کی کوشش کرو گے تو مارے جا سکتے ہو۔"

"میں اس کے لئے تیار ہوں" — عبیداللہ نے کہا — "میری لاش شاہِ لوئی تک لے جا سکتے ہو۔"

"ہم صلیب کے پجاری ہیں" — ایک نے کہا — "آواز دو اپنے رسولؐ کو تمہیں ہم سے چھڑا کر لے جائے ..... ہم نے تم سے تلوار مانگی تھی۔"

"تلوار اپنے رسولؐ کو ہی دوں گا" — عبیداللہ نے کہا — "رسولؐ کے سچے پیرو دشمن کے کہنے پر تلوار نہیں دیا کرتے۔"

باہر بہت سے گھوڑوں کے قدموں کی آہٹ سنائی دی جو خاموش ہو گئی جیسے گھوڑے رک گئے ہوں۔ ایک عیسائی نے کہا — "باہر دیکھو کون ہے؟" ان میں سے ایک دبے پاؤں باہر نکلا۔ اُس نے چھپ کر باہر دیکھا اور دبے پاؤں واپس آگیا۔

"اسے قتل کرو" — اُس نے کہا — "اور یہاں سے نکلو۔"

سالارِ اعلیٰ عبیداللہ سمجھ گیا کہ باہر اُس کے آدمی آ گئے ہیں۔ وہ اسی کے آدمی تھے۔ وہ اس کی جیش کے کم و بیش بیس گھوڑ سوار تھے جو دُور کی گشت کر کے خیمہ گاہ کو واپس جا رہے تھے۔ اُنہوں نے کھنڈر کے باہر چار گھوڑے کھڑے دیکھے۔ ان کا کماندار رُک گیا۔ اُسے دو محافظوں کی لاشیں نظر آگئیں۔ لاشوں کا لباس محافظوں والا تھا۔ اُس نے گھوڑے سے اُتر کر دیکھا۔ وہ سالارِ اعلیٰ کے محافظ ہی تھے۔ باہر جو گھوڑے کھڑے تھے اُن کے سوار کھنڈر کے اندر ہی ہو سکتے تھے۔

اِدھر صلیب کے اُس پجاری نے جس نے باہر جا کر گھوڑ سواروں کو دیکھا تھا اندر آ کر کہا عبیداللہ کو قتل کر دو، اُدھر کماندار اندر آگیا۔ سب نے اُس کی طرف دیکھا۔ عبیداللہ نے اپنی تلوار نکال لی اور اپنے قریب کھڑے ایک عیسائی کی گردن پر ایسا وار کیا کہ گردن کٹ کر لٹک گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے للکار کر اپنے کماندار سے کہا — "سب کو اندر بلاؤ۔"

کماندار نے حکم کی تعمیل کی اور اپنے آدمیوں کو پکارا۔ کچھ عیسائی باہر کو دوڑے اور دو نے عبیداللہ پر برچھیوں سے حملہ کر دیا۔ وہ جو باہر کو

دوڑے گئے تھے اُنہیں مسلمان سواروں نے روک لیا۔ وہ بھاگنے کی کوشش نہیں کر رہے تھے۔ وہ مقابلے میں ڈٹ گئے۔ عبیداللہ دو برچھیوں کا مقابلہ کر رہا تھا۔ برچھیاں لمبی تھیں اس لئے عبیداللہ کی تلوار برچھیوں والوں تک نہیں پہنچتی تھی۔ اس کے آدمی باہر خونریز لڑائی لڑ رہے تھے۔

عبیداللہ نے تلوار سے ایک برچھی توڑ ڈالی۔ اتنے میں باہر سے اس کی فوج کے دو آدمی آ گئے۔ اُنہوں نے ایک آدمی کو مار ڈالا۔ عبیداللہ کے حکم پر اُنہوں نے دوسرے کو زندہ پکڑ لیا۔ عبیداللہ باہر نکلا تو دیکھا کہ صلیب کے تمام پجاری مارے جا چکے تھے اور تین آدمی اُس کے اپنے جیش کے مارے گئے تھے۔ عیسائیوں نے بڑی دلیری سے یہ معرکہ لڑا تھا۔

جو آدمی زندہ رہ گیا تھا، اُس سے پوچھا گیا کہ یہ لوگ کیا چاہتے تھے اور یہ کس کا منصوبہ تھا۔

"اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ میں اپنی جان کے خوف سے آپ کو سب کچھ بتا دوں گا تو دماغ سے یہ خیال نکال دیں" — اُس نے کہا — "میرا نام سلواس ہے۔ ہم عبیداللہ کے اغوا کے لئے آئے تھے۔ ہمیں کہا گیا تھا کہ عبیداللہ کی طرف سے مزاحمت ہو تو اسے قتل کر دیا جائے۔ یہ آپ کو بتایا جا چکا ہے کہ عبیداللہ کو اغوا کر کے فرانس کے شاہ لوئی کے پاس لے جانا تھا۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

"تمہیں بتانا پڑے گا کہ تمہارا گروہ کہاں کہاں پھیلا ہوا ہے" — سالارِ اعلیٰ عبیداللہ نے اس سے پوچھا — "اور یہاں کے کون کون سے مسلمان تمہارے

ساتھ ہیں۔"

"نہیں بتاؤں گا"۔ سلواس نے کہا ۔۔۔ "ہم حلف دے کر آئے ہیں کہ راز کی بات نہیں بتائیں گے خواہ جان چلی جائے۔ ہم جانباز ہیں اور اپنے مذہب کی خاطر اپنی جانیں وقف کر چکے ہیں۔"

جیش کا کماندار تلوار سونت کر اُس کی طرف بڑھا اور عتاب سے بولا ۔۔۔ "تمہیں ہمارے سالارِ اعلیٰ کے سوال کا جواب دینا پڑے گا۔"

سالارِ اعلیٰ کماندار اور سلواس کے درمیان آگیا۔

"قابلِ قدر ہے یہ انسان جو اپنے مذہب پر جان قربان کرنے کا عہد کئے ہوتے ہے"۔ عبید اللہ نے کہا ۔۔۔ "میں اس پر ذرا سا بھی تشدد نہیں کروں گا۔۔۔ سلواس! میں تمہیں یہ حق دیتا ہوں کہ اپنے راز کو راز ہی رکھو۔ میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔ میں اس میں کوئی بہادری محسوس نہیں کرتا کہ ہم اتنے زیادہ آدمی تم اکیلے کو قتل کر دیں۔ شاہ لوئی کے پاس جاؤ اور اُسے میرا پیغام دینا کہ مجھے اغوا کرنے کے لئے خود آؤ۔ تم نے مذہب کے جانباز پیدا کئے ہیں۔ یہاں ہم سب، سالار سے سپاہی تک، اپنے مذہب کے جانباز ہیں۔۔۔ جاؤ سلواس! اُسے کہنا کہ عبید اللہ بن عبد اللہ اکیلے کافر پر تلوار کا وار نہیں کیا کرتا۔۔۔ اور سلواس! تمہارے کسی ساتھی نے ابھی ابھی مجھے کہا تھا کہ پکارو اپنے رسولؐ کو، وہ تمہیں چھڑا لے جاتے۔۔۔ دیکھ لیا تم نے میرے رسولؐ نے مجھے کس طرح چھڑا لیا ہے؟"

وہ کھنڈر سے باہر نکل آئے اور اس معرکے میں مرے ہوؤں کی

لاشوں کے پاس کھڑے ہو گئے۔

"اگر آپ مجھے دھوکہ نہیں دے رہے تو میں آپ سے ایک دو باتیں کہنا چاہتا ہوں"۔ سلواس نے کہا۔

"کوئی دھوکہ نہیں میرے دوست!"۔ سالارِ اعلیٰ نے کہا ۔۔۔ "جو کہنا ہے نڈر ہو کے کہو۔ مجھے گالیاں دینی ہیں تو دے لو۔ تم آزاد ہو۔"

"میں نڈر ہوں سالارِ اعلیٰ"۔ سلواس نے کہا ۔۔۔ "لیکن گالیاں نہیں دوں گا۔ جانبازوں کی زبان نہیں تلوار چلا کرتی ہے۔۔۔۔ میں آپ کے اس اخلاق اور اس کرم کی کچھ قیمت دینا چاہتا ہوں جو آپ نے مجھ پر کیا ہے۔ آپ نے پوچھا تھا کہ کون کون سے مسلمان ہمارے ساتھ ہیں۔ میں آپ کو یہ تو نہیں بتاؤں گا کیونکہ مجھے معلوم نہیں، صرف یہ بتا دیتا ہوں کہ سلطنتِ اُندلس کو کیڑا لگ چکا ہے۔ آپ اس سرزمین پر زیادہ عرصہ نہیں ٹھہر سکیں گے۔ اس سلطنت کو آپ کے مسلمان کھا رہے ہیں۔ یہ کوئی بھید نہیں۔ آپ خود دیکھ رہے ہیں۔ آپ ان کیڑوں کو مار نہیں سکیں گے ہزارہا عیسائیوں نے اسلام قبول کر لیا ہے لیکن جو مسلمان ہیں اور جو عرب سے آئے ہیں اور اپنے آپ کو پکے "مسلمان" سمجھتے ہیں وہ نام کے مسلمان رہ گئے ہیں۔ کام جو زبان کر سکتی ہے وہ تلوار نہیں کر سکتی۔ جو قوم اپنی تہذیب بدل دیتی ہے اُس کی تلوار کند ہو جاتی ہے۔"

"قسم ربِ کعبہ کی، تم کرائے کے قاتل نہیں ہو"۔ عبید اللہ نے بے ساختہ کہا ۔۔۔ "تمہاری باتوں میں دانش ہے۔ تم سوچ سکتے ہو۔"

"سوچ کے بغیر سپاہی کرائے کا قاتل ہوتا ہے"۔ سلواس نے کہا۔
"وہ برچھی دشمن کے سینے سے نکل کر پیٹھ سے باہر نکل جاتی ہے جس کے پیچھے سپاہی کے بازو کی نہیں مذہب کے جذبے کی قوت ہوتی ہے۔ ہم آپ کی قوم کا یہ جذبہ مار رہے ہیں۔"

"اور تم کامیاب نہیں ہو سکو گے"۔ سالارِ اعلیٰ نے کہا۔

"ہمارے اُستاد نے کہا ہے کہ کسی قوم کو ایک دن یا ایک سال میں نہیں مارا جا سکتا سالارِ اعلیٰ!"۔ سلواس نے کہا۔ "آپ کے کردار اور سلوک نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں آپ کے ساتھ ایسی باتیں کروں.... دشمن قوم کو زوال کے راستے پر ڈال دو، یہی تمہاری کامیابی ہے۔ اپنی اگلی نسل کو ذہن نشین کرا دو کہ اس مہم کو آگے چلانا ہے۔ بچوں کو بتاؤ کہ ان سے پہلی نسلوں نے اس مہم میں جانیں قربان کی ہیں۔ انہیں مذہب اور قوم اور وطن کی آن پر مرنے والوں کی کہانیاں سناؤ۔ پھر یہ نسل اس مہم کو آگے بڑھائے گی اور وہ وقت آجائے گا کہ تمہاری دشمن قوم یوں غائب ہو جائے گی جیسے دھوپ میں شبنم اُڑ جاتی ہے۔ ہم نے آپ کو زوال کے راستے پر ڈال دیا ہے۔"

"ہماری فوج کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟"۔ عبیداللہ نے پوچھا۔ "کیا تم ہماری فوج کو بھی زوال کے راستے پر ڈال سکتے ہو؟ اسے شکست دے سکتے ہو؟"

"جس قوم کے بادشاہ اپنے تخت و تاج کے تحفظ کے لئے قوم کو

دھوکہ دینے پر اُتر آئیں اور جو دُشمن کو اپنا دوست سمجھ لیں اور جو گانے بجانے والوں اور عصمت فروشوں کو اپنی عقل پر سوار کر لیں، اُس قوم کی فوج کتنی جابر اور قاہر کیوں نہ ہو، بیکار ہو کے رہ جاتی ہے۔ تمہاری فوج کا یہی حال ہے۔ جب حکمران اور فوج کی سوچوں میں تضاد پیدا ہو جائے تو قومیں زندہ نہیں رہ سکتیں۔ زندہ رہ جائیں تو ان کے مقدر میں کسی کی غلامی لکھ دی جاتی ہے۔"

"سالارِ اعلیٰ!"۔ جیش کے کماندار نے عبیداللہ سے کہا۔ "یہ آدمی کرائے کا قاتل نہیں، دانشمند قائد معلوم ہوتا ہے۔ اسے زندہ رکھنا ایک خطرناک گروہ کو زندگی دینے کے برابر ہے۔ اسے آپ قتل کیوں نہیں کر دیتے۔"

"نہیں"۔ سالارِ اعلیٰ کی نظریں سلواس پر جمی ہوئی تھیں اور اس کے ہونٹوں پر تبسّم تھا۔ اُس نے کہا۔ "اس کا قتل مجھ پر واجب نہیں۔ میں ایسے دشمن کی قدر کرتا ہوں۔"

"اور میں آپ کی قدر کرتا ہوں"۔ سلواس نے کہا اور جیش کے کماندار سے مخاطب ہو کر بولا۔ "قتل ہی کرنا ہے تو اپنے بادشاہ کو قتل کرو میرے دوست! اور اسے اپنا بادشاہ بناؤ جو اپنی ذات میں ڈوبا ہوا نہ ہو۔"

تھوڑی دیر بعد سلواس گھوڑے پر سوار جا رہا تھا۔

*

اس میں کوئی شک نہ رہا تھا کہ عیسائی سلطنتِ اُندلس کو زوال کے راستے پر ڈال چکے تھے. ان میں مذہب کا جنون پیدا کر دیا گیا تھا۔ ان کے اُلوگیتیس اور ایلیا در جیسے قائدین اور پادریوں نے ایسے لائحہ عمل پر کام کرنا شروع کر دیا تھا جس میں فوجوں کے تصادم سے بچنے کے طریقے موجود تھے. ان کا حملہ اسلامی تمدن اور ذہنوں پر تھا جس میں لذّت اور تفریح اور پیار و محبت کے ہتھیار استعمال کئے جا رہے تھے. ایک طرف عبید اللہ بن عبد اللہ جیسے سالار تھے جنہوں نے اسلام کے نام پر نیندیں حرام کر رکھی تھیں، دوسری طرف شاہی محل تھا جس پر نسوانی قہقہوں اور موسیقی نے وجد طاری کر رکھا تھا۔

تاریخ گواہی دیتی ہے کہ عبد الرحمٰن بھی سالار تھا اور اپنے وقت کا نامی گرامی جنگجو مگر مفاد پرستوں، عورتوں اور گویّوں کے نرغے میں آ کر وہ اپنی اصلیت کھو بیٹھا تھا۔ وہ اپنی ذات میں مگن تھا مگر اس کی ذات کسی در کے قبضے میں تھی۔ وہ شعر و شاعری کا بھی دلدادہ تھا مگر دربار تک صرف اُن شاعروں کو رسائی اور پذیرائی حاصل ہوتی تھی جس کی سفارش مشیر کرتے تھے. مشیروں کے اپنے مفادات اور تعصّبات تھے۔

یہی شعرا اور ادیب آگے چل کر اُندلس میں اسلام کے زوال کا باعث بنے. چونکہ یہ درباری تھے اس لئے ایسی بات نہ کہتے تھے جو بادشاہ کے مزاج پر گراں گزرے. وہ بادشاہوں کو الفاظ کی افیون کھلاتے رہے۔

”تاریخ الامّت“ میں تحریر ہے ”بنی اُمیّہ (حکمران ٹولہ) وزرا اور امرا

ے انتخاب میں اپنی ذاتی پسند اور سفارش کو بہت کچھ دخل دیا کرتے تھے. ردم شناسی ان میں موجود تھی مگر اس کا استعمال کبھی نہ ہوتا۔ وزیر اُسی وقت ک وزیر رہ سکتا اور امیر اُسی وقت تک امیر جب تک بادشاہ کی نظروں یں چڑھا ہُوا ہوا اور اس کے محبوب اور پسندیدہ لوگوں میں سے ہو. جس ی طرف سے نظر مُڑی اُس کا سارا منصب و مرتبہ خاک میں ملا. اس رویّے ے اکثر و بیشتر صلاحیتوں کو بروئے کار نہ آنے دیا .... ان حکمرانوں کا سب العین چونکہ اپنے گھرانے میں مستقل سلطنت قائم کرنا تھا اس لئے ن کو ضرورت ہوئی کہ طاقت ور قبائل و اشخاص پر اپنا اثر رکھیں۔ اس کی صورت وائے اس کے اور کیا تھی کہ ان کو دولت سے اپنا طرفدار بنائیں. چنانچہ ہوں نے بیت المال کو اپنے مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنایا اور جا و بے جا ے دریغ اس کی رقمیں صرف کرنے لگے۔ امرا و رؤسائے قبائل کے لاوہ خطبا و شعرا کو بڑی بڑی رقمیں زباں بندی اور اپنی مدح و ثنا کے لئے ی جاتی تھیں۔“

اُندلس کی تاریخ جو لکھی گئی وہ انہی درباری شاعروں اور ادیبوں نے ھی جس میں حاکمانِ وقت کو خود فریبی اور خوش فہمی میں مبتلا کیا گیا تھا۔ یہی تحریریں تاریخ بن کر آنے والی نسلوں تک پہنچیں. نتیجہ اس کا نہ صرف ندلس بلکہ اسلام کے زوال کی صورت میں سامنے آیا. عروج اُس قوم کو اصل ہوتا ہے جو اپنے سے پہلے اُٹھ جانے والوں کی لغزشوں کو مشعلِ راہ بناتی اور روایات کو جلا بخشتی ہے مگر درباریوں نے آنے والی نسلوں کو وہ

تاریخ دی جس میں فتح و نصرت کا نشہ تھا۔

آج اُندلس کی فلورا کے افسانے اور ڈرامے لکھے جا رہے ہیں او،
اُسے کسی نہ کسی مسلمان پر عاشق ہوتا دکھایا جا رہا ہے، مگر حقیقت یہ بھی کہ:
سلطانہ ملکہ طروب جیسی حسین تھی اور جو نوجوان بھی تھی، مسلمانوں کے لئے
سراپا نفرت تھی جس کا اظہار اُس نے قاضی القضاۃ کی عدالت میں کیا تھا۔
ہم اسے عشق و محبت کے ڈراموں کی ہیروئن بناتے ہیں۔

عبدالرحمٰن ثانی کے دَورِ حکومت میں اسلام کے پاسبان اونگھنے
لگے تھے اور تحریکِ مولّدین کے پیروکار راتوں کو بھی نہیں سوتے تھے۔ وہ
ہر محاذ پر سرگرم تھے۔ کچھ مردانِ حُر موجود تھے جنہوں نے تلوار کے جوہر
دکھلائے اور بعض نے تبلیغ اسلام کے لئے دن رات ایک کیا۔ اس کا نتیجہ یہ
سامنے آیا کہ عیسائی اسلام قبول کرتے چلے گئے مگر یہ دو حصوں میں بٹ
گئے۔ ایک دل و جان سے مسلمان ہونے اور دوسرے ظاہری مسلمان
اور باطن سے عیسائی رہے۔

*

مشہور ہو گیا کہ قرطبہ سے پانچ چھ میل دُور ایک وادی میں حضرت
عیسٰیؑ کے ایک خاص مصاحب کا ظہور ہوا ہے۔ وہاں ایک چٹان پر ایک
درخت کی ٹہنیوں میں ایک ستارہ چمکتا ہے پھر اس مصاحب کی آواز سنائی
دیتی ہے۔

وہاں ایک قدیم گرجے کے کھنڈر تھے۔ گرجا بلندی پر تعمیر کیا گیا تھا

دَور میں آ کر ویران ہو گیا۔ عیسائی کہتے تھے کہ اب اس گرجے میں بد روحیں
ہتی ہیں۔ بڑی ڈراؤنی کہانیاں سُنی اور سنائی جاتی تھیں۔ بعض کہتے تھے
روحیں نہیں ہیں، بلکہ حضرت عیسٰیؑ کے دَور کی نیک روحیں ہیں۔ اب
ے سے عیسائیوں میں اس ویران گرجے کا ذکر زیادہ ہی ہونے لگا تھا۔
خبر ملی کہ عیسٰیؑ کے ایک مصاحب کا ظہور ہوا ہے۔ لوگ ڈرتے اُدھر جاتے
تھے مگر جب اس کا ذکر گرجوں میں پادری بھی کرنے لگے تو شام کے بعد
ڈ کے لوگ اُدھر جانے لگے۔ جب اُدھر جانے والوں کی تعداد
بی ہو گئی تب گرجے کے کھنڈر کے قریب ایک درخت میں ستارہ
۔ وہاں چند ایک آدمی لوگوں کو دو چٹانوں کے درمیان کھڑا کر دیتے
کہتے تھے کہ وہ ڈریں نہیں۔ جب ستارہ چمکے تو یسوع مسیح کو یاد کریں۔
اُن دنوں راتیں تاریک تھیں۔ چاند آدھی رات کے بعد اُوپر اٹھتا تھا۔
لوگوں کو دو چٹانوں کے درمیان کھڑا کیا گیا۔ ان کے سامنے ایک
تھی۔ اس کے پیچھے ایک بلند پہاڑی تھی جس پر گھنے درخت تھے
درختوں میں بلندی پر ویران گرجا تھا۔ ایک راستہ اُوپر جاتا تھا لیکن
کتنی مدت سے اُدھر کوئی نہیں گیا تھا اس لئے راستہ جھاڑیوں اور
میں چھپ گیا تھا۔ پہاڑی کے درمیان کبھی چشمہ ہوا کرتا تھا یا جھیل۔
ہاں دلدل تھی اور کچھ پانی بھی تھا جس میں چھوٹی قسم کے مگرمچھ رہتے
یہ بھی ایک وجہ تھی کہ اُدھر سے کوئی گزرتا نہیں تھا۔ ارد گرد پہاڑیاں
ن پر درخت تھے۔

لوگ نیچے کھڑے تھے۔ اندھیرا اتنا کہ کوئی کسی کو دیکھ نہیں سکتا تھ
اچانک لوگوں پر جو کھسر پھسر کر رہے تھے یوں خاموشی طاری ہو گئی جیسے
سب مر گئے ہوں۔ سامنے پہاڑی کی ڈھلان پر انہیں ایک درخت میں ایک
ستارہ چمکتا نظر آیا۔ آج بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کبھی کبھی نظر آتے ہیں
اور نشانی یہ ہوتی ہے کہ کسی درخت میں ایک ستارہ چمکتا ہے۔ لوگ یہ ستارہ
چمکتا دیکھ رہے تھے۔ یہ آسمان کے ستاروں کی طرح جھلمل جھلمل کرتا تھا
گرجے کی طرف سے کئی آدمیوں کی ملی ہوئی مترنم آواز ابھری۔ وہ د
گیت گا رہے تھے۔ رات کی خاموشی میں یہ گیت لوگوں پر سحر طاری کرنے
لگا۔ پہاڑیوں میں گانے والوں کی آواز ایسا تاثر پیدا کر رہی تھی کہ سب نے
اپنے اپنے سینے پر دائیں بائیں اور اوپر نیچے ہاتھ رکھ کر صلیب کا فرضی نشان
بنایا اور سب یہ دعائیہ گیت گانے لگے۔ ستارہ جل رہا تھا اور کرنیں بکھیر
رہا تھا۔

"صلیب کے پجاریو!" — ایک بھاری بھرکم اور گونجدار آواز سنائی
دی — "صلیب اور یسوع مسیح کے پرستارو! میں پیغام لے کر آیا ہوں۔
آثار ہوں گا۔ تباہی تمہاری طرف بڑھی آ رہی ہے۔ اسے روکو۔ اسے تم روک
سکتے ہو۔ یسوع مسیح کے ہاتھوں اور پاؤں کے زخموں پر مسلمانوں کی اذان
نمک کا اثر کر رہی ہے۔ حضرت عیسیٰ نے کوڑھیوں کو شفا بخشی تھی مگر وہ کوڑھ
کر بھی سکتے ہیں۔ وہ عیسائی جو مذہب چھوڑ چکے ہیں اپنے مذہب میں واپس
جائیں ورنہ سب کوڑھی ہو جائیں گے"

ستارہ بجھ گیا۔ رات پھر تاریک ہو گئی۔ لوگوں کی خاموشی اور زیادہ
ہو گئی، پھر کھسر پھسر ہونے لگی جو بلند ہوتے ہوتے گونج بنی پھر شور
ئی۔ آوازیں آنے لگیں — "اب تم لوگ چلے جاؤ اور اپنے اعمال پر نظر
ھو..... کل پھر آنا۔ شاید ظہور پھر ہو جائے"
لوگ ڈرے سہمے ہوئے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

*

یہ واقعہ ایسا نہ تھا کہ انہی لوگوں تک محدود رہتا جنہوں نے دیکھا تھا۔
پسماندگی کا زمانہ تھا۔ تعلیم تھی نہیں۔ لوگ سنسنی خیز واقعات کو سچ مانتے،
سے لطف اندوز ہوتے اور جب یہ دوسروں کو سناتے تو ان میں
طرف سے باتیں ملا کر ان کی سنسنی میں اضافہ کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ
سی مصاحب کا ظہور ایک ستارے کی صورت میں ایسا معجزہ تھا جسے
وئی دیکھنا چاہتا تھا۔ ان میں مسلمان بھی تھے جو رات کو ویران گرجے
جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔
مسجدوں میں بھی خبر پہنچ گئی۔ مسلمانوں نے مولویوں اور اماموں
سے پوچھا کہ یہ واقعہ کہاں تک سچ ہو سکتا ہے۔ ان مذہبی پیشواؤں نے
اسے مفروضہ قرار دے کر مسجدوں میں اعلان کر دیا کہ اس واقعہ پہ کوئی
مسلمان یقین نہ کرے۔ یہ کفر ہے۔ عیسائی ہم پر اپنے مذہب کی دھاک
بٹھانے کے لئے بے معنی اور بے بنیاد باتیں پھیلا رہے ہیں۔
"ہو سکتا ہے یہ کوئی شعبدہ ہو" — یہ فتویٰ اُس دور کے ایک عالمِ دین

اور فقیہ یحییٰ بن یحییٰ کا تھا۔ جسے دربار میں اور امیرِ اُندلس عبدالرحمٰن پر ا
قاضی القضاۃ پر بھی اثر و رسوخ حاصل تھا۔ اُس نے کہا — "اس واقعہ کو ما
اگر پھر کبھی یہ ہو تو اسے جاکر دیکھنا مسلمان کے لئے شرک کے گناہ کی حیثی
رکھتا ہے۔"

یحییٰ بن یحییٰ کے متعلق یہ بتانا ضروری ہے کہ اسے بعض تاریخ دا
نے قاضی القضاۃ لکھا ہے جو صحیح نہیں۔ قاضی القضاۃ کوئی اور تھا۔ دربار
جو حیثیت عبدالرحمٰن نے زریاب کو دے رکھی تھی وہی یحییٰ بن یحییٰ کو بھی د
تھی کیونکہ وہ علم و دانش کا سمندر تھا۔ وہ قاضی القضاۃ کے فیصلوں پر بھی
انداز ہوا کرتا تھا۔

عبدالرحمٰن کے کان میں وہ جو ڈالتا اسے عبدالرحمٰن تسلیم کر لیتا
اس شخص کے متعلق تاریخوں میں لکھا ہے:

"مالکی عقیدے کو عہدِ ہشام میں بہت فروغ حاصل ہوا۔ اسی کا نتی
کہ یحییٰ کا اثر بھی حکامِ شاہی اور دربار پر بہت بڑھ گیا۔ کوئی امرِ سلطنت
اس کے مشورے کے طے نہیں پاتا تھا۔ اس اعزاز اور حیثیت نے یحیی
سیاسی عروج کا چسکا ڈال دیا۔ وہ ریاستی امور میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینے ل
عبدالرحمٰن کے باپ الحکم کے دَورِ حکومت میں یحییٰ کا سیاسی عروج قائم ر
اُس نے اپنے آپ کو ایک طاقت سمجھ کر الحکم سے ٹکر لی لیکن منہ کی کھ
عبدالرحمٰن نے اسے اپنے دَورِ حکومت میں اس لئے اپنے آپ پر غال
کر لیا کہ اسے مذہبی امور اور علم و منطق پر عبور حاصل تھا۔

سلطنتِ اُندلس کے زوال کو مکمل کرنے میں یحییٰ کی آنے والی نسل نے بھرپور کردار ادا کیا اور اس نسل میں اقتدار کی ہوس اتنی زیادہ تھی کہ قوم کو سقوطِ غرناطہ تک پہنچا کر وہاں سے اسلام کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔

*

اب مشہور ہوا کہ حضرت عیسےٰ کے ایک مصاحب کا ظہور ہوا ہے جو حضرت عیسےٰ کا پیغام سناتا ہے تو چاہئے یہ تھا کہ جاکر دیکھتے کہ یہ شعبدہ ہے یا کیا ہے، اور یہ جو کچھ بھی ہے اس کا مقصد کیا ہے اور اس کے پیچھے کن لوگوں کا ہاتھ ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی تھی کہ عیسائی تخریب کاری، بغاوت اور سازشوں میں مصروف ہیں مگر یحییٰ بن یحییٰ اور مولویوں اماموں نے اسے کفر اور شرک کہہ کر مسلمانوں پر پابندی عائد کر دی کہ ویران گرجے کی طرف نہ جائیں۔

سالارِ اعلیٰ عبیداللہ بن عبداللہ ابھی واپس قرطبہ نہیں پہنچا تھا۔ وزیر حاجب عبدالکریم اور سالار عبدالرؤف نے آپس میں بات کی کہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عیسائیوں کو بھڑکا لے اور مسلمانوں کو متاثر کرنے کے لئے یہ شعبدہ بازی ہو رہی ہو۔ ان دونوں نے فیصلہ کیا کہ شاہ اندلس کے ساتھ بات کرنے سے پہلے اپنے طور پر دیکھ لیا جاتے کہ وہاں ہو کیا رہا ہے۔

عیسائیوں نے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ سارے شہر اور مضافات میں مشہور ہو جاتا تھا کہ آج رات یسوع مسیح کے مصاحب کا ظہور متوقع ہے۔

دوسرے ہی دن ہر کسی کی زبان پر یہی الفاظ تھے کہ آج رات وہ نظر آئیں گے
عبدالکریم کے دو بڑے قابل اور پھرتیلے جاسوس، رحیم غزالی اور حامد
عربی، رات کو عیسائیوں کے ساتھ اُس پہاڑی تک چلے گئے جہاں ستارہ چمکتا
تھا۔ اس ہجوم میں شاید ہی کوئی مُسلمان ہو کیونکہ مسجدوں میں اعلان کر دیا گیا تھا
کہ اس شعبدے کو دیکھنا گناہ ہے اور جو مسلمان دیکھے گا وہ نقصان اُٹھائے گا۔

وہ رات بھی تاریک تھی۔ پہاڑی کے دامن میں دو چٹانوں کے درمیان
تاریکی اور زیادہ گہری تھی۔ ہجوم بے تاب تھا۔ آہستہ آہستہ دعائیہ گیت کی
گونج اُبھرنے لگی۔ ہجوم پر سکتہ طاری ہو گیا۔ ذرا ہی دیر بعد تاریکی میں اُوپر
پہاڑی کی ڈھلان کی بلندی پر ستارہ چمکنے لگا۔ بہت ہی آوازیں ایک آواز
بن کر مقدّس گیت گا رہی تھیں یہ گیت گرجوں میں ہر عیسائی گایا کرتا تھا۔ تمام
ہجوم یہ گیت گنگنانے لگا اور ستارہ چمکتا رہا۔

ستارہ غائب ہو گیا اور ایک ایسی چمک نظر آئی جس نے سب کو دم
بخود کر دیا۔ یہ چمک ویران گرجے کے مینار پر تھی جہاں عموماً لکڑی کی صلیب
کھڑی رہتی تھی۔ یہ چمک دو اڑھائی گز لمبائی چوڑائی میں تھی۔ اس میں بہت بڑی
صلیب نظر آئی اور اس کے ساتھ حضرت عیسےٰؑ لٹکے ہوئے تھے۔ ہجوم میں
سے رونے کی اور سسکیوں کی آوازیں بھی سنائی دیں اور فضا میں پھر وہی
مقدّس گیت اُبھرا۔ اب کہ اس آواز میں جو بہت سی آوازیں تھیں، کچھ اور
ہی سوز اور تاثر تھا۔

ہجوم گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ سب نے ہاتھ جوڑ لئے اور سب مقدّس

گیت گانے لگے۔ رحیم غزالی اور حامد عربی کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اُنہوں
نے ایک دوسرے سے کہا کہ یہ شعبدہ نہیں ہو سکتا۔ اُن پر ایسا تاثر طاری ہو گیا
کہ انہوں نے عیسائیوں کی طرح گھٹنوں کے بل ہو کر ہاتھ جوڑ لئے جیسے کسی
ان دیکھی قوّت نے انہیں بٹھا دیا ہو۔ وہ عیسائیوں والے مقدّس گیت سے
تو واقف نہیں تھے، اُنہوں نے کلمہ طیبّہ کا ورد شروع کر دیا۔

گیت کی گونج آہستہ آہستہ خاموش ہو گئی اور وہ چمک بجھ گئی جس میں
حضرت عیسےٰؑ نظر آئے تھے۔

"یہ بے چین روح تم سب کو خبردار کرتی ہے" — دُور سے ایک آواز
اُبھری — "کہ اپنا مذہب ترک نہ کرو۔ تم نہیں سمجھتے اس گناہ کی سزا کیا ہے۔ جس
زمین پر گرجے ویران ہو جائیں وہاں کے لوگ آباد نہیں رہ سکتے۔ گرجوں میں
جاؤ۔ وہاں تمہیں بتایا جائے گا کہ تم پر کیا آفت آنے والی ہے۔ اتفاق اور
اتحاد قائم کرو۔ تمہاری صفیں بکھر گئی ہیں۔ تم میں جو مسلمان ہو گئے ہیں وہ بھی
گرجوں میں جائیں۔ اپنے گناہوں کی بخشش مانگو۔ اپنی سرزمین پر یسوع
مسیح کا نُور پھیلا دو۔"

*

رحیم غزالی اور حامد عربی رات کو ہی وزیر حاجب عبدالکریم کے گھر
چلے گئے اور اسے بتایا کہ وہ کیا دیکھ آئے ہیں۔

"یہ شعبدہ نہیں ہو سکتا" — انہوں نے کہا۔

عبدالکریم دانشمند انسان تھا۔ اُس نے پوچھا کہ وہ اس چمک کو ہی دیکھتے

رہے ہیں یا اِدھر اُدھر بھی دیکھا تھا۔ اُنہیں کہیں دُور روشنی یا آگ نظر آئی ہو گی۔ انہوں نے یاد کر کے بتایا کہ جب چمک ختم ہو گئی تو ویران گرجے کے بالمقابل اور کچھ دُور انہیں شک ہُوا تھا کہ وہاں نیچے کہیں آگ جل رہی ہے۔ پھر یہ مدھم سی روشنی ختم ہو گئی تھی۔

"یہ شعبدہ ہے" — حاجب عبدالکریم نے کہا — "یہ معجزہ نہیں نہ یہ جادو کا کمال ہے۔ یہ عیسائیوں کو خوفزدہ کر کے ہمارے خلاف بھڑکایا جا رہا ہے اور مسلمانوں کو بھی متاثر کیا جا رہا ہے۔ مَیں اس کا انتظام کروں گا اور اس شعبدے کو تم دونوں ختم کرو گے۔ یہ آواز جو تم نے سُنی ہے کہ گرجوں میں جاؤ اور وہاں تمہیں بتایا جائے گا کہ کیا آفت آنے والی ہے یہ اسی دُنیا کے کسی انسان کی آواز ہے۔ مجھے کل شام تک پتہ چل جائے گا کہ گرجوں میں ان لوگوں سے کیا کہا جائے گا۔"

اگلی رات وزیر حاجب عبدالکریم کو چار پانچ آدمیوں نے آ کر بتایا کہ آج گرجوں میں اتنی بِھیڑ رہی کہ اندر کھڑے ہونے کو جگہ نہیں ملتی تھی۔ پادریوں نے اسلام کے خلاف زہر اُگلا اور حکومتِ اُندلس کے خلاف ایسی باتیں کیں جن کا مطلب یہ تھا کہ اس حکومت کے خلاف بغاوت کرو۔ پادریوں نے حضرت عیسٰیؑ کے ظہور کو برحق بتایا اور لوگوں کو ڈرایا۔ لوگ جب گرجوں سے نکلے تو اُن پر خاموشی طاری تھی۔

عبدالکریم نے دوسرے دن سالار عبدالرؤف سے مشورہ کیا کہ شاہِ اُندلس کو بتائے بغیر عیسائیوں کی اس شعبدہ بازی کو بے نقاب کرنا ہے۔

اُنہوں نے اسی وقت رحیم اور حامد کو بلایا اور سالار عبدالرؤف نے فوج کے چار آدمی بلائے۔

"ہم تمہیں کڑے امتحان میں ڈال رہے ہیں" — وزیر حاجب عبدالکریم نے ان چھ آدمیوں سے کہا — "ہم معلوم کر چکے ہیں کہ حضرت عیسٰیؑ کا ظہور اور آواز ایک ڈھونگ ہے۔ اسے اُس وقت ختم کرنا ہے جب لوگوں کا ہجوم وہاں موجود ہو گا اور ستارہ چمک رہا ہو گا یا حضرت عیسٰیؑ نظر آ رہے ہوں گے۔ تم دھیان رکھو۔ جس روز تمہیں پتہ چلے کہ آج رات حضرت عیسٰیؑ آ رہے ہیں، اُس رات تمہیں اس علاقے میں ہونا چاہیئے لیکن ہجوم کے ساتھ نہیں بلکہ ویران گرجے کے قریب پہاڑی پر۔ وہاں تمہیں نظر آ جائے گا کہ چمک کہاں سے آتی ہے.....

"کسی نہ کسی جگہ آگ جل رہی ہو گی اور وہ ایسی جگہ ہو گی جہاں سے آگ کی چمک لوگوں کو نظر نہیں آ سکتی ہو گی۔ وہاں ایک دو آدمی ہوں گے۔ اُن پر قابو پا کر آگ بجھا دینا۔ تم میں سے دو آدمیوں کو گرجے کے قریب جا کر اور چھُپ کر دیکھنا ہے۔ وہاں تمہیں کوئی آدمی بولتا نظر آئے گا۔ اُسے پکڑ لینا تمہارے پاس برچھیاں اور خنجر ہوں گے۔ ہو سکتا ہے ان لوگوں کے ساتھ تمہاری لڑائی ہو جائے۔ اس صورت میں تم ان میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑنا۔ پھر تم میں سے ایک آدمی بلند آواز سے اعلان کرے کہ یہ سب ڈھونگ ہے اور یہاں کوئی یسوع مسیح نہیں آتا۔ پھر ہم صبح لوگوں کو ویران گرجا اور دوسری جگہیں دکھائیں گے اور وہ چیز بھی دکھائیں گے جو درخت میں چمکتی ہے۔"

وزیر حاجب عبدالکریم اور سالار عبدالرؤف نے انہیں تفصیل سے بتایا کہ وہ کس وقت اور کس طرح اس علاقے میں جائیں گے اور یہ مہم کس طرح سَر کریں گے۔

"تمہیں اس کارنامے کا صِلہ خُدا دے گا" — عبدالکریم نے کہا — "مَیں تمہیں صاف بتا دیتا ہوں کہ یہ مہم آسان نہیں۔ صلیب کے پجاریوں نے پورا انتظام کر رکھا ہوگا۔ تمہاری جانوں کا خطرہ بڑا صاف ہے، اور میں تمہیں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ ہم دونوں تمہیں حکم نہیں دے رہے۔ اگر تم نہ جانا چاہو تو تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوگی نہ ہم تم سے ناراض ہوں گے۔ تم اپنے مذہب اور سلطنتِ اُندلس کے پاسبان ہو۔ یہ ملک اس شاہی خاندان کا نہیں، تمہارا ہے۔ تمہارے گھر میں ڈاکہ پڑے اور تمہارا باپ ڈاکوؤں کو اپنا گھر لُوٹنے کی اجازت دے دے تو تم یقیناً اپنے گھر کو لُٹنے سے بچاؤ گے..... یہ تمہارا گھر ہے۔ یہ ہمارا گھر ہے۔"

"ہم ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہیں" — ان میں سے ایک نے کہا — "ہم جائیں گے۔"

"ہم کسی سے کوئی صِلہ نہیں مانگیں گے۔"

"خُدا سے بھی صِلہ نہیں مانگیں گے۔"

چھ کے چھ جانباز تیار ہوگئے۔

*

دو ہی روز بعد پتہ چل گیا کہ آج رات کچھ اور نظر آئے گا اور جو کوئی

وہاں آتے وہ نہا دھو کر اور پاک صاف ہو کر آتے۔ مسجدوں میں سب مسلمانوں کو خبردار کیا گیا کہ کوئی مسلمان وہاں نہ جائے۔

چھ مسلمان جا رہے تھے۔

ان میں ایک رحیم غزالی تھا اور دوسرا حامد عربی۔ ان کے ساتھ فوج کے چار منتخب چھاپہ مار جانباز تھے۔ وہ سورج غروب ہونے کے فوراً بعد وہاں پہنچ گئے تھے۔ دن کے وقت رحیم اور حامد نے گڈریوں کے بھیس میں یہ علاقہ دیکھ لیا تھا۔ پہاڑی کے اُوپر جا کر بھی اُنہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا تھا۔

سورج غروب ہونے کے بعد جانبازوں کی یہ جماعت کسی اور طرف سے پہاڑی پر چڑھ گئی۔ اس پہاڑی کی ایک ہی ڈھلان نہیں تھی۔ ایک ڈھلان ختم ہوتی تھی تو اُوپر کچھ کھُلا سا میدان آجاتا تھا۔ یہاں سے مزید بلندی کی ڈھلان شروع ہوتی تھی۔ اونچی گھاس اور جھاڑیوں نے اوٹ کا بڑا اچھا بندوبست کر رکھا تھا۔ جہاں پہلی ڈھلان ختم ہوتی تھی وہاں ویران گرجا تھا۔ اس کے دائیں طرف چلے جاؤ تو پہاڑی نیچے جاتی تھی۔ نیچے دلدل اور پانی تھا جس میں چھوٹے مگرمچھ تھے۔

دلدل کے کنارے ایک چٹان کھڑی تھی جو درختوں اور جھاڑیوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ اس چٹان پر سلیں دیوار کی طرح کھڑی تھیں۔ یہ سارا علاقہ چٹانی اور پہاڑی تھا۔

رحیم غزالی نے دو چھاپہ مار اپنے ساتھ لے لئے اور دو کو حامد عربی

نے اپنے ساتھ لے لیا۔ اُن کے پاس برچھیاں اور خنجر تھے۔ وہ الگ الگ ہو گئے۔ رحیم غزالی اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ ویران گرجے کے قریب چھپ گیا اور حامد عربی اپنے ساتھیوں کو اُس درخت کے قریب لے گیا جہاں ستارہ چمکتا تھا۔

جب اندھیرا اتنا گہرا ہو گیا کہ اپنا ہاتھ بھی نظر نہ آتا تھا تو رحیم غزالی کو گرجے کے قریب کچھ آوازیں سنائی دینے لگیں، پھر گرجے کے اندر روشنی ہو گئی جو پیچھے والے ایک دریچے سے نظر آتی تھی۔ اندر سے کچھ آدمی نکلے۔ کسی نے کہا — "سارا سامان ایک بار پھر دیکھ لو" — دوسری آواز آئی "سب کچھ لے لیا ہے۔ تم درخت پر چڑھ جاؤ۔ لوگ آنا شروع ہو گئے ہیں" — پھر کسی نے کہا — "لوگوں کی فکر نہ کرو۔ وہ اُوپر تو نہیں آئیں گے۔"

حامد عربی ستارے والے درخت کے قریب تھا۔ اُسے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اندھیرے میں اُسے دو سائے سے کھڑے نظر آئے۔ ایک درخت پر چڑھنے لگا۔ جو نیچے کھڑا رہا اُس نے کہا — "وہ جگہ یاد ہے نا؟" — اور جانے والے نے جواب دیا۔ "یاد ہے۔ بالکل یاد ہے۔"

دو تین آدمی حامد عربی کے قریب سے گزر گئے۔ وہ پہاڑی سے اُتر گئے، پھر اُسے سامنے والی چٹان سے باتوں کی دھیمی دھیمی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ لوگ جمع ہونے شروع ہو گئے تھے۔ ان کا شور صاف سنائی دے رہا تھا۔

*

زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ سامنے والی چٹان کی اُس جگہ جہاں سلیں
واروں کی طرح کھڑی تھیں، بڑی تیز روشنی ہوئی۔ حامد عربی نے غور سے دیکھا
بڑے سائز کا فانوس تھا لیکن اس کی روشنی صرف آگے کو جاتی تھی۔ دائیں، بائیں
اور پیچھے نہیں جاتی تھی۔ حامد عربی نے دیکھا کہ جو آدمی درخت پر چڑھا تھا وہ
یا تھا اور اس کا ساتھی جو نیچے کھڑا رہا تھا وہ جا چکا تھا حامد عربی دبے
ؤں آگے بڑھا اور برچھی کی اَنی اس آدمی کے پہلو میں رکھ کر کہا — "پھر
پر جاؤ اور جو کچھ اُوپر رکھ آئے ہو وہ اتار لاؤ۔"

"کون ہو تم؟" — اُس نے حامد سے پوچھا۔

"میں جو کہتا ہوں وہ کرو" — حامد عربی نے کہا۔

"برچھی پیچھے کرو" — اس آدمی نے کہا — "میں اُوپر جاتا ہوں۔"

وہ درخت پر چڑھنے لگا۔ اندھیرا تھا۔ حامد دیکھ نہ سکا کہ وہ آدمی کیا کر
ہے۔ اُس نے خنجر نکال لیا تھا۔ اُس نے درخت سے ہٹ کر اور گھوم کر
وار حامد پر کیا۔ حامد اپنے آپ کو بچا نہ سکا۔ خنجر اس کے بازو کو کاٹتا اس
پہلو میں جا لگا لیکن پیٹ میں نہ اُترا۔ حامد عربی نے پیچھے ہٹ کر برچھی
دمی کے پیٹ میں اُتار دی۔ اُس آدمی نے بڑی بلند آواز سے کسی
پکارا۔

حامد نے اپنے آدمیوں کو پکارا۔ اُدھر جو روشنی جلی تھی وہ اس طرف ہو
ماں حامد اور اس کے آدمی تھے۔ گرجے کی طرف سے چند آدمی دوڑے
ان کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ حامد عربی نے اپنے آدمیوں کو چھپ جانے

کو کہا اور خود بھی اُن کے ساتھ چھُپ گیا۔ گرجے سے آنے والے زیادہ تعداد
میں تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھی کو دیکھا جو درخت کے قریب پڑا تھا
وہ سب بکھر کر ڈھونڈنے لگے کہ اسے کون زخمی کر گیا ہے۔

ایک آدمی حامد کے قریب چلا گیا۔ حامد نے بیٹھے بیٹھے برچھی اس کے
پہلو میں اتار دی۔ اس کے منہ سے ایسی آواز نکلی کہ اس کے ساتھی دوڑے
آئے۔ ان میں سے کسی نے بلند آواز سے کہا ــ "روشنی اِدھر ہی رکھنا۔"

حامد عربی زخمی تھا۔ اس کے ساتھی صرف دو تھے۔ وہ ان آدمیوں کو نظر
آ گئے۔ حامد نے رحیم غزالی کو پکارا اور عیسائیوں کا مقابلہ کیا۔ انہوں نے ان
تینوں کو گھیرے میں لے لیا۔ اُدھر سے رحیم غزالی اپنے ساتھیوں کو لئے
آ گیا۔

لوگ ستارے کے چمکنے کا انتظار کر رہے تھے اور اِدھر ستارہ چمکانے
والے زندگی اور موت کا معرکہ لڑ رہے تھے۔

*

رات کا آخری پہر تھا جب حاجب عبدالکریم گہری نیند سے بیدار ہوا۔
اُس کے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ اُس نے دروازہ کھول
کر دیکھا۔ اُس کا ملازم کھڑا تھا۔ اُس نے حاجب عبدالکریم کو بتایا کہ باہر ایک آدمی
آیا ہے جو اس قدر زخمی ہے کہ کھڑا نہیں رہ سکتا۔ عبدالکریم دوڑتا باہر نکل گیا۔
اُس کے دربان نے زخمی کو ایک طرف لٹا دیا تھا۔ وہ رحیم غزالی تھا۔ اس کے
کپڑے خون سے لال ہو گئے تھے اور وہ آخری سانسیں لے رہا تھا۔

عبدالکریم نے دربان سے کہا کہ دوڑ کر جاؤ اور جراح کو جگا لاؤ لیکن رحیم غزالی
نے روک دیا۔

"جراح کے آنے تک میں زندہ نہیں رہوں گا" ــ رحیم غزالی نے کراہتے
ہوئے کہا ــ "میری بات سُن لیں۔ اگر ابھی تک میرا کوئی ساتھی واپس نہیں آیا تو
وہ سب مارے گئے ہیں۔ وہ واقعی شعبدہ ہے۔ شعبدہ دکھانے والوں میں سے
شاید ہی ہم نے کسی کو زندہ چھوڑا ہو۔ آپ فوراً ویران گرجے تک جائیں۔
وہاں آپ کو لاشیں ملیں گی اور سارا بھید وہاں کھُلا پڑا ہے۔"

وہ رُک رُک کر بول رہا تھا اور وہ ہانپا ہوا تھا۔ اُس کی سانسیں
اکھڑنے لگیں۔ آواز خراٹوں کی طرح آنے لگی۔ وزیر حاجب عبدالکریم نے
دربان سے کہا کہ وہ دوڑتا جائے اور جراح اور طبیب کو بلا لائے مگر اُن
کے آنے سے پہلے ہی رحیم غزالی کی رُوح اپنا فرض ادا کر کے اُس کے
زخموں سے چُور جسم سے نکل گئی۔

حاجب عبدالکریم نے زیرِ لب کہا ــ "کیا ان شہیدوں کا لہو
رائیگاں جائے گا؟"

اُس کا خون رگوں میں اُبلنے لگا۔ دانت بجنے لگے۔ اپنے ملازم سے
کہا کہ سالار عبدالرؤف کو جگا کر لے آؤ۔ اُسے کہو کہ جس حالت میں
ہے آ جائے۔

عبدالرؤف دُور نہیں تھا۔ وہ آ گیا۔ عبدالکریم نے اُسے بتایا کہ رحیم
غزالی کیا بتا کر مرا ہے۔ عبدالرؤف نے اسی وقت بیس پچیس سپاہیوں

اور کمانداروں کا ایک جیش تیار کیا اور عبدالکریم اور وہ خود گھوڑوں پر سوار ویران گرجے تک گئے۔ چونکہ ابھی تاریکی تھی اس لئے مشعلیں ساتھ لے لی گئی تھیں۔ ایک ایسا آدمی بھی ساتھ تھا جو اس علاقے سے واقف تھا۔

وہ جب ویران گرجے میں گئے تو اندر روشنی تھی۔ دو قندیلیں جل رہی تھیں۔ آدمی کوئی نہ تھا۔ دیوار کے ساتھ لکڑی کا ایک تختہ پڑا تھا۔ اس پر حضرت عیسیٰؑ کی بہت بڑی تصویر تھی جس میں انہیں صلیب کے ساتھ لٹکا ہوا دکھایا گیا تھا۔ اس کے جو رنگ تھے، ان میں چمک تھی۔ باہر جا کر دیکھا۔ ایک درخت کے نیچے کئی لاشیں پڑی تھیں۔ ان میں مسلمان جانبازوں کی بھی لاشیں تھیں اور عیسائیوں کی بھی۔

وہ لاشوں کو پہچان رہے تھے کہ ایک لاش میں حرکت ہوئی۔ یہ مسلمان کی لاش تھی۔ سالار عبدالرؤف اس کے پاس بیٹھ گیا اور اُس کا نام لے کر اُسے کہا کہ اُسے اُٹھا کر لے جائیں گے اور وہ ٹھیک ہو جائے گا۔

اس کا پیٹ پھٹا ہوا تھا۔ اپنے سالار کو دیکھ کر اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی مگر وہ بول نہ سکا۔ اُس نے آہستہ آہستہ ہاتھ اُوپر اٹھایا اور اُوپر درخت کی طرف اشارہ کیا۔ عبدالرؤف نے پوچھا کہ وہاں کیا ہے۔

زخمی جانباز کے صرف ہونٹ ہلے اور اُس نے اُنگلی سے پھر اُوپر اشارہ کیا اور اُس کا بازو جو اُوپر اٹھا ہوا تھا گر پڑا۔ اس کا سَر ایک طرف ڈھلک گیا۔

اس کے بعد تمام لاشوں کو دیکھا گیا۔ کوئی بھی زندہ نہ تھا۔

گرجے کی طرف کسی کے دوڑتے قدموں کی آوازیں سنائی دیں

سپاہیوں کو اُدھر دوڑایا گیا۔ اُنہوں نے دیکھا کہ دو آدمی لکڑی کا وہ تختہ جس پر حضرت عیسیٰؑ کی تصویر تھی، اُٹھائے ہوئے بھاگے جا رہے تھے۔ اپنے تعاقب میں سپاہیوں کو آتا دیکھ کر وہ تیزی سے پہاڑی سے اُترنے لگے۔ اور گر پڑے۔ انہیں پکڑ لیا گیا۔ گرجے میں سے دھواں اُٹھتا دیکھا گیا۔ فوراً ہی روشندانوں سے شعلے نکلنے لگے۔ چھت لکڑی کی تھی اور اندر قدیم زمانے سے لکڑی کے بنچ اور میزیں وغیرہ پڑی تھیں۔ ان سب کو آگ لگ چکی تھی۔ اتنی زیادہ آگ بجھانے کا کوئی انتظام نہ تھا نہ ضرورت تھی۔

*

ان آدمیوں کو جو تختہ اُٹھا کر لے جا رہے تھے، پکڑ کر جلتے ہوئے گرجے تک لے گئے۔ اب دروازوں اور کھڑکیوں میں سے بھی شعلے باہر آ رہے تھے۔ کواڑ جل رہے تھے۔ پورا گرجا ایک بھیانک شعلہ بن گیا تھا۔

"اگر تم بتا دو کہ یہ ڈھونگ کیا تھا تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا"— وزیر حاجب عبدالکریم نے ان دو عیسائیوں سے کہا۔

"ہم تمہیں گرفتار نہیں کریں گے۔ یہ تمہارا اپنا مذہب ہے۔ اس میں جو ڈھونگ رچاؤ ہمیں کوئی اعتراض نہیں، لیکن میں یہ ضرور معلوم کروں گا کہ یہ کیا تھا۔ نہیں بتاؤ گے تو تم دونوں کو جلتے ہوئے گرجے میں پھینک دیا جائے گا۔"

دونوں کو گھسیٹ کر اتنا آگے لے گئے کہ آگ کی تپش سے چہرے جھلسنے لگے۔ شعلے اِدھر کو ہی لپک رہے تھے۔ ان کی آواز ایسی تھی جیسے غرّا

ہے ہوں۔ دونوں عیسائی پیچھے کو ہٹنے لگے۔ انہیں دُور ہٹا لیا گیا۔

"ہم آپ کو یہ نہیں بتائیں گے کہ اس کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے"
ان میں سے ایک نے کہا ۔۔۔ "اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں آگ
میں پھینک دیں۔ ہم خود آگ میں کُود جائیں گے۔ انسان کے لئے اس سے بڑی
سعادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے مذہب پر اپنی عبادت گاہ میں اپنی
جان قربان کر دے۔"

"مذہب وہی زندہ رہے گا جس کے ماننے والے اس کی ناموس
پر زندہ جل جانے کو سعادت سمجھیں" ۔۔۔ دوسرے نے بڑی دلیری سے کہا۔
"اسلام مر رہا ہے۔ عیسائیت زندہ رہے گی۔ یہی ہمارا مقصد ہے۔"

انہیں ایسی باتوں سے نہ روکا گیا، بلکہ ان کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا
کہ وہ اپنے مذہب کے اتنے پرستار اور شیدائی ہیں۔ اس میں کوئی شک
نہیں تھا کہ ان میں ذہانت اور فہم و فراست تھی اور ان میں جذبہ تھا۔ ان
کی باتوں میں بڑ ہانکنے والی بات نہیں تھی۔ انہوں نے صاف الفاظ میں بتا
دیا کہ سامنے والی چٹان کی سِلوں اور گھنی جھاڑیوں کی اوٹ میں تیز شعلوں
والے فانوس جلائے جاتے تھے۔ ان پر گول کنستر چڑھا دیا جاتا تھا تاکہ
ان کی روشنی اِدھر اُدھر پھیلنے کی بجائے سامنے درخت تک جائے۔

درخت کی شاخوں میں وہ انسان کی بند مٹھی جتنا موٹا لکڑی کا چوکور بلاک
سا باندھ دیتے تھے۔ اس بلاک کے ہر طرف ابرق چپکایا ہوا تھا۔ رات کو
جب ابرق پر روشنی پڑتی تھی تو یہ چمکتا تھا۔ چونکہ یہ رسّی سے لٹک رہا ہوتا

تھا اس لئے یہ ہلتا رہتا تھا۔ اس سے کرنیں نکلتی تھیں جو متحرک ہوتی تھیں حضرت
عیسیٰؑ کے متعلق یہ روایت ہے کہ ان کا نور جسے نظر آتے، اُسے کسی درخت
کی شاخوں میں ستارہ سا چمکتا نظر آتا ہے۔ یہ لوگ اسی عقیدے کو عملی رنگ
دے رہے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کی جو شبیہہ انہوں نے چمکتی دکھائی تھی، وہ
بھی اسی عمل سے دکھائی تھی۔۔۔۔ اور اب گرجے کو ان دونوں نے آگ
لگا دی تھی۔ اس سے پہلے وہ حضرت عیسیٰؑ کی تصویر نکال چکے تھے۔

وہ زخمی جانباز مرنے سے پہلے درخت کی طرف جو اشارہ کر گیا تھا
وہ لکڑی کا یہی ٹکڑا دکھانا چاہتا تھا جس پر ابرق چپکا ہوا تھا۔ اُس نے رات
ایک آدمی کو اُوپر چڑھتے اور نیچے اترتے دیکھا تھا۔ وہ چوکور ٹکڑا ابھی تک وہاں
لٹک رہا تھا۔ وہ اُتار لیا گیا۔ سامنے چٹان پر فانوس پڑے تھے جو بُجھ چکے تھے
انہیں جلانے والے شاید گرجے والی پہاڑی پر آ کر مارے گئے تھے۔

"ہم نے جو کچھ کیا اپنے مذہب کی خاطر کیا" ۔۔۔ ان دو آدمیوں میں سے ایک
نے کہا ۔۔۔ "ہمارے لوگ جو اشارے اور جو زبان سمجھتے ہیں، ہم نے اُن
اشاروں اور اُس زبان میں انہیں سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ اپنا مذہب
نہ چھوڑیں۔ ہماری آپ کے ساتھ کوئی ذاتی دشمنی نہیں۔ یہ دو مذہبوں کی دشمنی
ہے۔ اسلام پھیل رہا ہے، عیسائیت اسے روک رہی ہے۔ ہم اسے روکنے
کے لئے ہر جائز اور ناجائز طریقہ استعمال کریں گے۔ ہم دونوں کو آگ میں پھینک
دیں۔ ہماری راکھ سے دو اور انسان جنم لیں گے جو ہماری راہ پر چلیں گے۔
یہ گرجے کے شعلے اپنا کام کر رہے ہیں۔"

* *

سورج طلوع ہو رہا تھا جب حاجب عبدالکریم اور سالار عبدالرؤف عبدالرحمٰن کے محل میں پہنچے۔ اُن کے ساتھ اپنے جانبازوں اور عیسائیوں کی لاشیں تھیں۔ وہ حضرت عیسٰےؑ کی تصویر، فانوس اور لکڑی کا وہ ٹکڑا بھی اُٹھا لائے تھے جو فانوس کی روشنی میں چمکتا تھا۔ ان کے ساتھ دو عیسائی بھی تھے جنہیں انہوں نے زندہ پکڑا تھا۔ ان کے آنے کی اطلاع شاہِ اُندلس عبدالرحمٰن کو ملی۔ وہ ابھی خوابگاہ میں تھا اور سلطانہ ملکۂ طروب اُس کے ساتھ تھی۔ عبدالرحمٰن نے انہیں بلالیا۔

وہ دونوں ملاقات کے کمرے میں جا بیٹھے۔ عبدالرحمٰن خوابگاہ سے نکلا تو سلطانہ نے اپنی خاص خادمہ کو بلا کر کہا کہ زریاب سے کہو کہ جس حالت میں ہے آجائے۔ عبدالکریم اور عبدالرؤف آئے ہیں۔

عبدالرحمٰن جب ملاقات کے کمرے میں داخل ہوا تو سلطانہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ وہ ابھی سونے کے لباس میں تھی۔ کندھے اور بازو ننگے

اور بال جو ریشم جیسے ملائم اور چمکیلے تھے، کھلے ہوئے تھے اور مرمریں کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ اپنے قدرتی حسن میں تھی۔ کوئی بناؤ سنگھار نہ تھا۔ اس سادگی میں اُس کے حسن کا طلسم پوری آب و تاب میں تھا۔ اُندلس کے وزیر اور سالار نے اُسے دیکھا پھر دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ انہوں نے سلطانہ کو دیکھ کر جو دھچکہ سا محسوس کیا تھا وہ انہوں نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھا۔ ان کا ردِ عمل ایک جیسا اور سوچ ایک جیسی تھی۔۔۔ سوچ یہ تھی کہ اس طلسم میں صرف وہ عبدالرحمٰن زندہ رہ سکتا ہے جو شاہِ اُندلس ہے اور عورتوں کا شیدائی ہے۔ سلطانہ کی اتنی ملائم اور اتنی پرچمک زلفوں میں اُلجھ کر وہ عبدالرحمٰن زندہ نہیں رہ سکتا جو اُندلس کا امین اور اسلام کا پاسبان ہے۔

"ہم آپ کو زحمت نہ دیتے" — وزیر عبدالکریم نے بات شروع کی۔ "لیکن عیسائیوں نے کچھ ایسے حالات پیدا کر دیئے ہیں کہ ہمیں راتوں کو سونا بھی نہیں چاہیئے۔ انہوں نے ایسی شعبدہ بازیاں شروع کر دی ہیں جو ہمارے مذہب پر بھی اثر انداز ہو رہی ہیں اور نہ صرف عیسائیوں کو بلکہ مسلمانوں کو بھی حکومت کے خلاف اکساتی ہیں۔"

"کوئی خاص واقعہ ہوگیا ہے؟" — عبدالرحمٰن نے جمائی لیتے ہوئے کہا — "یا آپ لوگ اپنے مخبروں کی اطلاعیں مجھے دینے آئے ہیں؟"

"امیرِ اُندلس!" — وزیر عبدالکریم نے کہا — "رات ایک خاص واقعہ ہوگیا ہے جو کئی راتوں سے ہو رہا ہے۔ گذشتہ رات ہم نے یہ ڈھونگ

ختم کر دیا ہے۔ باہر کچھ لاشیں اپنے سپاہیوں کی پڑی ہیں اور کچھ ان عیسائیوں
کی جنہوں نے یہ ڈھونگ رچایا تھا۔ دو کو ہم زندہ پکڑ لائے ہیں۔"

"لاشیں؟" — عبدالرحمٰن نے بدک کر پوچھا — "کیا یہ معاملہ اتنا سنگین
تھا کہ خون خرابے تک نوبت پہنچ گئی؟"

وزیر عبدالکریم اور سالار عبدالرؤف نے اسے پوری تفصیل سے
پہاڑی پر ویران گرجے کی شعبدہ بازی سنانی شروع کر دی۔ اس دوران
زریاب بھی آگیا اور وہ انہماک سے رات کی روئیداد سننے لگا۔ عبدالرحمٰن
اونگھ رہا تھا۔ عبدالکریم اور عبدالرؤف نے ایک ایک بات سنائی۔

"ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں امیرِ محترم!" — سالار عبدالرؤف نے
کہا — "ان دو قیدیوں سے پوری تفتیش ہونی چاہیئے کہ اس ناٹک کے روحِ
رواں کون ہیں۔ ان چھوٹے چھوٹے آدمیوں کو قید میں ڈال دینا یا انہیں جلاد
کے حوالے کر دینا کوئی علاج نہیں۔ ہمیں ان کے قائدین کو پکڑنا ہے۔ ہمیں
اُن دماغوں کو بیکار کرنا ہے جو اس فتنے کو جنم دے رہے ہیں۔"

"گستاخی معاف شاہِ اُندلس!" — عبدالرحمٰن کی بجائے زریاب بولا
— "قابلِ احترام وزیر اور سالار نے جو کارروائی کی ہے، یہ عیسائیوں کے
مذہب میں دخل اندازی کے مترادف ہے۔ اگر وہ لوگ اپنے مذہب میں
شعبدہ بازی کرتے ہیں تو کرتے رہیں۔ ہمارے مذہب کو اس سے کوئی
نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ انہیں ایسے ڈھونگ رچانے دیں تاکہ عیسائیوں کو پتہ
چل جائے کہ عیسائیت اور اسلام میں کیا فرق ہے۔ انہیں جلدی پتہ چل جائے گا

کہ اسلام ایک مذہب ہے اور اسے شعبدہ بازی سے تقویت نہیں دی جاتی۔"

"زریاب!" — وزیر حاجب عبدالکریم نے گرج کر کہا — "ہم امیرِ اُندلس
سے مخاطب ہیں آپ سے نہیں۔ ہمیں حکم اپنے امیر سے لینا ہے۔ امیر کے
درباری گویّے سے نہیں ... امیرِ محترم! یہ سب ڈھونگ ہمارے مذہب
کے خلاف رچایا گیا ہے۔"

شاہِ اُندلس بیدار ہو گیا۔ وہ کوئی کم فہم اور روایتی بادشاہ نہیں تھا۔ عالم بھی
تھا عامل بھی، اور وہ مردِ میدان بھی تھا۔ اس کی خوبیوں اور خامیوں کا، عقل و
دانش اور گمراہی کا پہلے ذکر آچکا ہے۔ وہ اپنے اُوپر عورت اور راگ رنگ
کو طاری کر لیا کرتا تھا۔ اب تو اُس پر ان دونوں نشوں کے علاوہ ابھی نیند کا
غلبہ بھی تھا۔ عبدالکریم کی گرج نے اُسے جگا دیا۔ اُس نے زریاب کو گھور کر
دیکھا۔ سلطانہ نے زریاب کو اسی مقصد کے لئے بلایا تھا کہ وزیر اور سالار
آئے ہیں اور وہ شاہِ اُندلس کو کہیں ان کی راہ سے ہٹا نہ جائیں۔

"زریاب!" — عبدالرحمٰن نے کہا — "تم خاموش رہو۔ یہ ٹھیک کہہ رہے
ہیں کہ انہیں حکم مجھ سے لینا ہے۔"

زریاب ہوشیار آدمی تھا۔ اُسے خدا نے غیر معمولی فہم و فراست دی
تھی۔ اُس کی آواز میں سوز و گداز تھا۔ ویسے بھی وہ زبان کا جادو چلانا جانتا تھا۔ اس
کے ہونٹوں پر خفت کی مسکراہٹ آگئی۔

"شاہِ اُندلس سے میں معافی مانگتا ہوں" — اُس نے کہا — "اور میں محترم
وزیر اور قابلِ احترام سالار سے بھی معافی مانگتا ہوں کہ مجھ سے گستاخی ہوتی۔

ہیں اس کارروائی کے خلاف بات نہیں کر رہا جو آپ نے لی ہے۔ آپ کے جذبے کا تقاضہ یہی تھا جو آپ نے پورا کیا۔ شاہِ اُندلس آپ کو یقیناً خراجِ تحسین پیش کریں گے لیکن شاہِ اُندلس کو اپنی رعایا کے مذہبی جذبات کا بھی خیال رکھنا ہے۔ اس تخت پر آپ بیٹھ جائیں تو آپ کی بھی سوچیں بدل جائیں گی۔ اگر شاہِ اُندلس کو سالار بنا دیا جائے تو دشمن کے خلاف ان کی کارروائی آپ سے زیادہ جارحانہ ہوگی۔"

زریاب اپنے اس مخصوص انداز اور لب و لہجے میں بولتا جا رہا تھا جس کے اثر سے وہ تمام دربار پر چھایا ہوا تھا۔ دوسرا جادو اس کے فلسفے اور منطق کا تھا۔ ایک سحر اور تھا جو مخمور کر دینے والے نشے کی طرح شاہِ اندلس پر غالب آ رہا تھا۔ یہ سُلطانہ کے گداز اور عریاں بازوؤں اور اس کے بکھرے ہوئے ریشمی بالوں کا لمس تھا۔ وہ شاہِ اُندلس کے اتنی قریب بیٹھی تھی کہ شاہ اُندلس اُس کے جسم کی تپش محسوس کر رہا تھا۔ وہ اس کی طرف دیکھتا تھا تو اس کی سانسیں سلطانہ کی سانسوں سے محوِ اختلاط ہو جاتی تھیں۔

"تم دونوں نے جو کیا اچھا کیا ہے" — عبدالرحمٰن نے کہا — "اس معاملے کو یہیں ختم کر دو۔"

"ان دو آدمیوں کو چھوڑ نہ دیا جائے جنہیں یہ پکڑ لائے ہیں؟" — سلطانہ مدرُوب نے کہا — "غیر مسلم رعایا یہ نہ کہے کہ اسلام ایک ظالم مذہب ہے۔"

"ہاں!" — عبدالرحمٰن نے کہا — "انہیں چھوڑ دیا جائے۔"

حاجب عبدالکریم غصے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ سالار عبدالرؤف بھی اُٹھا

"امیرِ اُندلس!" — حاجب عبدالکریم نے درباری آداب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہا — "آپ آرام فرمائیں۔ ہم زندہ ہیں۔ ہم اسلام کو زندہ رکھیں گے۔ اسلام کی پاسبانی ان شہیدوں کی روحیں کریں گی جن کی لاشیں آپ کے دروازے پر پڑی ہیں اور جنہیں آپ نے ایک نظر دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔"

"آپ نہ دیکھیں امیرِ اُندلس!" — سالار عبدالرؤف نے کہا — "انہیں خدا دیکھ رہا ہے۔"

"آپ بیٹھ جائیں" — عبدالرحمٰن نے ایسی آواز میں کہا جس میں شاہانہ جلال نہ تھا — "میں سن رہا ہوں۔ میری بھی سنیں۔"

"اگر اُندلس آپ کی جاگیر ہوتی تو ہم آپ کے حکم کے بغیر سانس بھی نہ لیتے" — وزیر حاجب عبدالکریم نے جذبات سے بوجھل آواز میں کہا — "یہ اللہ کی سرزمین ہے۔ یہاں اگر اسلام کسی سے ڈرے گا نہیں، دبکے گا نہیں۔ ہم اسلام کو اور اسلامی سلطنت کو ہر خطرے سے بچائیں گے خواہ یہ خطرہ آپ کی ذات کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو۔"

"مجھے افسوس ہے کہ آپ کو میری باتوں نے ....." زریاب کہنے لگا

"ہماری نگاہ میں تمہاری کوئی حیثیت نہیں زریاب!" — سالار عبدالرؤف نے اُس کی بات کاٹ کر کہا — "خلافت کے نظام میں تم جیسے آدمی کو کوئی حیثیت نہیں دی جاتی۔ تمہیں اور اس عورت کو اس کمرے میں ہونا ہی نہیں چاہیئے تھا۔ سلطنت کے امور میں تمہارا کیا دخل!"

"تم نے جو بہتر سمجھا وہ کیا ہے" — وزیر حاجب عبدالکریم نے کہا

"ہم جارہے ہیں۔ اگر ہم دونوں مجرم ہیں تو ہمیں بلاکر سزا دے دینا۔"
دونوں اپنے امیر کی اجازت کے بغیر وہاں سے چل پڑے۔
"رُک جاؤ" — امیر عبدالرحمٰن نے کہا — "میں شہیدوں کا احترام کرتا ہوں۔"

وہ دونوں رُک گئے۔ عبدالرحمٰن اُٹھا اور ان کی طرف چلا۔ اب اس کی چال جنگجوؤں جیسی تھی۔ سلطانہ اور زریاب کا اثر اُتر چکا تھا۔ اس پر کوئی نشہ سوار نہیں تھا۔ اُس کا جسم تن گیا اور سر اُونچا ہو گیا تھا۔
"میں ابھی ابھی سوکر اُٹھا ہوں" — عبدالرحمٰن نے ایک ہاتھ عبدالکریم کے کندھے پر اور دوسرا عبدالرؤف کے کندھے پر رکھ کر کہا — "میں اس واقعہ پر اچھی طرح غور نہیں کر سکا تھا۔"
"جاگو امیرِ اُندلس! جاگو" — عبدالکریم نے کہا — "دشمن جاگ رہا ہے۔"
دونوں امیرِ اُندلس کو دو حصّوں میں کٹا ہُوا چھوڑ کر باہر نکل گئے۔

*

عبدالرحمٰن نے دریچے کا پردہ ذرا سا سرکا کر باہر دیکھا۔ حاجب عبدالکریم اور سالار عبدالرؤف شہیدوں کی لاشیں اٹھوا رہے تھے۔
"عیسائیوں کی لاشیں اور یہ دو قیدی یہیں رہیں گے؟" — دربان نے پوچھا۔
"شاہِ اُندلس جو حکم دیں اس کی تعمیل کرنا" — سالار عبدالرؤف نے کہا — "صرف شہیدوں کی لاشیں جارہی ہیں۔"

عبدالرحمٰن نے شہیدوں کی لاشوں کو جاتے دیکھا۔ ہر لاش لکڑی کے ایک ایک تختے پر پڑی تھی۔ ہر تختہ چار چار سپاہیوں نے اٹھا رکھا تھا۔ شہیدوں کا یہ جلوس بڑی خاموشی سے جارہا تھا۔ عبدالکریم اور عبدالرؤف لاشوں کے پیچھے پیچھے جارہے تھے۔ انہوں نے شہیدوں کے احترام میں اپنی تلواریں نیاموں سے نکال کر اپنے سامنے ہاتھوں میں سیدھی پکڑ رکھی تھیں۔ ان کے گھوڑے ساتھ تھے لیکن وزیر اور سالار پیدل جارہے تھے۔ ان کے پیچھے چند ایک سپاہی تھے جنہوں نے اپنی برچھیاں سیدھی پکڑ رکھی تھیں۔ ان کی چال کا انداز ماتمی نہیں تھا۔ وہ تیز چل رہے تھے۔ اُن کے قدموں میں وقار تھا اور جنہوں نے شہیدوں کا بوجھ اٹھا رکھا تھا وہ بھی یوں تن کے چلے جارہے تھے جیسے اُن کے کندھوں پر شہیدوں کا بوجھ تھا ہی نہیں۔
عبدالرحمٰن انہیں دیکھتا رہا۔ اُس کی نظروں کے آگے شہیدوں کا ایک اتنا لمبا قافلہ چل پڑا جو کہیں ختم ہوتا نظر نہیں آتا تھا۔ اس کے جذبات میں ہلچل بپا ہو گئی، پھر اُس کا خون اُبلنے لگا۔ وہ پردہ چھوڑ کر گھوما۔ اُس کے چہرے پر کسی سحر کا اور کسی نشے کا تاثر نہیں تھا۔ زریاب اُس کی مزاجی کیفیت بھانپ گیا۔
"انہوں نے جو کچھ کیا ہے ٹھیک کیا ہے۔ جو کہا ہے ٹھیک کہا ہے" — زریاب نے کہا — "لیکن انہیں آپ کے جاہ و جلال کو یُوں نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں شاہِ اُندلس! لیکن محترم وزیر اور سالار کی اس حرکت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"
"کیوں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا" — عبدالرحمٰن نے رعب سے کہا

"انہوں نے دیانتداری سے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ مَیں انہیں اس صورت میں بھی خراجِ تحسین پیش کر سکتا ہوں کہ ان کی بدتمیزی کو نظر انداز کر دوں ۔ ۔ ۔ ۔ اور زریاب! اور سلطانہ تم بھی سُن لو۔ میں تمہیں آئندہ اپنے وزیر اور اپنے کسی سالار کے ساتھ اس طرح بولنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ یہ سلطنت کے مسئلے ہیں۔ ان میں وہی دخل دے سکتا ہے جس کی ذمّہ داری ہے اور جو ان سے واقف ہے۔"

زریاب اتنا جھکا کہ بالکل دوہرا ہو گیا۔ اسے دیکھ کر سلطانہ نے بھی سر جھکا لیا۔

"سلطانہ!" — عبدالرحمٰن نے بارعب آواز میں کہا — "میرے غُسل کا انتظام کرو۔ فوراً بعد ان دونوں عیسائیوں کو میرے سامنے لاؤ۔ انہیں سزا قاضی القضاۃ دیں گے لیکن میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ان کا ارادہ اور مقصد کیا ہے۔"

سلطانہ کمرے سے نکل گئی۔ عبدالرحمٰن سونے کے کمرے میں چلا گیا اور زریاب باہر نکل گیا۔ اُس نے سپاہیوں سے کہا کہ دونوں قیدی اس کے حوالے کر دیئے جائیں۔

وہ دونوں عیسائیوں کو پرے لے گیا اور ان کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔

*

غسل کے بعد امیرِ اُندلس عبدالرحمٰن اپنے خاص ملاقات کے کمرے میں بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے دونوں عیسائی قیدی کھڑے تھے۔ زریاب بھی موجود تھا اور یحییٰ بن یحییٰ بھی۔

"اگر تم سچ نہیں بولو گے تو ایسی اذیّت میں ڈالوں گا کہ مر مر کے جیو گے" — عبدالرحمٰن نے قیدیوں سے کہا — "یہ کس کا دماغ تھا جس نے یہ ڈھونگ سوچا تھا۔ میں اُس دماغ کی تعریف کرتا ہوں لیکن وہ سزا سے بچ نہیں سکتا۔ اگر تم دونوں بتا دو تو میں تمہیں چھوڑ بھی سکتا ہوں۔"

"کیا گناہ کیا ہے ہم نے؟" — ایک عیسائی نے ایسے لہجے میں کہا جس میں غم اور غصّہ تھا اور مظلومیت کا تاثر بھی — "ہم آپ کی رعایا ہیں۔ آپ اپنے وزیر اور سالار کے مقابلے میں ہمیں ہی جھوٹا کہیں گے مگر حقیقت کچھ اور ہے۔ ہمارے اُس گرجے کو آپ کے حاکموں نے آگ لگوا دی ہے جو حضرت عیسٰیؑ کے زمانے سے کھڑا ہے۔ اسے آپ کھنڈر کہیں گے لیکن ہمارے لئے یہ گرجا اتنا ہی مقدّس تھا جتنا آپ کے لئے خانہ کعبہ ہے۔ ہم کبھی کبھی رات کو وہاں عبادت کے لئے جایا کرتے تھے۔ آپ کے سپاہیوں نے ہم پر اُس وقت گرجے میں ہلّہ بول دیا جب ہم عبادت میں مصروف تھے۔ ہمارے تمام آدمیوں کو قتل کر دیا گیا اور ہمیں پکڑ کر لے آئے۔ چونکہ ہم قیدی ہیں اس لئے آپ ہمیں مجرم سمجھتے ہیں۔"

"کیا اسلام میں روا ہے کہ دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کو مسلمان آگ لگا دیں؟" — دوسرے قیدی نے احتجاج کے لہجے میں

کہا — "یہ دیکھیں یسوع مسیح کی تصویر یہاں پڑی ہے۔ یہ آپ کے سالار وہاں سے اُٹھا کر یہاں پھینک گئے ہیں۔ اگر آپ کو یہ توقع ہے کہ اس طرح خوفزدہ ہو کر ہم مسلمان ہو جائیں گے تو آپ کی یہ توقع کبھی پوری نہ ہو گی۔"

"یحییٰ!" — عبدالرحمٰن نے کہا — "کیا میں یہ تسلیم کر لوں کہ میرے وزیر اور ایک سالار نے جھوٹ بولا ہے؟"

یحییٰ بن یحییٰ ابھی جواب سوچ ہی رہا تھا کہ ایک قیدی نے کہا — "وزیر اور سالار فرشتے نہیں ہوتے۔ انہوں نے ہم پر جو ظلم کیا ہے وہ اپنے مذہب کی خاطر کیا ہے لیکن ان کے دماغوں میں یہ سوچ نہیں آئی کہ انہوں نے پوری عیسائی رعایا کو اپنے خلاف کر لیا ہے۔ ہم آپ کی وفادار رعایا ہیں۔ فرانس کا بادشاہ لوئی اور اُدھر الفانسو عیسائی ہیں مگر ہم انہیں اس لئے اپنا دشمن سمجھتے ہیں کہ وہ آپ کے دشمن ہیں اور وہ سلطنتِ اُندلس کے دشمن ہیں۔"

"ان دونوں کو باہر لے جاؤ" — عبدالرحمٰن نے کہا — "مجھے کچھ سوچنے دو۔"

قیدیوں کو باہر لے گئے۔ زریاب کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم تھا۔ یحییٰ بن یحییٰ گہری سوچ میں کھویا ہوا تھا اور عبدالرحمٰن اپنے ماتھے پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ اُسے اور یحییٰ کو معلوم نہیں تھا کہ جب وہ غسل کے لئے اندر چلا گیا تھا تو زریاب باہر نکل گیا تھا۔ وہ قیدیوں کو پرے لے گیا تھا۔ دربار پر اور امیر پر وہ چونکہ چھایا ہوا تھا اس لئے سپاہیوں نے دونوں قیدی اُس کے

حوالے کر دیئے تھے۔ قیدیوں نے جو بیان دیا تھا یہ انہیں زریاب نے بتایا تھا۔

"کیا میں اپنے وزیر اور سالار کے خلاف کارروائی کروں؟" — امیر اُندلس نے یحییٰ سے پوچھا اور خود ہی جواب دیا — "میں ایسا نہیں کروں گا۔"

"آپ کو ان کے خلاف کارروائی نہیں کرنی چاہیئے شاہِ اُندلس!" — زریاب نے اُس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے اور اس کے دماغ میں اپنا فیصلہ ڈالنے کے لئے کہا — "آپ دو سالاروں کی دشمنی مول نہیں لے سکتے۔ وزیر عبدالکریم وزیر بھی ہیں سالار بھی۔ انہوں نے بڑی خطرناک غلطی کی ہے لیکن یہ معاملہ دبایا جا سکتا ہے۔ میں عیسائیوں کو راضی کر لوں گا۔ ان دونوں قیدیوں کی رہائی کا حکم دے دیں۔"

"اگر آپ انہیں رہا کرنا چاہتے ہیں تو کر دیں" — یحییٰ بن یحییٰ نے کہا — "لیکن یہ نہ بھولیں کہ بغاوت سر اُٹھا رہی ہے۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ جس پرانے اور غیر آباد گرجے کو آگ لگی ہے وہاں عیسائی کسی پُراسرار طریقے سے عیسائیوں کو خوف زدہ کر کے انہیں حکومتِ اُندلس کے خلاف اکساتے تھے۔ یہ معلوم کرنا آسان نہیں ہو گا کہ گرجے کو آگ کس نے لگائی ہے... میرا مشورہ تو یہ ہے کہ ان قیدیوں کو رہا کر دیا جائے لیکن عیسائیوں کی درپردہ سرگرمیوں پر نظر رکھی جائے۔ گرجوں کو آگ لگا کر آپ بغاوت کی چنگاری کو نہیں بجھا سکتے۔ ٹھنڈے مزاج سے سوچیں۔"

کچھ دیر بحث مباحثہ ہوتا رہا۔ یحییٰ بن یحییٰ عیسائیوں کا ساتھی تو نہیں

تھا لیکن اُس کے اپنے مفادات تھے اس لئے وہ اِن کے مطابق بات کر رہا تھا۔ زریاب بظاہر عبدالرحمٰن کا بھی خواہ تھا لیکن وہ عیسائیوں کا آدمی تھا۔ عبدالرحمٰن ان دونوں سے متاثر تھا اس لئے اُس نے اپنے فیصلے پر ان کے مشورے غالب کر لئے اور حکم دیا کہ دونوں قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔

قرطبہ کے گرجوں کے گھڑیال بج رہے تھے۔ بعض کی آواز بھاری تھی بعض کی ہلکی۔ وہ ایک ہی سُر اور تال پر جیسے منظم ہو گئے تھے۔ یہ ان کے بجنے کا کوئی وقت نہیں تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی خطرہ بڑھتا چلا آ رہا ہو۔

"کیا ہو گیا ہے ان لوگوں کو" — عبدالرحمٰن نے پوچھا — "معلوم ہوتا ہے جیسے ان پر کوئی آفت آ پڑی ہو۔"

"یہ آفت کیا کم ہے کہ ان کے ایک قدیم گرجے کو آگ لگا دی گئی ہے" — زریاب نے کہا — "یہ ماتمی گھڑیال ہیں۔ ہم کسی کو رونے سے نہیں روک سکتے شاہِ اُندلس! آپ پریشان نہ ہوں۔ میں انہیں سنبھال لوں گا۔"

*

یہ قدیم گرجا پہاڑی پر تھا۔ رات اس کے شعلے قرطبہ کے لوگوں نے دیکھے تھے۔ یہی لوگ تھے جنہیں حضرت عیسیٰؑ کا ظہور دکھایا گیا اور پیغام سنایا گیا تھا جس میں حضرت عیسیٰؑ نے تباہی اور بربادی کی خبر دی تھی۔ رات کو جو لوگ حضرت عیسیٰؑ کا ظہور دیکھنے گئے تھے وہ دُور نیچے کھڑے تھے۔

جب گرجے کو آگ لگی تو ان میں ایسی بھگدڑ مچی کہ کئی آدمی گرے اور اندھا دھند بھاگے اور ہجوم کے قدموں تلے کچلے گئے۔ ہجوم خوف زدہ تھا۔ اس نے سارے شہر میں خوف پھیلا دیا — اور دوسرے دن نہ صرف شہر میں بلکہ مضافات میں بھی بڑی ڈراؤنی افواہیں پھیل گئیں۔

پیغام میں کہا گیا تھا کہ گرجوں میں جاؤ۔ وہاں سے تمہیں راہنمائی ملے گی۔ گرجوں کے گھڑیال بج رہے تھے اور عیسائی گرجوں کو دوڑے جا رہے تھے۔

"...... اور تم نے اپنا مذہب ترک کر دیا" — ہر گرجے میں اسی قسم کے الفاظ گونج رہے تھے۔ ہر پادری کا وعظ یہی تھا — "آج تمہارے اُس گرجے کو مسلمانوں نے آگ لگا دی ہے جہاں خدا کے بیٹے کا ظہور ہوا تھا۔ اُسے یہی گرجا عزیز تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ تم اپنے دشمن کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گے۔"

اور کسی گرجے سے یہ آواز اُٹھ رہی تھی — "یسوع مسیح اپنے اس گرجے کو آگ لگا کر ہمیشہ کے لئے چلے گئے ہیں جس میں وہ راتوں کو آکر عبادت کیا کرتے تھے۔"

گرجوں کے گھڑیال مسلسل بج رہے تھے جیسے یہ اب ہمیشہ بجتے ہی رہیں گے۔ عبدالرحمٰن کا محل جیسے اس "ڈن۔ ڈنا۔ ڈن" سے جھوم رہا تھا۔ عبدالرحمٰن اپنے دربار میں داخل ہوا تو اُسے ایسے لگا جیسے گرجوں کے گھڑیالوں کی آوازیں پہلے سے زیادہ بلند ہو گئی ہوں۔

"بند کروا انہیں" — عبدالرحمٰن نے گرج کر کہا — "ہم اپنا فیصلہ دے چکے ہیں۔"

شاہِ اُندلس کے حکم کی تعمیل کرنے کو درباری دوڑ پڑے۔ باہر گھوڑے دوڑنے کی آوازیں سنائی دیں اور کچھ دیر بعد گھڑیال خاموش ہو گئے۔

"گھڑیال خاموش ہو گئے ہیں شاہِ اُندلس!" — عبدالرحمٰن کو کسی نے اطلاع دی۔

"ہاں ہاں" — عبدالرحمٰن نے خشمگیں ہو کے کہا — "میرے کان ہیں"

"مگر آپ اس طوفان کو کس طرح خاموش کریں گے جو کلیسا سے اُٹھ رہا ہے؟" — وزیر حاجب عبدالکریم نے کہا جو اپنے رُتبے کے مطابق عبدالرحمٰن کے قریب بیٹھا تھا — "آپ اس انسانی آواز کو کس طرح خاموش کریں گے جو گرجوں سے اُٹھ رہی ہے؟ ... امیرِ اُندلس! میں ابھی ابھی شہیدوں کو دفن کر کے آیا ہوں ..."

"شہید ... شہید ..." — عبدالرحمٰن نے جھنجھلا کر کہا — "عبدالکریم! کوئی اور بات بھی کیا کرو ... کچھ سوچنے دو۔ مجھے کچھ سوچنے دو" — وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور درباریوں اور وزیر کو حیران و ششدر چھوڑ کر اندر چلا گیا۔

شام کو عبدالرحمٰن کو روزمرّہ کی طرح دن بھر کی خبریں سنائی جانے لگیں — یہ خبریں سنانے والے دو آدمی تھے لیکن وہ براہِ راست عبدالرحمٰن سے بات نہیں کر سکتے تھے۔ ایک درباری حاکم تھا جو ان مخبروں سے

خبریں سُنتا تھا اور عبدالرحمٰن تک صرف وہ باتیں پہنچاتا جو اس کے لیے خوشگوار ہوتی تھیں۔ جب سے زریاب نے دربار پر اپنا اثر و رسوخ قائم کر لیا تھا، روزمرّہ کی خبریں عبدالرحمٰن تک پہنچنے سے پہلے وہ بھی سُنتا اور ہدایت جاری کرتا تھا کہ کون کون سی بات شاہِ اُندلس تک پہنچے اور کون سی حذف کر لی جائے۔

"لوگ خلیفہ کا نام تک نہیں جانتے" — عبدالرحمٰن کو اُس شام دن بھر کی رپورٹیں دینے والے نے کہا — "لوگ صرف شاہِ اُندلس کو جانتے پہچانتے ہیں۔"

"کیا کہیں سے بغاوت کی بُو آتی ہے؟" — عبدالرحمٰن نے پوچھا۔

"بغاوت؟" — خبریں سنانے والے نے حیران ہو کے جواب دیا — "کیسی بغاوت؟ کیا مسلمان کیا عیسائی، حضور کے نام کے سجدے کرتے ہیں۔ بغاوت کی کون سوچ سکتا ہے؟"

اُسے ہر شام ایسی ہی خبریں سنائی جاتی تھیں جن میں اُسے خُدا سے بعد کا درجہ دیا جاتا تھا۔ وہ رعایا کو خوشامدی مشیروں کی آنکھوں سے دیکھتا تھا اور انہی کے کانوں سے باہر کی آوازیں سُنتا تھا۔ انہی لوگوں نے اسے امیرِ اُندلس سے شاہِ اُندلس بنایا تھا، اور اُس روز جب ایک گرجے کے کھنڈر کی آگ کی چنگاریاں اُڑتی ہوئی ہر ایک گرجے میں جا پہنچیں اور بغاوت کی چنگاریاں بن رہی تھیں، شاہِ اُندلس کو یہ اطلاع دی گئی کہ سب خیریت ہے اور رعایا اُس کے نام کے سجدے کرتی ہے۔ اُندلس کے اس حکمران

کو جو عالم اور فاضل تھا اور جو قانون اور منطق میں قطع و برید اور ترمیم کرنے کی اہلیت اور فہم و فراست بھی رکھتا تھا اور جس کی تلوار اور جنگی قیادت سے شاہ لوئی اور الفانسو دوم جیسے جنگجو اور طاقتور حکمران بھی ڈرتے تھے، وہ امیرِ اندلس خوشامدیوں اور مفاد پرستوں کے طلسماتی الفاظ سے اتنا متاثر ہوا کہ اسے احساس نہ رہا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اور جو کچھ کر رہا ہے اور جو کچھ اس سے کہلوایا اور کروایا جا رہا ہے وہ تاریخ ہے اور آگے چل کر اسے تاریخِ اسلام بننا ہے۔

تاریخ تازیانۂ عبرت بھی ہوتی ہے مشعلِ راہ بھی۔ آنے والی نسلیں اس سے گمراہ بھی ہوتی ہیں اور اس سے منزل کے نشان بھی پا لیتی ہیں۔ بھٹک جانے کا یا منزل کے نشان پا لینے کا انحصار اس پر ہے کہ اباؤ اجداد نے تاریخ کے ساتھ جھوٹ بولا ہے یا وہ حق پرست رہے ہیں جس قوم کی تاریخ میں خوشامدیوں اور غدّاروں کا عمل دخل رہا ہو، اس کے اوراق جھوٹ کے حامل ہوتے ہیں۔ انسان انسان کو خودستائی کا عادی بنا سکتا ہے۔ انسان انسان کو بادشاہ بنا سکتا ہے مگر تاریخ کا ردِ عمل بڑا خوفناک ہوتا ہے۔

ہندوستان میں مغلوں نے اور اندلس میں بنی اُمیّہ نے جو تاریخ بنائی وہ درباریوں نے لکھی جس پر ہم آج بھی فخر کرتے ہیں۔ اِدھر تاج محل اور شاہی مسجدوں کو اور اُدھر الحمرا اور مسجد قرطبہ کو دیکھ کر ہم اپنے اوپر جھوٹا وجد طاری کر لیتے ہیں مگر کم ہی غور کرتے ہیں کہ انہیں زوال کیوں آیا اور سلطنتِ

اسلامیہ سکڑتی سمٹتی کیوں چلی گئی۔

یہ کارنامہ خوشامدیوں اور غدّاروں کا ہے جنہوں نے حکمرانوں کی عقل پر پردے ڈال دیئے اور جب وہ مر گئے تو اُن پر عالیشان مقبرے تعمیر کر دیئے۔ اُندلس کی تاریخ کے ایک ایک ورق اور ایک ایک لفظ پر غور کریں تو محسوس ہوگا کہ آج ہم صدیوں بعد اسی تاریخ کو دوہرا رہے ہیں۔ خوشامدی مشیر اور ان کی سفارشوں پر بے دریغ انعام و اکرام اور خطروں سے چشم پوشی کا دَور ایک بار پھر آگیا ہے۔ قوم رعایا بن گئی ہے اور حاکم اور رعایا کا رشتہ ٹوٹ چکا ہے مگر حاکم اس نشے میں بدمست ہیں کہ لوگ ان کے نام کے سجدے کرتے ہیں۔

*

اُس شام عبدالرحمٰن کو جو خبریں سنائی گئیں ان میں گرجے کے جلنے کا اور عیسائیوں کے ردِ عمل کا ذکر تک نہ تھا۔ عبدالرحمٰن نے خود پوچھا کہ اس سلسلے میں کوئی خبر نہیں؟

"کوئی ایسی اہم بات نہیں ہوئی جو بیان کی جائے" ــــ اُسے جواب ملا۔

اُسے وزیر عبدالکریم اور سالار عبدالرؤف کے الفاظ یاد آ گئے جو اُنہوں نے اُسے اسی صبح کہے تھے ــــ "آپ آرام فرمائیں ہم زندہ ہیں۔ اسلام کو ہم زندہ رکھیں گے۔ اسلام کی پاسبانی ان شہیدوں کی روحیں کریں گی جن کی لاشیں آپ کے دروازے پر پڑی ہیں۔"

"اگر کوئی اہم بات نہیں ہوئی تو گرجوں کے گھڑیال کیوں بجتے رہے ہیں؟" — عبدالرحمٰن نے کہا — "تم نے ان شہیدوں کا ذکر نہیں کیا جنہیں آج دفن کیا گیا ہے۔ لوگ جنازے میں شریک ہوئے ہوں گے۔ لوگوں نے باتیں کی ہوں گی۔ اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہوگا۔"

"شاہِ اُندلس کے پاس اتنا وقت نہیں ہونا چاہئے کہ ذرا ذرا سی باتوں پر پریشان ہوں" — زریاب نے کہا — "ان کا تعلق جس شعبے کے ساتھ ہے اُسے یہ اطلاعیں پہنچا دی گئی ہیں۔ شاہِ اُندلس کو مطمئن رہنا چاہئے۔"

جس رات اُندلس کے حکمران کو یقین دلایا جا رہا تھا کہ ایسی کوئی بات نہیں کہ وہ پریشان ہو اس سے اگلی شام قرطبہ سے پچاس ساٹھ میل دُور تحریکِ مولدین کے بانی مبانی ایلوگیئس کو قرطبہ سے گئے ہوئے دو گھوڑ سوار بتا رہے تھے کہ انہوں نے قرطبہ کے قریب قدیم گرجے میں یسوع مسیح کے ظہور کا جو ناٹک شروع کیا تھا وہ ناکام ہو گیا ہے لیکن انجام ایسا ہوا ہے کہ اسی سے مقصد پورا کر لیا گیا ہے۔ اُنہوں نے ایلوگیئس کو تفصیل سے سنایا کہ رات کیا ہوا ہے اور گرجوں میں اس حادثے کو کس رنگ میں استعمال کیا گیا ہے۔ یہ وہی دو آدمی تھے جنہیں گرجے کے واقعہ میں گرفتار کیا گیا تھا اور عبدالرحمٰن نے انہیں رہا کر دیا تھا۔

"اگر تمہیں چھوڑ دیا گیا ہے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عبدالرحمٰن نے اس واقعہ کو کوئی اہمیت نہیں دی" — ایلوگیئس نے کہا — "حکومت کی کیا خبر ہے؟"

"آپ نے ٹھیک کہا ہے" — ایک عیسائی نے کہا — "وہ شاہِ اُندلس کے سامنے لے جانے سے پہلے ہمیں زریاب نے باہر آ کر بتا دیا تھا کہ ہم کیا کہیں۔ زریاب اور سلطانہ نے شاہِ اُندلس کا دماغ ہموار کر رکھا تھا۔ ہم نے مظلوم بن کر کہا کہ آپ کے حاکموں کے حکم سے ہمارے گرجے کو آگ لگائی گئی ہے۔"

"شاہِ اُندلس کے حرم کی دو عیسائی عورتوں نے ہمیں بتایا ہے کہ عبدالرحمٰن کا دماغ صاف کر دیا گیا ہے" — دوسرے عیسائی نے کہا — "اور وہ اس واقعہ کو کوئی اہمیت نہیں دے رہا۔"

"..... اور گرجوں میں عیسائیوں کا ہجوم جمع رہا" — ایک نے کہا — "ان لوگوں کو آگ کے بگولے بنا دیا گیا ہے۔"

"مَیں نے مسلمانوں پر بھی اس کا اثر دیکھا ہے" — دوسرے نے کہا — "بیشتر مسلمان تسلیم کر رہے ہیں کہ حضرت عیسٰیؑ کا ظہور ہوا ہے اور یہ آگ انہی کی بددعا سے لگی ہے۔"

"اس آگ کو ہم اب سرد نہیں ہونے دیں گے" — ایلوگیئس نے ساری بات سُن کر کہا — "تم واپس قرطبہ چلے جاؤ۔ میں مریدہ جا رہا ہوں"

وہ جس پادری کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا اُس نے ایلوگیئس سے پوچھا کہ وہ مریدہ کیوں جا رہا ہے، قرطبہ کیوں نہیں چلا جاتا۔ تحریک کی ابتدا بڑے اچھے طریقے سے ہو گئی ہے۔ اسے وہیں سے آگے بڑھایا جائے۔

"پورا اُندلس میری نگاہ میں ہے" — ایلوگیئس نے کہا — "اس

وقت مریدہ میں حالات ایسے ہیں کہ ایک چنگاری کی ضرورت ہے۔ اسی لئے میرا ساتھی ایلیارو وہاں گیا ہوا ہے۔ وہاں ایک مسلمان حاکم ایسا ہے جسے ہم بغاوت کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ میری کوشش یہ ہے کہ بغاوت کا الزام اپنے اوپر لینے کی بجائے بغاوت کا قائد کسی مسلمان کو بنایا جائے۔"

"کیا آپ کو کوئی ایسا مسلمان مل سکتا ہے جو اپنی حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھائے گا؟" — پادری نے پوچھا — "مجھے ڈر ہے کہ کوئی مسلمان آپ کا ساتھی بن کر آپ کو قید خانے تک پہنچا دے گا۔ آپ گئے تو تحریک یہیں ختم ہو جائے گی۔"

ایلوگیئس کے متعلق بتایا جا چکا ہے کہ زریاب کی طرح اسے بھی خدا نے ایسی فہم و فراست دی تھی جس تک اوسط درجہ انسان نہیں پہنچ سکتے۔ اس نے قرآن کا مطالعہ اتنی گہرائی میں کیا اور اسلام کے اسرار و رموز اس حد تک سمجھ لئے تھے جس حد تک مسلمانوں کے اپنے عالم بھی نہیں پہنچے ہوں گے۔ وہ برائے نام عیسائی رہ گیا تھا مگر اسے پمپلونہ کے ایک قدیم گرجے کے کھنڈرات سے ایک کتاب ملی جو کسی بڑے پادری کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی۔ اس قلمی کتاب میں اسلام اور رسولِ اکرم صلعم کے خلاف بے بنیاد باتیں اور من گھڑت واقعات ایسے پُر اثر انداز میں لکھے گئے تھے کہ ایلوگیئس کی ذات میں وہ عیسائی مذہب بیدار ہو گیا جسے قرآن اور اسلام کے مطالعہ نے دبا لیا تھا۔ ایلوگیئس اس قدر متاثر ہوا کہ اس کے دل

میں اسلام کی جو محبت پیدا ہو گئی تھی وہ نفرت اور حقارت بن گئی اور یہ شخص مسلمانوں کا جانی دشمن بن گیا۔

اس نے سب سے پہلے اس وقت کے ایک عیسائی عالم اور مبلغ سینٹ زولنیس کی شاگردی کی پھر اس سے بڑے مذہبی پیشوا ایبٹ سپرانڈیو کے سائے میں جا بیٹھا۔ وہ صرف مذہب کا عالم نہیں تھا بلکہ انسانی فطرت کی خوبیوں اور خامیوں، قوتوں اور دکھتی رگوں کو خوب سمجھتا تھا۔ زریاب جیسے دانشمند آدمی کو اس نے اپنا آلۂ کار بنا لیا تھا۔ قرطبہ میں یسوع مسیح کے ظہور کا ڈھونگ اسی کے دماغ کی اختراع تھی۔ وہ ہر صورتِ حال کو، خواہ صورتِ حال اسی کے خلاف ہی ہو اپنے حق میں استعمال کرنے کا ماہر تھا۔

اب وہ اپنے رچائے ہوئے ڈھونگ کی رپورٹ لے رہا تھا۔ اسے پادری نے کہا کہ وہ کسی مسلمان کو اعتماد میں نہ لے، کہیں ایسا نہ ہو کہ پھنس جائے۔

"عورت اور دولت میں وہ طاقت ہے کہ آپ کو مجبور کر سکتی ہے کہ آپ اپنی عبادت گاہ کو آگ لگا دیں"۔ ایلوگیئس نے کہا — "میں جتنا انجیلِ مقدس کا عالم ہوں اتنا ہی میں نے قرآن کو سمجھا ہے۔ ان دونوں کتابوں میں خدا نے انسان کو زر کی ہوس سے بچنے کا حکم دیا ہے اور کہا ہے کہ عورت جو دل کو اچھی لگے اس کے ساتھ شادی کر لو۔ بغیر شادی کے کسی عورت کے ساتھ تعلقات پیدا کرنے کی سزا موت ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ بدکاری کا ارتکاب کرنے والے مرد اور عورت کو سنگسار کر دو۔

انجیل نے بھی ایسا ہی حکم دیا ہے . . . کیوں؟ اتنی سخت سزا کیوں مقرر کی گئی ہے؟ اس لئے کہ ایک خوبصورت عورت ایک ملک اور ایک قوم کو اتنا نقصان پہنچا سکتی ہے جتنا پوری فوج بھی نہیں پہنچا سکتی . . . .

"عورت ایک خمار ہے، ایک نشہ ہے، ایک سحر ہے جس نے بڑے بڑے جابر جنگجوؤں کو مسحور کر کے انہیں شاہ سے گدا بنا دیا ہے۔ اس سے زیادہ خطرناک نشہ زر و جواہرات اور تخت و تاج کا ہے۔ کسی بھی انسان کو حکومت کا لالچ دے دو تو اس کے لئے وہ اپنی بیٹیوں کو نیلام کر دے گا، جھوٹ بولے گا۔ اپنے مذہب کو اور اپنے خدا کو دھوکہ دینے کی کوشش کرے گا۔ ایک طرف وہ خزانے کا منہ کھول دے گا۔ دوسری طرف قید خانے کا منہ کھول دے گا۔ کسی کو انعام و اکرام سے مالا مال کر کے اپنا حامی بنائے گا اور کسی کو قید خانے میں بند کر کے اپنے تخت کو محفوظ کرے گا۔"

"پھر بھی مجھے ڈر ہے کہ آپ دھوکہ کھائیں گے"۔ پادری نے کہا۔ "بعض اٹل اصول اور فلسفے بھی ناکام ہو جایا کرتے ہیں۔"

"اگر عبدالرحمٰن جیسا ذی ہوش اور پکا مومن عورت کے طلسم میں گرفتار ہو کر بے بس ہو سکتا ہے تو دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں جسے ہم مسحور کر کے اپنا آلۂ کار نہ بنا سکیں"۔ ایلوگیئس نے کہا۔ "میں اب آپ کی زبان سے یہ الفاظ نہیں سننا چاہتا کہ میں جو کہہ رہا ہوں اور جو کر رہا ہوں یہ گناہ ہے۔ میری یہ سرگرمیاں اپنے مذہب اور اس سرزمین کے تقدس کے لئے ہیں۔ اپنے وطن اور اپنے مذہب کی خاطر جھوٹ بولنے کو میں

جائز سمجھتا ہوں۔ اسے نیکی سمجھتا ہوں۔ مجھے حکومت نہیں چاہئے۔ مجھے شہرت نہیں چاہئے۔ میں نے اپنی ذات کو مار ڈالا ہے۔ میں مسلمانوں کے شاہی خاندان اور ان کے بڑے بڑے حاکموں میں یہ رجحان پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ وہ اپنی اپنی ذات کو زندہ رکھیں۔ بظاہر ان میں اتحاد ہے لیکن اندر سے وہ ایک دوسرے کے دشمن ہوں۔ کسی قوم کو تباہ کرنا ہو تو اسے افراد میں تقسیم کر دو . . .

"ایسا آدمی مریدہ کا محمد بن عبدالجبار ہے جو کسی وقت دیانتدار حاکم ہوا کرتا تھا مگر اب وہ بادشاہی کے خواب دیکھ رہا ہے۔ میں اسے اپنی مٹھی میں لینے جا رہا ہوں۔ ہمارے آدمی کچھ عرصے سے اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اسے اپنے سانچے میں ڈھال لیا ہے۔"

*

محمد بن عبدالجبار اندلس کے امیر عبدالرحمٰن ثانی بن الحکم اول کے دورِ حکومت (۸۲۲ تا ۸۵۲ء) میں ایک تاریخی شخصیت بن گیا تھا لیکن اس کی اچھی نہیں بہت بری شہرت پائی تھی۔ عبدالرحمٰن کے باپ الحکم کے زمانے میں سرکاری اخراجات اتنے بڑھ گئے تھے کہ رعایا پر اضافی ٹیکس عائد کر دیئے گئے۔ عبدالرحمٰن کے زمانے میں خزانہ خالی ہوتا جا رہا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ فوج کو چونکہ آئے دن کی بغاوتیں فرو کرنے اور سرحدوں پر دشمن کے حملوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر وقت کوچ کی حالت میں یا میدانِ جنگ میں رہنا پڑتا ہے اس لئے اخراجات بہت بڑھ گئے ہیں۔ حقیقت یہ تھی کہ

محل کے اخراجات بڑھ گئے تھے۔ زریاب، سلطانہ اور امیرِ اندلس کی
داشتائیں سفید ہاتھی بنی ہوئی تھیں۔ خود عبدالرحمٰن نے خوشامدیوں کو ذرا ذرا
سی بات پر بے دریغ انعام دینے کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ زریاب اور
سلطانہ جسے چاہتے اور جتنا چاہتے انعام دلا دیتے تھے۔

ان ٹیکسوں کا زیادہ تر بوجھ مریدہ کے باشندوں پر ڈالا گیا تھا۔ مریدہ
اندلس کے ایک صوبے کی حیثیت رکھتا تھا جہاں آج کے گورنر کے عہدے
کا ایک حاکم تھا۔ ٹیکس، مالیہ اور لگان وغیرہ وصول کرنے کے لئے عمّال
مقرر تھے۔ مریدہ کے عمّالوں کا حاکم محمد بن عبدالجبّار تھا۔ اسے اکثر وہاں
کے دیہاتی علاقے میں جانا پڑتا تھا۔ وہ دیانت دار حاکم تھا اور وصولیوں
میں سختی برتا کرتا تھا۔ اس وجہ سے لوگ اُس سے ڈرتے اور اس کی بہت
عزّت کرتے تھے۔

اُس نے سرکاری اہلکاروں کے علاوہ دیہات کے چند ایسے آدمی
اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھے جو لڑاکے، غنڈے اور جرائم پیشہ تھے۔
یہ گروہ ٹیکس وغیرہ وصول کرنے میں محمد بن عبدالجبّار کی بہت مدد کرتا تھا۔
یہ گروہ انعام کا حق دار تھا لیکن محمد بن عبدالجبّار انہیں ٹیکسوں کی رقم میں
سے انعام نہیں دے سکتا تھا۔ اس گروہ کے سرغنہ نے اس کا ایک حل
نکال لیا۔ یہ تھا رہزنی۔ سرغنہ نے اسے کہا کہ وہ کبھی کبھار کوئی قافلہ
لُوٹ لیا کریں گے اور وہ اسے انعام سمجھیں گے کہ نشاندہی ہو جانے پر
انہیں گرفتاری سے بچایا جائے۔

ان کے بغیر محمد بن عبدالجبّار کا کام نہیں چلتا تھا۔ اس نے ایک حد
مقرر کر دی کہ اس سے زیادہ مال نہ لُوٹا جائے۔ گروہ نے سودا منظور کر لیا۔
ان لوگوں نے کچھ روز بعد ایک قافلہ لُوٹا اور ٹُوٹی ہوئی ایک تلوار محمد بن عبدالجبّار
کو تحفے کے طور پر دی جس کے دستے میں بڑے قیمتی پتھر اور موتی جڑے
ہوئے تھے۔ اس سے ڈیڑھ دو ماہ بعد اس گروہ نے رہزنی کی ایک اور
واردات کی اور بڑے قیمتی دو ہیرے محمد بن عبدالجبّار کو پیش کئے۔ اس
طرح یہ گروہ آئے دن اُسے کوئی نہ کوئی قیمتی چیز پیش کرتا۔ وہ ہر تحفہ
بلا جھجک قبول کر لیتا تھا۔

*

یہ سلسلہ چلتا رہا۔ محمد بن عبدالجبّار رہزنوں کے تحفے قبول کرتا رہا
لیکن اُس نے وصول کئے ہوئے ٹیکس کی رقم میں کبھی بددیانتی نہ کی۔
ایک روز وہ مریدہ شہر سے کچھ دُور دیہاتی علاقے میں مالیہ وصول کرنے
کے لئے گیا۔ اُسے دو چار روز وہیں قیام کرنا تھا۔ رات کو رہزنوں کے
گروہ کا سرغنہ اس کی قیام گاہ میں آیا۔ اس کے ساتھ دو بڑی ہی خوبصورت
لڑکیاں تھیں۔ سرغنہ نے اسے بتایا کہ یہ بھی تحفہ ہے۔ اس گروہ نے ان
لڑکیوں کو ایک قافلے سے اغوا کیا تھا۔

محمد بن عبدالجبّار نے یہ تحفہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

"آپ ان میں سے ایک رکھ لیں"۔ سرغنہ نے کہا۔ "دونوں کو رکھنا
چاہیں تو دونوں کو رکھ لیں۔"

"میں رہزنی کے مال میں سے جو تحفے قبول کر تا رہا ہوں یہ بھی گناہ تھا" — محمد بن عبد الجبار نے کہا — "لیکن میں اس گناہِ کبیرہ کا مرتکب نہیں ہوں گا۔ لے جاؤ انہیں۔"

ایک لڑکی اس کے پاؤں میں گر پڑی۔ دوسری بلک بلک کر رو رہی تھی۔

"آپ کا احسان ہوگا، ہمیں اپنے پاس رکھ لیں" — پاؤں میں گری ہوئی لڑکی نے روتے ہوئے کہا — "ہمیں ان درندوں اور وحشیوں سے بچائیں۔"

لڑکیوں نے دیکھ لیا کہ یہ شخص اخلاق اور کردار والا ہے۔ شاید یہ انہیں ان کے گھروں کو پہنچا دے گا۔

"آپ ہمیں آزاد نہ کریں تو ہم آپ کی بیویاں بننے کو تیار ہیں" — دوسری لڑکی نے کہا — "ہم کو ان سے آزاد کرائیں۔"

دونوں نے محمد بن عبد الجبار کی منت سماجت ایسے انداز سے کی کہ اس کا دل پسیج گیا۔

"میں یہ تحفہ قبول کر لیتا ہوں" — محمد بن عبد الجبار نے رہزنوں کے سرغنہ سے کہا — "اگر میں انہیں ان کے والدین تک پہنچا دوں تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔"

"شرط یہ ہے کہ یہ لڑکیاں ہمیں پکڑوا نہ دیں" — سرغنہ نے کہا۔

"تمہیں کوئی گرفتار نہیں کرے گا" — محمد بن عبد الجبار نے کہا —

م جاؤ۔ انہیں میرے پاس رہنے دو۔"

سرغنہ چلا گیا تو محمد بن عبد الجبار نے لڑکیوں سے کہا اب وہ محفوظ ہیں۔ رات کو انہیں دوسرے کمرے میں سلایا جائے گا اور وہ جب اپنے ام سے فارغ ہو جائے گا تو انہیں ان کے گھروں تک پہنچا دے گا۔

اُس نے دونوں کو الگ کمرے میں بھیج دیا اور انہیں کہا کہ وہ چاہیں ت کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر سکتی ہیں۔ دونوں اتنی خوبصورت تھیں محمد بن عبد الجبار کو اپنے دل پر زُہد اور تقویٰ کی سِل رکھنا پڑی۔ اُس نے ہی حسین لڑکیاں پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔

*

رات بہت گزُر گئی تھی۔ محمد بن عبد الجبار گہری نیند سویا ہوُا تھا۔ مرے کے کونے میں چھوٹی سی قندیل جل رہی تھی۔ اُس کی آنکھ کھُل گئی۔ سے کسی نے آہستہ آہستہ ہلا کر جگایا تھا۔ اُسے کون جگا سکتا تھا؟ . . . . وہ ہڑبڑا کر اُٹھا اور بڑی تیزی سے خنجر نکال لیا مگر قندیل کی مدھم سی روشنی میں اسے اپنے پلنگ کے قریب ایک لڑکی کھڑی نظر آئی۔

"کیوں آئی ہو یہاں؟"

"آپ کے احسان کا تھوڑا سا صِلہ دینے کے لئے" — لڑکی نے کہا — "اگر مجھے اپنے قابل نہیں سمجھتے تو مجھے بتائیں کہ میں آپ کا شکریہ س طرح ادا کروں" — وہ اُس کے پاس پلنگ پر بیٹھ گئی۔

"میں نے کوئی احسان نہیں کیا لڑکی!" — محمد بن عبد الجبار نے کہا —

"تم مجھے صلہ دینے کی بجائے مجھے پریشان کر رہی ہو۔ تم میری عاقبت خراب کرنے آئی ہو۔"

لڑکی نے اُس کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنی آنکھوں سے لگایا پھر چُوما اور اُس کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر دبایا۔ محمد بن عبد الجبار کی جوانی ڈھل چکی تھی۔ اُس کے جذبات میں وہ تپش نہیں رہی تھی جو کئی برس پہلے ہُوا کرتی تھی۔ مگر لڑکی نے اُسے پھر سے جوان کر دیا۔ رات کی تنہائی اور لڑکی کا یہ حسن اور لڑکی کی بیتابیاں۔ محمد بن عبد الجبار کے ذہن سے عاقبت نکل گئی۔

جب رات کے سیاہ پردے چاک ہوئے تو ایک زاہد اور پارسا پر کسی اور ہی دُنیا کے دروازے کھُل چکے تھے۔ یہ دُنیا اُسے اُس عاقبت سے جو اُس کے تصوروں میں تھی، زیادہ حسین نظر آئی۔ اُسے وہاں دو تین دن رُکنا تھا مگر دس بارہ دن رُکا رہا۔ اُسے آخر واپس جانا تھا مگر وہ لڑکیوں کو ساتھ لے جانے سے گھبراتا تھا۔ اُس نے لڑکیوں کو وہیں رہنے دیا اور گروہ کے سرغنہ سے کہا کہ انہیں آرام اور احترام سے رکھا جائے اور وہ آتا رہے گا ___ اور وہ چلا گیا۔

اب ان لڑکیوں کا رکھوالا رہزنوں کا وہی سرغنہ تھا جس نے انہیں اس کے بیان کے مطابق ایک قافلے سے اغوا کیا تھا۔ اُس نے لڑکیوں کے لئے دو نوکرانیوں کا انتظام کر دیا۔ محمد بن عبد الجبار کے جانے کے بعد سرغنہ لڑکیوں کے پاس گیا۔

"معلوم ہوتا ہے تم کامیاب ہو گئی ہو" ___ سرغنہ نے لڑکیوں سے کہا۔

"تم تو کہتے تھے کہ یہ شخص پتھر ہے" ___ ایک لڑکی نے کہا ___ "لیکن اس نے موم ہوتے کوئی وقت نہیں لیا۔"

گناہ کا ایک دروازہ کھُلا تو محمد بن عبد الجبار کے آگے دروازے کھلتے ہی چلے گئے۔ گناہ کے راستے میں ایک جھجک حائل ہوتی ہے جو پارساؤں کے لئے ایک پہاڑ ہوتی ہے مگر انسانی فطرت کی کمزوریاں اس پہاڑ کو ایک جھٹکے ریزہ ریزہ کر دیتی ہیں۔ تب انسان ایک سرخوشی سے سرشار ہوتا ہے کہ یہ تو ایک خیالی پہاڑ تھا۔

محمد بن عبد الجبار جس نے سلطنتِ اُندلس کے خزانے کو ٹیکس وغیرہ کی جائز رقم سے بھرنا اپنا ایمان بنا رکھا تھا تحریک مُولدین کے ایک بڑے ہی حسین جال میں آگیا۔ اُس نے ایک ایسے گناہ کا خمار اپنے اُوپر طاری کر لیا تھا جس سے ہر گناہ جنم لیتا ہے۔ وہ اکثر دورے پر نکلنے لگا اور ہر بار اسی گاؤں میں آجاتا جہاں اُس نے یہ دو لڑکیاں رکھی تھیں۔ لڑکیاں جو پہلے روز رو رہی تھیں، اب ہنستی اور خوش رہتی تھیں۔ وہ شہزادیاں بنتی چلی گئیں۔ پرانے زمانے کا خستہ سا مکان محل کی صورت اختیار کرنے لگا۔ اس میں شراب بھی آنے لگی اور تھوڑا ہی عرصہ بعد ناچنے گانے والیاں بھی آنے لگیں۔ اس شان و شوکت کے لئے دولت کی ضرورت تھی۔ محمد بن عبد الجبار نے ٹیکسوں کی رقم میں خیانت شروع کر دی۔ رہزنوں کے گروہ کی نفری بڑھتی گئی۔ محمد بن عبد الجبار

نے باقاعدہ حرم بنالیا اور وہ بے تاج بادشاہ بن گیا۔

*

اُسے بہت عرصہ بعد پتہ چلا کہ اُس کے گردِ جتنے لوگ جمع ہیں اور اُس کے غلام بنے ہوئے ہیں وہ سب عیسائی ہیں۔ ان میں مسلمان بھی تھے لیکن وہ سب نومسلم تھے جو بظاہر مسلمان اور اندر سے عیسائی تھے۔ انہیں باقاعدہ درپردہ ہدایات ملتی رہتی تھیں۔ محمد بن عبدالجبار کے ساتھ محافظوں کی جو ٹولی جایا کرتی تھی، وہ اس کی اپنی منتخب کی ہوئی ہوتی تھی۔ انہیں وہ خوب عیش کراتا تھا اور یہ محافظ اُس کی جان کی ہی نہیں اُس کے راز کی بھی حفاظت کیا کرتے تھے۔

ایک بار اس ٹولی میں ایک نیا محافظ شامل کر دیا گیا۔ اُس کے پرانے ساتھیوں نے اُسے پکا کر دیا کہ دورے پر جا کر وہ جو کچھ دیکھے اُس کا ذکر کسی سے نہ کرے اور اسے اس کا انعام ملے گا۔ اُس محافظ نے باہر جا کر جو کچھ دیکھا اُس سے اُس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ دورے کی پہلی رات رقص کی محفل جمی اور شراب چلی۔ اگلے روز محمد بن عبدالجبار نے باقاعدہ دربار منعقد کیا اور لوگوں کو دربار میں پیش کیا جانے لگا۔ اکثر لوگ یہ عرض کرنے حاضر ہوئے کہ ان کے پاس ٹیکس، مالیہ یا لگان کے لئے پیسے نہیں ہیں یا کم ہیں۔ محمد بن عبدالجبار ان کے فیصلے کرتا تھا اور یہ فیصلے ان لوگوں کے حق میں ہوتے تھے۔

محمد بن عبدالجبار جب واپس مریدہ گیا تو اس نئے محافظ نے اپنے

سالار کو بتا دیا کہ محمد بن عبدالجبار باہر جا کر کیا کرتا ہے۔ یہ تو پہلے ہی محسوس کیا جا رہا تھا کہ خزانے میں رقم خاصی کم آ رہی ہے۔ وصولیوں کے اگلے دورے پر محمد بن عبدالجبار کی دیہاتی قیام گاہ پر چھاپہ مارا گیا۔ اُسے گرفتار کیا گیا بلکہ ملازمت سے برطرف کر دیا گیا اور نیا حاکم مقرر کر دیا گیا۔ محمد بن عبدالجبار مریدہ واپس نہ گیا۔ رہزنوں کا گروہ اب ایک فوجی دستہ بن گیا تھا۔

محمد بن عبدالجبار نے رہزنوں کے سرداروں کو بلا کر یہ ہدایت جاری کی کہ تمام علاقے میں یہ خبر حکم کے رنگ میں پہنچا دی جائے کہ محمد بن عبدالجبار اب مریدہ کی بجائے یہیں رہا کرے گا اور مالیہ، لگان اور دیگر واجبات اس کے دفتر میں یہیں آکر ادا کئے جایا کریں۔ یہ تھا وہ موقع جب ایلوگیتس اسے پہلی بار ملا۔

"آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ اکیلے انسان ہیں" —— ایلوگیتس نے کہا —— "آپ کی کوئی حیثیت نہیں۔ آپ کو کسی بھی وقت قتل کیا جا سکتا ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ کو مریدہ کا امیر بنا دیا جائے اور مریدہ خود مختار ریاست بن جائے۔ آپ کی مدد عیسائی اور نومسلم کریں گے۔ یہ آپ کی فوج ہوگی۔ اگر آپ نے اپنی سرکاری پوزیشن بحال کرانے کے لئے ہمیں دھوکہ دیا تو آپ تصور میں نہیں لا سکتے کہ آپ کا انجام کیا ہوگا۔"

یہ مشورہ محمد بن عبدالجبار کے مطلب کا تھا۔ اُس نے ایلوگیتس کے ساتھ منصوبہ تیار کر لیا۔ عیسائیوں نے اُسے بادشاہ بنائے رکھا۔ ان کا

مقصد یہ تھا کہ بغاوت کی قیادت کسی مُسلمان کے ہاتھ میں ہو۔ وہ مُسلما
انہیں مل گیا۔

*

ٹیکس وغیرہ وصول کرنے کے لئے نئے عمّال اس علاقے میں گ
محمد بن عبد الجبّار پر سب سرکاری حکام لعنت بھیج کر اُسے دل سے اتار چ
تھے۔ اُسے ہر طرف اور مریدہ سے جلاوطن ہوئے کئی مہینے گزر گئے
محمد بن عبد الجبّار جس علاقے میں تھا اُس کے متعلق اطلاعیں مل رہی تھیں
کہ رہزنوں نے اپنی حکومت قائم کر رکھی ہے لیکن یہ کسی کو معلوم نہیں تھ
کہ ان کا بادشاہ محمد بن عبد الجبّار ہے۔

نئے عمّال کا حاکم اپنے دو تین سرکاری اہل کاروں اور دس بار
محافظوں کے ساتھ جب مریدہ سے چند میل دور پہاڑی علاقے میں پہنچ
ایک موڑ مڑتے وقت دائیں اور بائیں طرف کی چٹانوں سے تیروں ک
ایسی بوچھاڑ آئی کہ ان میں سے کوئی بھی بچ نہ سکا۔ تیر کھا کر جنہوں نے گھوڑو
کو پیچھے موڑ کر ایڑ لگائی انہیں زیادہ دُور نہ جانے دیا گیا۔ ان کی لاشیں ایک
گہرے کھنڈ میں پھینک کر کھڈ مٹی اور پتھروں سے بھر دیا گیا۔

ٹیکس وغیرہ کی وصولی محمد بن عبد الجبّار نے کی اور اُس نے ٹیکسو
میں بہت کمی کر دی۔ اس سے لوگوں میں وہ ہر دلعزیز ہو گیا۔ اُس نے
ہی قیام گاہ تبدیل کر لی۔ کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ وہ کہاں چلا گیا ہے۔ وہ پہا
علاقے میں چلا گیا تھا۔ تحریک مولّدین کے کارندوں نے اسے بڑی خو

سے چھپائے رکھا۔

اب قرطبہ کے قریب قدیم گرجے کے واقعہ کے بعد ایلوگیتس
اُسے ملنے جا رہا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کی فوج طاقت کتنی کچھ
ہو گئی ہے۔

اُسی روز سالار عبید اللہ بن عبد اللہ اپنی فوج کے ساتھ قرطبہ کو واپس
جا رہا تھا اور یہ اُس کا آخری پڑاؤ تھا۔ پڑاؤ سے تھوڑی دُور ایک آبادی
تھی۔ سالار عبید اللہ واپسی پر اِرد گرد کے حالات معلوم کرتا آ رہا تھا۔ اس پر
ایک قاتلانہ حملہ بھی ہوا تھا۔ اس پڑاؤ پر بھی اُس کے آدمی اِدھر اُدھر جاسوسی
کے لئے چلے گئے۔ وہ عام دیہاتیوں کے لباس میں جایا کرتے تھے۔ ان
میں جو دو آدمی آبادی میں گئے، اُنہوں نے واپس آکر عبید اللہ کو بتایا کہ
آبادی میں ایک مسجد ہے جس کا امام کوئی اور ہی درس دیتا ہے۔

عبید اللہ عشاء کی نماز کے لئے بھیس بدل کر اس مسجد میں چلا گیا۔ نماز
کے بعد نمازی گھروں کو جانے کی بجائے بیٹھے رہے۔ پتہ چلا کہ عشاء کے
بعد امام درس دیا کرتا ہے۔

”اور آج میں آپ لوگوں کو بتاؤں گا کہ جہاد کیا ہے“ — امام نے
درس شروع کیا — ”مُسلمان کے زندہ رہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اپنی
عاقبت کے لئے کچھ کرے۔ میدانِ جنگ میں لڑائی ہو یا مسجد میں عبادت،
ثواب ایک جیسا ہے اور اگلے جہان میں اس کا انجام بھی ایک ہی جیسا ملے گا۔
پھر کیوں اپنے اور دوسروں کے بچوں کو یتیم اور عورتوں کو بیوہ کیا جائے؟

ماز بھی جہاد ہے۔ میدانِ جنگ سے مسجد بہتر ہے۔"

اُس نے ایک آیت پڑھی۔ دو تین بے بنیاد احادیث سنائیں اور کہا کہ رسُول کریم (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی زندگی میں بھی کئی موقعے ایسے آئے کہ آپؐ نے لڑائی سے منہ پھیر لیا اور کئی کئی دن اور راتیں مسلسل نوافل ادا فرماتے رہے۔

"اُندلس کے یہ بادشاہ جو اُندلس کو اسلامی سلطنت کہتے ہیں اور آپ کو اسلام کے سبق دیتے ہیں بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں" — امام نے کہا — "وہ شراب پیتے اور عورتوں کو ننگا نچاتے ہیں۔ مسلمان کسی کا غلام نہیں۔ آپ سے جو مالیہ، لگان اور نہ جانے کیا کیا وصُول کیا جاتا ہے یہ سب رقم ان بادشاہوں کی عیاشی میں خرچ ہوتی ہے۔"

اس طرح وہ حکومت کے خلاف نفرت پھیلاتا رہا اور وہ دلائل کی جگہ آیاتِ قرآنی اور احادیث کے حوالے دیتا تھا۔

اس کا درس ختم ہُوا تو نمازی ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ عبیداللہ بیٹھا رہا۔ اس کے ساتھ دو کماندار تھے۔ امام نے ان سے پوچھا کہ وہ کیوں بیٹھے ہیں۔

"آپ کے درس نے اتنا متاثر کیا ہے کہ میں کچھ اور پوچھنا چاہتا ہوں" — عبیداللہ نے کہا۔

"ضرور پوچھو" — امام نے کہا اور پوچھا — "کہاں سے آئے ہو؟ پہلے تمہیں کبھی نہیں دیکھا۔"

"ہم مسافر ہیں" — عبیداللہ نے جواب دیا — "قرطبہ جا رہے ہیں۔ میں پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ اُندلس کے موجودہ بادشاہ کے خلاف ہم کیا کر سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ بادشاہ گناہ کر رہے ہیں اور وہ ہمارے پیٹ کاٹ کر عیش و عشرت کرتے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ ایسے بادشاہ کو تخت سے اُتارنا جہاد ہے تاکہ خُدا کے بندوں کو اس کی لوٹ کھسوٹ سے نجات ملے۔"

"پھر کبھی دن آؤ گے؟" — امام نے کہا — "میں تمہارے سوال کا جواب دُوں گا۔ مجھے ایک جگہ جانا ہے۔"

امام اُٹھ کھڑا ہُوا اور مسجد سے نکل گیا۔ عبیداللہ اور اس کے کماندار اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ آبادی میں وہ جس گلی میں مُڑتا عبیداللہ اُس کے پیچھے جاتا۔ آخر وہ رُک گیا اور عبیداللہ سے پوچھا کہ وہ لوگ اُس کا پیچھا کیوں کر رہے ہیں۔ عبیداللہ نے کہا کہ وہ اُس کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتے ہیں۔ امام چل پڑا۔ عبیداللہ بھی اُس کے پیچھے چل پڑا۔ امام بستی سے نکل گیا۔ عبیداللہ نے آگے جا کر اُسے روک لیا۔

"امام صاحب!" — اُس نے پوچھا — "آپ کہاں رہتے ہیں؟"

"میں اسی بستی میں رہتا ہُوں" — امام نے جواب دیا — "میں نے کہا تھا کہ میں باہر جا رہا ہُوں۔"

"چلئے" — عبیداللہ نے کہا — "اکٹھے چلتے ہیں، ساتھ رہے گا۔"

اُس نے ٹالنے کے لئے غصّے سے بات کی۔ عبیداللہ کے اشارے پر دونوں کمانداروں نے خنجر نکال لئے اور دونوں خنجروں کی نوکیں

اس کے دونوں پہلوؤں کے ساتھ لگا کر دبائیں۔

"ہمیں اپنے گھر لے چلو یا ہمارے ساتھ چلو" — عبیداللہ نے کہا — "اگر پس و پیش کرو گے تو میرے ساتھ فوج ہے۔ گاؤں کے گھر گھر کی تلاشی لوں گا۔ اس صورت میں تمہیں گھوڑے کے پیچھے باندھ کر گھوڑا دوڑا دوں گا۔"

*

وہ اسی بستی کے ایک الگ تھلگ مکان میں رہتا تھا جس کے متعلق بعد میں پتہ چلا کہ اس مکان میں کسی اور کو داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ وجہ یہ بتائی جاتی تھی کہ امام صاحب کے ہاں کچھ روحیں اور جنات درس لینے آتے ہیں عبیداللہ اور اس کے کماندار امام کو اس مکان میں لے گئے۔ سب سے پہلے دو بڑی خوبصورت اور جوان عورتیں نظر آئیں، پھر مکان کی تلاشی لی گئی تو ایک کمرہ باقاعدہ گرجا بنا ہوا تھا۔ اس میں صلیب بھی تھی، کنواری مریم اور یسوع مسیح کی تصویریں بھی تھیں اور وہاں عبادت کا وہی اہتمام موجود تھا جو کسی گرجے میں ہوا کرتا تھا۔ عبیداللہ کے پوچھنے پر امام نے بتایا کہ وہ چھ سات مہینوں سے اس مسجد میں درس دے رہا ہے۔

عبیداللہ نے اس کا عبادت کا سامان اٹھوایا، دونوں عورتوں کو ساتھ لیا اور انہیں اپنے ساتھ لے گیا۔ راستے میں امام نے عبیداللہ سے کہا کہ وہ دونوں عورتیں لے لے اور اسے جس قدر رقم چاہیئے منہ سے مانگے۔ اگلے ہی روز ادا کر دی جائے گی۔ اگر وہ تینوں چاہیں تو ان

عورتوں سے کہیں زیادہ حسین لڑکیاں انہیں ہمیشہ کے لئے دے دی جائیں گی۔

تاریک راستے میں دونوں عورتیں عبیداللہ اور کمانداروں سے لپٹ لپٹ جاتی تھیں۔ انہوں نے نسوانیت کو عریاں کر کے ہر جادو چلانے کی کوشش کی مگر عبیداللہ پتھر بنا رہا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے پڑاؤ میں پہنچ گئے۔ عبیداللہ انہیں اپنے خیمے میں لے گیا۔

"تم دونوں سن لو" — عبیداللہ نے دونوں عورتوں سے کہا — "تم ایک فوج کی خیمہ گاہ میں ہو۔ تم سے بہت کچھ پوچھا جائے گا۔ اگر تم نے جھوٹ بولا تو تمہیں سپاہیوں میں پھینک دیا جائے گا۔ یہ سب وحشی ہیں۔ درندے ہیں۔ تصور میں لاؤ اس اذیت کو جو تم برداشت بھی نہیں کر سکو گی اور مر بھی نہیں سکو گی۔"

"کیا آپ کو میری پیش کش قبول نہیں؟" — امام نے عبیداللہ سے پوچھا۔ اب اس کے لہجے میں التجا نہیں چیلنج تھا۔ انداز ایسا تھا جیسے دھمکی دے رہا ہو۔

"نہیں بدبخت!" — عبیداللہ نے کہا — "اب میں تمہیں زندگی کی پیش کش کرتا ہوں۔ سچ بولو گے تو زندگی پاؤ گے۔"

"سچ سنو گے؟" — امام نے کہا — "تمہاری سلطنت کا زوال شروع ہو چکا ہے۔ تم ہمیں بے غیرت کہو گے کہ ہم اپنی عورتوں کی عصمتیں استعمال کر رہے ہیں۔ کہہ لو جو کہنا ہے۔ ہم اسے بے غیرتی نہیں سمجھتے۔ ان عورتوں

کو الگ کر کے پوچھ لو کہ یہ اپنی خوشی سے ہماری تحریک میں شامل ہوئی ہیں یا انہیں کسی نے مجبور کیا ہے۔ ہم اپنے مذہب پر اپنا سب کچھ قربان کر رہے ہیں۔ ہم یہاں سے اسلام کو نکالیں گے۔ ہم نہیں تو ہماری اگلی نسل اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو جائے گی۔ ہم نے تمہارے لئے جو طوفان پیدا کر دیا ہے اس سے تم اب اپنی سلطنت کو بچا نہیں سکتے۔ ہم تمہیں کوئی جسمانی ضرب نہیں لگائیں گے۔ ہم تمہارے عقیدے بدل رہے ہیں، تمہارے نظریے بدل رہے ہیں۔"

"کیا تم اپنے گروہ کی نشاندہی کر دو گے؟"

"نہیں"۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ "ہمارے گروہ کو جان کر تم کیا کرو گے، اپنے گروہ کی طرف دھیان دو۔ تمہارے کئی امام مسجدوں میں لوگوں کو غلط تفسیریں سنا رہے ہیں۔ ان بیچاروں کو معلوم نہیں کہ انہوں نے جن کی شاگردی اختیار کی وہ مسلمان نہیں عیسائی تھے۔ اب تم مسجدوں میں یہی تفسیریں سنا کرو گے۔ کچھ تمہارے مذہب کو یہودیوں نے علماء اور اماموں کے بھیس میں مسخ کیا ہے باقی کسر مجھ جیسے امام پوری کر رہے ہیں۔۔۔۔ میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ تم سالار ہو۔ تمہاری عمر لڑائیوں میں گزری ہے۔ تم نے قرآن کی تلاوت کی ہو گی مگر اپنی مقدس کتاب کو تم نے سمجھا نہیں ہو گا۔ وہ میں نے سمجھا ہے۔ قرآن ایک مکمل کتاب ہے۔ اگر مسلمان قرآن سے راہنمائی لیتے رہتے تو آج اندلس کی سلطنت اس سمندر سے اس سمندر تک جہاں سورج غروب ہوتا ہے، پھیل چکی ہوتی

مگر یہ یہودیوں کا اور نصرانیوں کا کمال ہے کہ انہوں نے قرآن کو جادو اور تعویذوں کا مجموعہ بنا دیا اور پھر اس میں اختلاف پیدا کر کے ایک ایک آیت کی کئی کئی تفسیریں مشہور کر دیں۔"

سالار عبید اللہ خاموشی سے سن رہا تھا۔ اسے اب کچھ اور پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ لوگ مذہب میں تخریب کاری کر رہے تھے۔ وہ ہوشمند آدمی تھا۔ اس نے دونوں عورتوں کو اپنے ایک نائب کے حوالے کر دیا تھا کہ ان سے پوچھ گچھ کرے۔ اس نے خود اس عیسائی سے جو امام بنا ہوا تھا، کچھ اور باتیں معلوم کرنے کی بہت کوشش کی لیکن اس نے کوئی اور خاص بات نہ بتائی۔ عبید اللہ نے رات کے آخری پہر قرطبہ کی طرف کوچ کا حکم دے دیا۔ جعلی امام اور دونوں عورتوں کو وہ حراست میں ساتھ لے گیا۔

*

عبید اللہ بن عبداللہ اگلی رات قرطبہ میں داخل ہوا۔ قیدیوں کو اس حکم کے ساتھ قید خانے میں بھیج دیا کہ انہیں صبح اس کے پاس لایا جائے۔

وہ جب قرطبہ میں داخل ہوا تھا تو وزیر حاجب عبدالکریم، سالار عبدالرؤف، سالار موسیٰ بن موسیٰ اور فرتون اس کے استقبال کے لئے شہر کے دروازے کے باہر کھڑے تھے۔ فوج کی آمد کی اطلاع پہلے پہنچا دی گئی تھی۔ امیر اندلس نے استقبال کا پیغام بھیجا تھا۔

عبید اللہ بہت تھکا ہوا تھا لیکن وزیر اور سالاروں کو اپنے

ساتھ لے گیا۔ اس نے انہیں بتایا کہ کس طرح اُسے قتل کرنے کی کوشش کی گئی تھی مگر ایک گشتی جیش اتفاق سے واپس آرہا تھا۔ اُس نے دیکھ لیا اور اس کی جان بچ گئی۔ اُس نے سالاروں کو یہ بھی بتایا کہ وہ ایک عیسائی اور دو عورتوں کو قید کر کے لایا ہے جو اسلام اور قرآن میں تخریب کاری کر رہے تھے۔ اُس نے ان لڑائیوں کی پوری تفصیل سنائی جو وہ لڑ کر آیا تھا۔

"مگر معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی میدانِ جنگ میں لڑائی سے گریز کر رہے ہیں" — اُس نے کہا — "وہ ہم پر زمین کے نیچے سے وار کریں گے۔ میں نے واپسی میں بہت پڑاؤ کئے ہیں اور مخبروں، جاسوسوں اور گشتی جیشوں کے ذریعے اِردگرد دُور دُور تک کے علاقے کا جائزہ لیا ہے۔ مجھے جو خبریں اور اطلاعیں ملتی رہتی ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ اندر ہی اندر کوئی فتنہ پرورش پا رہا ہے میں نے سرحد کی لڑائیوں میں جو قیدی پکڑے تھے انہیں ساتھ لایا ہوں۔ ان میں دو تین اُونچے رتبے اور عہدے کے بھی ہیں۔ ان سے میں نے کچھ راز اگلوائے ہیں۔ اُنہوں نے بتایا ہے کہ فرانس کا بادشاہ لُوئی اُندلس میں بغاوت کو ہوا دے رہا ہے اور اس کی فوج یہاں کے عیسائیوں کے ساتھ مِل رہی ہے ....

"میں نے تین بار ایک شخص اُیلوگیئس اور ایلیارو کے نام سُنے ہیں۔ معلوم ہُوا ہے کہ یہ دونوں کٹّر عیسائی ہیں اور عالم بھی ہیں اور غیر معمولی ذہانت کے مالک بھی ہیں۔ یہ دونوں یہاں سازشوں اور تخریب کاری میں سرگرم ہیں۔ ہمیں ایک تو اپنے جاسُوسی کے نظام کو سارے ملک میں پھیلانا ہوگا۔ اطلاعیں پہنچانے کی رفتار بے حد تیز ہونی چاہیئے۔ فوج میں اضافہ کرنا پڑے گا اور دیہاتی علاقوں میں فوجی چوکیاں قائم کرنی پڑیں گی۔ مختصر یہ کہ میں اُندلس کو بہت بڑے خطرے میں دیکھ رہا ہوں۔"

"عبیداللہ بھائی!" — وزیر حاجب عبدالکریم نے پھیکی سی ہنسی ہنس کر کہا — "تم ابھی بہت کچھ دیکھو گے۔ تمہاری غیر حاضری میں یہاں حضرت عیسیٰؑ کے ظہور کا ناٹک کھیلا گیا ہے" — عبدالکریم نے اُسے گرجے کا تمام تر واقعہ اور اس کے خلاف اپنی کارروائی سُنا کر کہا — "ہمارے شاہ اُندلس نے ان مجرموں کو چھوڑ دیا اور شہیدوں کی لاشوں کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ ہم اس کی سرد مہری پر حیران رہ گئے۔"

"اور تم خاموش رہے؟"

"نہ بھائی!" — عبدالکریم نے کہا — "مَیں نے اور عبدالرؤف نے اُسے بہت کچھ کہا۔ اُسے شرمسار کیا اور ہم غصّے میں باہر نکل آئے۔"

"اُس پر زریاب اور سلطانہ چھا گئے ہیں" — سالار عبدالرؤف نے کہا — "وہ اب انہی کے دماغوں سے سوچتا ہے۔"

"دربار میں خوشامدیوں اور خوشامدی مشیروں کی حکومت چل رہی ہے" — سالار مُوسیٰ بن مُوسیٰ نے کہا — "اندھا دھند انعام و اکرام دیئے جا رہے ہیں۔"

"اُس کا علاج ایک ہی ہے" — سالار فرتُون نے کہا — "ان میں

سے کسی کو زندہ نہ رہنے دیا جائے، ورنہ اُندلس سے ہمیں بوریا بستر گول کرنا پڑے گا۔"

"نہیں" — سالار عبیداللہ نے کہا — "خون خرابے اور تختے اُلٹنے کے نتیجے عموماً اچھے نہیں ہوتے۔ خانہ جنگی کا خطرہ سر پر منڈلاتا رہتا ہے۔ اگر خانہ جنگی شروع ہو گئی تو دشمن اس آگ پر تیل ڈالتا رہے گا اور قوم آپس میں لڑ لڑ کر کمزور ہو جائے گی اور دشمن بڑے آرام سے ہماری سرحدوں کے اندر آجائے گا۔ اُس وقت ہم اُس کے مقابلے کے قابل نہیں رہ جائیں گے اگر ہم نے امیر کو قتل کر دیا تو رواج شروع ہو جائے گا کہ قتل کرو اور حکومت کرو۔"

"اس کا کچھ تو علاج سوچنا پڑے گا" — کسی سالار نے کہا۔

"اس کے سوا مجھے کوئی علاج نظر نہیں آتا کہ امیر اُندلس کو بیدار کریں" — عبیداللہ نے کہا — "وہ کوئی معمولی آدمی نہیں۔ اُس کی دانش اور فہم و فراست سے آپ سب واقف ہیں۔ اپنے باپ کے دورِ حکومت میں سلطنت کا کاروبار اُس کے ہاتھ میں رہا ہے۔ اُس نے لڑائیاں لڑیں اور لڑائی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اُندلس کو اس سے زیادہ قابل حکمران کوئی نہیں ملے گا۔"

"ہم کب تک انتظار کریں گے" — وزیر حاجب عبدالکریم نے کہا — "ہم اپنے آپ کو عبدالرحمٰن کے رنگ میں نہیں رنگ سکتے۔ ہمیں اپنے ایمان اور جذبۂ حریت کو زندہ رکھنا ہے۔ اسلام اجازت دیتا ہے کہ امیر بلکہ

خلیفہ بھی راہ سے بے راہرو ہو جائے تو اُسے ٹوک دو۔ اُسے روک دو۔ ہمیں اپنے اللہ کی خوشنودی چاہیئے، عبدالرحمٰن کی نہیں۔"

"میں صبح اُسے ملنے جا رہا ہوں" — عبیداللہ نے کہا — "میں اس جعلی امام اور اس کی عورتوں کو ساتھ لے جا رہا ہوں۔ اگر اُس نے میرے جذبے کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی تو میں آپ سب سے بات کروں گا اور مل کر کوئی رستہ نکالیں گے۔ مجھے فرانس کی طرف سے خطرہ نظر آرہا ہے۔ میں امیر اُندلس کو قائل کروں گا کہ پیشتر اس کے کہ فرانس کی طرف سے ہم پر حملہ ہو، ہم فرانس پر حملہ کر دیں۔ آپ سب سالار ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ دشمن تمہارے خلاف تیاری کر رہا ہو تو اُس پر فوراً حملہ کر دو۔ اُسے تیاری کی حالت میں پکڑو۔ ہمیں بڑے ہی سخت اقدام کرنے پڑیں گے۔ ہمیں اُندلس کو بچانا ہے۔ اسلام کا قلعہ مضبوط کرنا ہے۔"

*

سالارِ اعلیٰ عبیداللہ امیر اُندلس عبدالرحمٰن کے ملاقات کے کمرے میں بیٹھا اُسے اپنی کارگزاری سنا رہا تھا۔ اُس نے جو باتیں اور واقعات سالاروں کو سنائے تھے وہی عبدالرحمٰن کو بھی سنائے۔ گرجے کی آگ کے واقعہ کو کئی مہینے گزر گئے تھے۔

"امیر اُندلس!" — عبیداللہ نے کہا — "کیا آپ کو کسی نے نہیں بتایا کہ گرجوں میں تو حکومتِ اُندلس کے خلاف وعظ ہو رہے ہیں، مسجدوں میں بھی یہی زہر پھیلایا جا رہا ہے؟ میں ایک عیسائی اور اس کی دو عورتوں

کو گرفتار کر کے لایا ہوں۔ یہ شخص کئی مہینوں سے ایک مسجد میں امامت
کرا رہا تھا۔ میرے دو کمانداروں نے اس کا درس سنا جو وہ لوگوں کو مسجد
میں دیتا تھا۔ انہوں نے مجھے بتایا۔ میں بھیس بدل کر گیا اور میں نے بھی
اس کا درس سنا۔ ایک تو یہ قرآن کی غلط تفسیر بیان کر کے قرآن کی توہین
کر رہا تھا، دوسرے یہ کہ یہ شخص مسلمانوں کو گمراہ کر رہا تھا۔ میں نے اس
کے گھر کی تلاشی لی۔ وہاں ایک کمرے سے صلیب، انجیل، حضرت عیسےٰ
اور مریمؑ کی تصویریں اور یہ دو عورتیں برآمد ہوئیں۔ اس سے پوچھا تو اس
نے اعتراف کر لیا کہ یہ عیسائی ہے اور اسلام کا چہرہ مسخ کر رہا ہے۔"

"اسے میں سزا دوں گا عبید اللہ!" — عبدالرحمٰن نے کہا — "آپ کو
اتنا زیادہ حساس اور پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ ایک آدمی ہمارا کیا بگاڑ
سکتا ہے۔ اس کے ساتھ کی یہ عورتیں حکومتِ اندلس کا کیا بگاڑ
سکتی ہیں؟"

سالارِ اعلیٰ عبید اللہ بن عبد اللہ حیران رہ گیا کہ اندلس کے حکمران
کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کی حکومت کے خلاف ملک کے گوشے گوشے
سے کیا طوفان اٹھ رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ یہ ایک آدمی اور دو
عورتیں ہمارا کیا بگاڑ سکتی ہیں۔ عبید اللہ نے اسے گرجے کی آگ کا واقعہ
یاد دلایا تو عبدالرحمٰن نے کہا کہ وزیر عبدالکریم اور سالار عبدالرؤف نے
بڑی غلط کارروائی کی ہے کہ ایک گرجے کو آگ لگا دی ہے۔

"امیرِ اندلس!" — سالارِ اعلیٰ عبید اللہ نے حیران سا ہو کے کہا —

"معلوم ہوتا ہے میری غیر حاضری میں آپ کو اس سے بے خبر رکھا جاتا
رہا ہے کہ آپ کے اردگرد آپ ہی کے خلاف کیا ہو رہا ہے۔"

"میں ایک انسان ہوں" — عبدالرحمٰن نے ایسے لہجے میں کہا جس میں
شاہانہ جلال نہیں تھا۔ کوئی رعب داب نہیں تھا۔ کہنے لگا — "میں خود تو
سارے ملک کو نہیں دیکھ سکتا۔ مجھے جو کچھ بتایا جاتا ہے اسی کو میں سچ اور
صحیح سمجھتا ہوں۔"

عبدالرحمٰن کے سامنے ایک کاغذ پڑا تھا جس پر بڑی لمبی نظم لکھی تھی۔
عبید اللہ باتوں کے دوران یہ نظم دیکھتا رہا تھا۔ یہ کسی شاعر نے امیرِ اندلس
کی مدح میں لکھی تھی۔ عبید اللہ نے یہ نظم اٹھا لی۔

"امیرِ اندلس!" — عبید اللہ نے کہا — "اگر اندلس آپ کی ریاست
ہوتی اور میں آپ کا ذاتی ملازم ہوتا تو میں آپ کے حضور میں آکر پہلے جھکتا
پھر سجدہ کرتا پھر اسی قسم کی باتیں کرتا جیسی اس شاعر نے لکھی ہیں۔ آپ کے
کانوں میں جو کچھ ڈالا جاتا ہے اسے آپ سچ اور صحیح مان لیتے ہیں۔ کیوں؟...
امیرِ اندلس! مجھے بتائیے، ایسا کیوں ہو رہا ہے۔"

"عبید اللہ!" — عبدالرحمٰن نے کہا — "تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے آخر؟
عبدالکریم اور عبدالرؤف بھی مجھ سے ناراض لگتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں
وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں ان کے جذبے سے واقف ہوں، لیکن آپ
لوگ دربار کے آداب کو بھی بھولتے جا رہے ہیں۔"

"اور یہ ہے وہ زہر جو آپ اندلس کی رگوں میں اپنے ہاتھوں داخل

کر رہے ہیں"۔ سالارِ اعلیٰ عبید اللہ نے کہا۔ "ایک یہ کہ آپ خوشامد پسند ہو گئے ہیں۔ آپ نے ان شاعروں اور قلم کے فنکاروں کو اپنے دل و دماغ پر سوار کر لیا ہے جو آپ کی مدح سرائی کرتے ہیں۔ آپ کے کان اب صرف خوشامد قبول کرتے ہیں، اور دوسرا زہر یہ ہے جسے آپ دربار کے آداب کہتے ہیں۔ اسلام میں دربار صرف خدا کا ہوتا ہے جس میں ہم سب سجدہ ریز ہوتے ہیں ۔۔۔۔ امیرِ اُندلس! اپنے آپ کو خدا نہ بنائیں۔"

"کیا کہہ رہے ہو عبید اللہ!"۔ عبدالرحمٰن نے گرج کر کہا۔ "آپ مجھے فرعون بنا رہے ہیں؟"

*

عبید اللہ بن عبداللہ کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ کمرے میں زریاب داخل ہوا۔ سالارِ اعلیٰ عبید اللہ کو دیکھ کر وہ ٹھٹھک گیا۔ پھر بازو پھیلا کر عبید اللہ کی طرف بڑھا

"آخاہ ۔۔۔ فاتح سالارِ اعلیٰ عبید اللہ!"۔ زریاب نے آگے بڑھ کر عبید اللہ سے بغل گیر ہونا چاہا مگر عبید اللہ نے بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھا کر صرف مصافحہ کیا۔ زریاب نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "امیرِ اُندلس! ہم سالارِ اعلیٰ کی واپسی کا جشن منائیں گے۔ میرا پورا طائفہ وہ ناچ ناچے گا جو آسمان کے ستاروں کو مدہوش کر دے گا۔ میں وہ گیت سناؤں گا جو ابھی تک آپ کو بھی میں نے نہیں سنایا۔"

"ہاں ہاں زریاب!"۔ عبدالرحمٰن نے ایسے لہجے میں کہا جیسے وہ ڈوبتے ڈوبتے اُبھرا ہو۔ بڑے شگفتہ لہجے میں کہنے لگا۔ "میرا یہ شیر!

یہ عبید اللہ بن عبداللہ اتنا تھکا ہوا ہے کہ اس کا مزاج برہم ہو گیا ہے۔"

"کیسا جشن مناؤ گے زریاب؟"۔ سالارِ اعلیٰ عبید اللہ نے کہا۔ "اُن شہیدوں کی شہادت کا جشن مناؤ گے جن کے متعلق یہاں دربار میں کسی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ انہوں نے کیوں جانیں قربان کر دی ہیں؟"

اِتنے میں سُلطانہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس نے بھی زریاب کی طرح عبید اللہ کو دیکھ کر بے پناہ خوشی کا اظہار کیا اور اُس نے بھی جشن کی ہی بات کی۔ وہ عبدالرحمٰن کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔ عبید اللہ نے دیکھا کہ عبدالرحمٰن کا چہرہ جو اُس کی بات سے اُتر گیا تھا اور جس پر غصے کی سُرخی بھی آ گئی تھی، وہ چہرہ سُلطانہ کے لمس سے کھل اُٹھا۔ عبید اللہ کو جیسے آگ لگ گئی ہو مگر اس نے غصے پر قابو پا لیا۔

"امیرِ اُندلس!"۔ اُس نے تحمل سے کہا۔ "میدانِ جنگ میں مرنے والوں کا جشن منانے سے پہلے میں آپ کے ساتھ تنہائی میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

عبید اللہ کا دماغ حاضر تھا۔ وہ زریاب اور سُلطانہ کی اس چال کو سمجھ گیا تھا۔ اسے عبدالکریم اور عبدالرؤف نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ یہ دونوں امیرِ اُندلس کو اکیلا نہیں رہنے دیتے۔ جب کوئی سالار یا اعلیٰ حاکم اس کے پاس جاتا ہے تو یہ دونوں پہنچ جاتے ہیں اور امیرِ اُندلس کے کان بند کر دیتے ہیں۔ تاریخوں میں یہ شہادت موجود ہے کہ اُندلس کا ایوانِ حکومت ان روایتی بادشاہوں والا دربار بن گیا تھا جن کے سامنے

کوئی قومی اور مذہبی مقصد نہیں ہوتا تھا۔ امیرِ اُندلس اور اُس وقت تک جتنے امراءِ اُندلس ہو گزرے تھے وہ اسلامی طرزِ حکومت یعنی خلافت کے نمائندے تھے مگر انہوں نے دربار بنا لئے تھے۔ انہیں باہر کی کوئی صحیح رپورٹ نہیں دی جاتی تھی۔ انہیں خوشامدیوں نے اپنے نرغے میں لے لیا تھا۔ یہ امراء باتیں تو اسلام ہی کی کرتے تھے مگر ان کی ہر حرکت اور ہر عمل غیر اسلامی تھا۔

عبید اللہ نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ وہ اس کے ساتھ تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہے تو عبدالرحمٰن کا چہرہ ایک بار پھر لٹک گیا۔ اس پر ان کے درمیان کچھ ترش کلامی ہو گئی۔

"مجھے حکم دیں کہ میں چلا جاؤں"۔۔۔ سالار عبید اللہ بن عبداللہ نے کہا۔۔۔ "لیکن میں آپ کو یہ بتا دیتا ہوں کہ میں آپ کے دربار سے چلا جاؤں گا، اُندلس سے نہیں جاؤں گا۔ اور میں آپ کو یہ تاثر دے کر نہیں جاؤں گا کہ اُندلس آپ کی ملکیت اور آپ کی ریاست ہے۔ جب تک مجھ میں اور میرے ساتھی کمانداروں میں حریت کا جذبہ موجود ہے اُندلس کو کسی کی ذاتی جاگیر نہیں بننے دیا جائے گا"۔

"میں آپ کی بات سُن رہا ہوں عبید اللہ!"۔۔۔ عبدالرحمٰن نے کہا۔۔۔ "زریاب اور سلطانہ کے سامنے بات کرنے میں کوئی حرج نہیں"۔

"میں ان دونوں کے منہ پر کہہ رہا ہوں کہ ایک درباری گوّیے اور حرم کی ایک حسین عورت کو اگر آپ سلطنت کے نازک اور خفیہ امور میں شریک کریں گے تو آپ رہیں گے نہ اُندلس"۔۔۔ سالار عبید اللہ نے کہا۔۔۔

"اگر آپ بادشاہ نہ ہوتے تو یہ آپ کی صورت بھی نہ دیکھتے۔ اگر یہ شخص موسیقار نہ ہوتا اور یہ عورت اتنی حسین نہ ہوتی تو آپ انہیں نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھتے۔ ان میں یہی جادو ہے۔۔۔۔ ایک کے پاس موسیقی کا دوسرے کے پاس حُسن اور ناز و ادا کا۔۔۔ یہی جادو ہے جس کے اثر سے آپ انہیں قابلِ اعتماد سمجھتے ہیں"۔

زریاب اور سلطانہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور آنکھوں آنکھوں میں اشارہ کر کے وہ ایسے انداز سے وہاں سے چلے گئے جس میں غصہ اور احتجاج تھا۔ عبدالرحمٰن نے یُوں چونک کر ان دونوں کو دیکھا جیسے وہ تڑپ اُٹھا ہو۔ اُس نے عبید اللہ کو خشمگیں نگاہوں سے دیکھا۔

"عبید اللہ!"۔۔۔ اُس نے تنک مزاجی کے لہجے میں کہا۔۔۔ "آپ چاہتے کیا ہیں؟ آپ لوگ کیوں بھول جاتے ہیں کہ میں امیرِ اُندلس ہوں جسے تاریخ شاہِ اُندلس کے نام سے یاد کیا کرے گی۔ میری ایک ذاتی زندگی بھی ہے۔ اس میں آپ کیوں مخل ہوتے ہیں؟"

"اس لئے کہ خدا نے آپ کو سلطنتِ اسلامیہ کے ایک خطے کا امیر بنایا ہے"۔۔۔ عبید اللہ نے کہا۔۔۔ "اور امیر کی کوئی ذاتی زندگی نہیں ہوتی۔ امیر اس مسند پر بیٹھ کر جس پر آپ بیٹھے ہیں عیش و عشرت نہیں کر سکتا۔ وہ امارت کے خرچ پر گوّیے اور خوبصورت عورتیں نہیں پال سکتا۔ وہ جشن نہیں منا سکتا۔ اگر اُسے ذاتی زندگی عزیز ہے تو اس ایوان سے نِکل جائے"۔

"عبیداللہ!" ــــ عبدالرحمٰن نے کہا ــــ "مطلب کی بات کرو۔"

"اس ذہنی کیفیت میں جو آپ نے پیدا کر دی ہے، میرے مطلب کی بات نہیں ہو سکتی" ــــ عبیداللہ نے کہا ــــ "میں جنگ کی بات کروں گا۔ کیا آپ فرانس پر حملے کی بات سُنیں گے؟ کیا آپ اس بغاوت کی بات سُنیں گے جو آپ کے اِردگرد سَر اُٹھا رہی ہے؟ کیا آپ اُس خون کی بات سُنیں گے جو اُندلس کی سرزمین مانگ رہی ہے؟"

امیرِ اُندلس کا مزاج کچھ زیادہ ہی برہم ہو گیا تھا۔ وہ آخر بادشاہ تھا، اُٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ فیصلہ مجھے کرنا ہے کہ فوج کو کہاں اور کیسے استعمال کرنا ہے" ــــ عبدالرحمٰن نے کہا ــــ "میں کسی سالار کو اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ من مانی کرے۔ آپ اپنے ماتحت سالاروں سے کہہ دیں کہ میں کسی وقت سب کو بلاؤں گا اور صورتِ حال سے آگاہ کروں گا۔"

"صورتِ حال ایسی ہے کہ آپ کو اسی وقت فیصلہ کرنا ہے" ــــ عبیداللہ نے کہا ــــ "میں سالارِ اعلیٰ ہوں۔ اپنے سالاروں کو میں بتاؤں گا کہ صورتِ حال کیا ہے اور ہمیں فوراً حرکت میں آنا ہے۔"

"میرے حکم کے بغیر فوج کوئی حرکت نہیں کرے گی" ــــ عبدالرحمٰن نے کہا۔

"امیرِ اُندلس!" ــــ عبیداللہ نے اطمینان سے اور دھیمی آواز میں کہا ــــ "آپ مسلمانوں کی تاریخ کو دُہرا رہے ہیں۔ محمد بن قاسم نے ہندوستان

کے کفرستان میں اللہ اور رسول کا پیغام پہنچا دیا تھا اور اسلام پھیلتا جا رہا تھا مگر اُس وقت کا خلیفہ سلیمان بن عبدالملک جل اُٹھا کہ قوم خلیفہ سے نگاہیں پھیر کر ایک سالار کے گیت گانے لگی ہے۔ اُس نے محمد بن قاسم کو واپس بلا کر قید میں ڈال دیا اور اسے گمنامی کی موت مارا۔"

"میرے دل میں ایسا کوئی حسد نہیں۔"

"اور اُندلس کی تاریخ آپ کے ذہن سے اُتری نہیں ہو گی" ــــ عبیداللہ نے عبدالرحمٰن کی بات کاٹتے ہوئے کہا ــــ "ساحل پر پہنچ کر کشتیاں جلا دینے والے طارق نے جب اُندلس فتح کر لیا تو سالارِ اعلیٰ موسیٰ کے دل میں یہی حسد پیدا ہو گیا تھا۔ وہ طارقؒ کے ساتھ تھا۔ طارق بڑھتا جا رہا تھا۔ موسیٰ نے اسے نہ صرف روک لیا بلکہ سرزنش کی کہ وہ اس کے حکم کے بغیر اتنی دُور کیوں نکل گیا ہے۔ اس نے طارق سے کمان لے لی تھی مگر طارق نے اسے یقین دلا دیا کہ حکم موسیٰ کا ہی چلے گا۔ آخر ان میں مصالحت ہو گئی اور دونوں فرانس کی سرحد تک جا پہنچے۔"

"مجھے یاد ہے عبیداللہ!" ــــ عبدالرحمٰن نے کہا ــــ "یہ ہمارے باپ دادا کی باتیں ہیں، مجھے سب یاد ہیں۔"

"آپ کو کچھ بھی یاد نہیں رہا" ــــ سالارِ اعلیٰ عبیداللہ نے کہا ــــ "میں آپ کو یاد دلا رہا ہوں کہ آپ کے آباؤ اجداد نے کیسی کیسی لغزشیں کی تھیں۔ ... اور جب موسیٰ اور طارق فرانس کی سرحد پر پہنچ گئے تو خلیفہ ولید بن عبدالملک کا حکم آ گیا کہ دونوں واپس آ جائیں۔ مزید پیشقدمی کی ضرورت

نہیں۔ اُسے بھی اپنی خلافت خطرے میں نظر آنے لگی تھی۔ موسیٰ نے کہا
کہ وہ واپس نہیں جائے گا مگر طارق نے کہا کہ وہ خلافت کی حکم عدولی کا گناہ
نہیں کرے گا۔ وہ واپس چلا گیا، پھر موسیٰ کو بھی جانا پڑا۔"

"پھر مَیں جانتا ہوں کیا ہُوا تھا ابنِ عبداللہ!" — عبدالرحمٰن نے جھنجھلا
کر کہا — "خلیفہ نے موسیٰ کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا تھا اور طارق گمنامی
کی موت مر گیا تھا۔"

امیرِ اُندلس عبدالرحمٰن کی حالت اب یہ ہو گئی تھی جیسے وہ اپنے
سالارِ اعلیٰ عبیداللہ کے آگے ہتھیار ڈالنے پر اُتر آیا ہو۔ سالارِ اعلیٰ اُسے
اُس کے آباؤ اجداد کی تاریخ سُنا رہا تھا۔ اُس کے سُنانے کے انداز میں
ایک تو حقیقت تھی جو کڑوی تھی اور وہ جذباتی لہجے میں بول رہا تھا۔ اس
جذباتیت میں غصہ بھی تھا مگر غصّے میں احتجاج نہیں عزم تھا۔ عبیداللہ اُسے
طعنے نہیں دے رہا تھا۔ اُس کا پُرعزم انداز بتا رہا تھا کہ امیرِ اُندلس کچھ
نہیں کرے گا تو وہ اُندلس کو بچانے کے لیے خود جنگی کارروائی کرے گا۔

عبدالرحمٰن نے اسے خاموش کرانے کی بہت کوشش کی لیکن
وہ خود اُس کے جذبات اور پُرعزم غصّے میں بہہ گیا۔ اُس کی امارت اور
بادشاہت اور اُس کی شخصیت عبیداللہ کی شخصیت میں تحلیل ہونے لگی۔
عبیداللہ اسے بنی اُمیّہ کے خلیفوں کی کارستانیاں سُنا رہا تھا۔ عبدالرحمٰن
بنی اُمیّہ کا ہی چشم و چراغ تھا۔ عبیداللہ اُسے سُناتا چلا گیا۔ وہ اسے
کوئی افسانہ نہیں سُنا رہا تھا۔ یہ اُس دَور کی خلافت کی اور اُندلس

کی تاریخ ہے ——— یہی تاریخ ہم تک پہنچی ہے اور اسی تاریخ سے
ہم چشم پوشی کرتے آج کے زوال تک پہنچے ہیں۔

"امیرِ اُندلس!" — عبیداللہ نے کہا — "آپ کہتے ہیں کہ موسیٰ
کے ساتھ خلیفہ نے بہت بُرا سلوک کیا تھا۔ یہ کہنا کافی نہیں۔ موسیٰ اور طارق
جب دمشق سے ابھی دُور تھے تو خلیفہ بن عبدالملک کا بھائی سلیمان انہیں
دمشق سے دُور آ کر ملا اور انہیں کہا کہ خلیفہ بسترِ مرگ پر پڑا ہے۔ چند دِنوں
میں مر جائے گا اس لیے وہ ابھی دمشق میں داخل نہ ہوں۔ اُس کے بعد خلافت
کی گدّی کے امیدوار ایک سے زیادہ تھے۔ ان میں سلیمان بھی تھا۔ وہ موسیٰ
اور طارق کو اپنے ساتھ مِلا کر یعنی فوج کو اپنے ساتھ مِلا کر خلافت کی گدّی
پر قبضہ کرنا چاہتا تھا....

"موسیٰ نے اُسے کہا کہ مجھے خلافت کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں
نہ مجھے نہ طارق کو خلیفہ بننا ہے۔ ہمیں واپسی کا حکم ملا ہے۔ ہم آ گئے ہیں
ہم خلیفۂ وقت کے پاس جائیں گے خواہ ان کے جنازے میں ہی شریک
ہونا پڑے۔ سلیمان نے موسیٰ کو منوانے کی بہت کوشش کی۔ آخر موسیٰ
نے یہ جواب دے کر اُسے خاموش کر دیا کہ سالار کو سیاست کے ساتھ
دلچسپی نہیں رکھنی چاہیئے نہ میں فوج کو سیاست میں دخل انداز ہونے دوں
گا۔ یہ سُن کر سلیمان خفا ہُوا اور چلا گیا....

"موسیٰ اور طارق ولید کے سامنے پیش ہُوئے اور بے شمار
تحائف اور نقد رقم اُس کے آگے رکھ دی۔ ولید صحت یاب ہو چکا تھا۔

وہ تو خوش ہو گیا لیکن اُس کا بھائی سلیمان جل بھن گیا۔ پھر یُوں ہُوا کہ چالیس دِنوں بعد ولید بن عبدالملک مر گیا اور خلافت کی گدّی سلیمان کو مل گئی۔ اُس نے مُوسیٰ سے وہ انتقام لیا جو بنی اُمیّہ کی تاریخ کو ہمیشہ شرمسار کرتا رہے گا۔ اُس نے مُوسیٰ کے خلاف اپنے آدمی مقرر کر کے تحقیقات کرائی اور اس کے خلاف چند ایک شرمناک اور بے بُنیاد الزامات ثابت کر دیئے اور اُس پر اتنا کثیر جرمانہ عائد کر دیا جو وہ ادا نہیں کر سکتا تھا۔"

ایک انگریز مؤرّخ سکاٹ لکھتا ہے کہ سلیمان نے سالار موسیٰ پر دو لاکھ دینار جُرمانہ عائد کر دیا بعض نے یہ رقم ایک لاکھ پچاس ہزار دینار لکھی ہے

"ایک سالار اتنی رقم کہاں سے ادا کر سکتا تھا؟" ــــ عبیداللہ کہہ رہا تھا ــــ "مگر سلیمان اپنے مخالف سے بڑا ہی ظالمانہ انتقام لینے کا تہیّہ کر چکا تھا۔ اُس نے موسیٰ کے ساتھ یہ سلوک کیا کہ تپتی ہُوئی ریت میں لکڑی کا ایک ستُون گاڑا اور مُوسیٰ کو اس کے ساتھ باندھ دیا۔۔۔۔ امیرِ اُندلس! کیا آپ کو معلوم ہے اُس وقت مُوسیٰ کی عمر کیا تھی؟۔۔۔۔ اَسّی برس کی عمر میں اُس نے طارق کے ساتھ اُندلس فتح کیا تھا۔۔۔۔

"اس کا انعام اُسے یہ مِلا کہ اس عمر میں اُسے کئی روز دھوپ میں تپتی ہوئی ریت پر باندھ کر کھڑا رکھا گیا اور پھر اُسے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ کیا آپ کو معلوم ہے امیرِ اُندلس، کہ مُوسیٰ کا ایک جوان بیٹا عبدالعزیز بھی سالار تھا؟ خلیفہ سلیمان کو یہ ڈر تھا کہ یہ بیٹا اپنے باپ کا انتقام نہ لے۔ اُس نے عبدالعزیز کو دو قبائلی عربوں سے اُس وقت قتل کرایا

جب وہ اپنی فوج کو نمازِ فجر کی امامت کرا رہا تھا؟ تاریخ سے آپ یہ سیاہی کس طرح کھُرچ سکیں گے کہ عبدالعزیز نے سُورۂ فاتحہ ختم کر کے سُورۂ واقعہ کی تلاوت شروع کی تھی کہ سلیمان کے بھیجے ہُوئے دو قبائلی عربوں نے اُسے قتل کر دیا۔۔۔۔

"اور سلیمان نے اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ عبدالعزیز کا سَر اُس کے باپ مُوسیٰ کو قید خانے میں پیش کیا۔ مُوسیٰ نے بیٹے کا سَر دیکھا تو آہ بھری اور کہا کہ بدبخت نے اس انسان کو قتل کرا دیا ہے جو دِن کو جہاد اور رات کو عبادت کیا کرتا تھا۔۔۔۔ مُوسیٰ نے اَسّی برس کی عمر میں یہ صدمہ بھی سہہ لیا۔۔۔۔

"۹۷ ہجری کا حج یاد کرو امیرِ اُندلس! جب سلیمان حج کے لئے گیا تھا۔ وہ مُوسیٰ کو پابہ زنجیر اپنے ساتھ لے گیا تھا اور اُسے اُن بدّو بھکاریوں میں کھڑا کر دیا جو حاجیوں سے بھیک مانگا کرتے تھے۔ سلیمان نے اسے کہا کہ بھیک مانگو، جرمانہ ادا کرو اور آزاد ہو جاؤ۔ اس سال حاجی بہت خوش تھے۔ وہ ایک دوسرے کو مبارک دیتے تھے کہ سلطنتِ اسلامیہ میں اُندلس کا اضافہ ہو گیا ہے مگر کسی کو معلوم نہ تھا کہ فاتح اندلس بھکاریوں میں پابہ زنجیر پڑا ہے۔ آخر خدا کو ہی اس پر رحم آیا اور وہ مدینہ منوّرہ میں اللہ کو پیارا ہو گیا۔۔۔۔ اور طارق بن زیاد گمنام ہو کر اس دنیا سے گیا۔ خلیفہ سلیمان نے اُسے کسی بھی جنگ میں جانے سے روک دیا تھا۔"

عبدالرحمٰن اُٹھ کھڑا ہُوا تھا اور وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہل

رہا تھا۔

"خُدا کے قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش نہ کریں امیرِ اندلس" — عبیداللہ نے کہا — "آپ چاہیں تو میرے ساتھ وہی سلوک کر سکتے ہیں جو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے محمد بن قاسم، سپہ سالار موسیٰ اور سپہ سالار طارق بن زیاد کے ساتھ کیا تھا لیکن میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ میں اور میرا کوئی بھی سالار حق کی آواز سے اور حق کے راستے سے ہٹے گا نہیں میں آپ کو خبردار کرتا ہوں کہ آپ کا انجام بڑا ہی بھیانک ہوگا۔"

عبیداللہ بن عبداللہ اُٹھا اور باہر نکل گیا۔ عبدالرحمٰن کمرے میں کھڑا اُس دروازے کی طرف دیکھتا رہا جس میں سے اس کا سالارِ اعلیٰ عبیداللہ بن عبداللہ نکل گیا تھا۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے وہ احمق نہیں عالم تھا۔ دانشمند تھا۔ جتنی مہارت نظامِ سلطنت کے امور میں رکھتا تھا اتنا ہی ماہرِ فنِ حرب و ضرب کا تھا۔ عبیداللہ نے اس کے وہ تار چھیڑ دیئے تھے جنہیں زریاب اور سُلطانہ خاموش رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ بیٹھ گیا اور اُس نے سر جھکا کر ایک ہاتھ پیشانی کے نیچے رکھ لیا۔

*

اُس نے کندھے پر کسی کے ہاتھ کا ہلکا سا بوجھ محسوس کیا۔ سر اُٹھا کے دیکھا۔ وہ مدثرہ تھی۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ مدثرہ اُس کی کنیز ہوا کرتی تھی۔ وہ سُلطانہ سے زیادہ نہیں تو اُس جیسی ہی خوبصورت تھی۔ وہ نازک اندام تھی اور اُس کی زبان میں بچوں کی سی معصومیت تھی۔ عبدالرحمٰن

کو وہ اتنی اچھی لگی کہ اُس نے مدثرہ کے ساتھ باقاعدہ شادی کر لی تھی۔

عبدالرحمٰن کو سُلطانہ کی شوخیاں، چنچل پن اور اُس کے ناز و انداز اچھے لگتے تھے اور اس کے ساتھ ہی اسے مدثرہ کی سادگی اور معصومیت سے پیار تھا۔

"کیا آپ ہار گئے ہیں؟" — مدثرہ نے پوچھا — "کیا آپ وہ عبدالرحمٰن نہیں رہے جس نے اپنے باپ الحکم کے دورِ حکومت میں سرحد پر کئی بار فرانسیسیوں کو خون میں نہلایا تھا؟ کیا آپ وہ عبدالرحمٰن نہیں رہے جس نے شارلیمان صلیبی کو بڑی تھوڑی نفری سے شکستِ فاش دی تھی۔ شارلیمان نے جب اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لئے طرطوشہ کا محاصرہ کیا تھا تو اتنا مضبوط اور اتنا بھرپور محاصرہ کس نے توڑا تھا؟ عبدالرحمٰن نے۔ آپ نے۔"

عبدالرحمٰن نے اُسے نظر بھر کر دیکھا۔ اُسے سیدھی سادی اور معصوم سی مدثرہ اچھی لگی۔ مدثرہ گھومی اور تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ عبدالرحمٰن خاموش بیٹھا رہا مگر اُس کے اندر ایک طوفان اُٹھ رہا تھا۔ مدثرہ گئی اور واپس آ گئی۔ اُس کے ہاتھ میں تلوار تھی جو نیام میں تھی۔ اُس نے تلوار نیام سے نکالی اور نیام اتنی زور سے ایک طرف پھینکی کہ دروازے سے باہر جا پڑی۔ مدثرہ نے تلوار عبدالرحمٰن کے منہ کے قریب کر دی۔

"اسے سُونگھیں" — اُس نے کہا — "اسے دیکھیں۔ آپ کو اُن کفار کے خون کی بُو آئے گی جنہیں اس تلوار نے اللہ اور رسولؐ کے

نام پر کاٹا تھا۔ اس تلوار کی چمک میں آپ کو کفر کے وہ قلعے نظر آئیں گے جو اس تلوار نے سر کیے تھے۔ یہ تلوار کند نہیں ہوئی اسے زنگ نہیں لگا۔ آپ نے سر جھکا کیوں لیا ہے؟"

"تم نے نہیں سنا کہ یہ شخص مجھے کیا کچھ کہہ گیا ہے" — عبدالرحمٰن نے کہا۔

"ایک شیر کو جگانے کے لیے اور اُسے کچھار سے باہر لانے کے لیے اُس کی کچھار کے آگے آگ جلانی پڑتی ہے" — مدثرہ نے کہا — "میں نے ایک ایک لفظ سنا ہے جو سالارِ اعلیٰ نے آپ سے کہا ہے۔ میں آپ کو اپنی محبت کا واسطہ نہیں دے سکتی کیونکہ آپ نے محبت ایک سے زیادہ عورتوں میں تقسیم کر رکھی ہے۔ میں آپ کو ان دو بچوں کا واسطہ دے سکتی ہوں جنہیں میں نے جنم دیا ہے۔ ان بچوں کو اور ان کے بچوں کو سامنے رکھیں۔ انہیں وہ روایت دیں جو آپ کے آباؤ اجداد نہیں دے سکے۔ بنی امیہ سالاروں اور فاتحینِ اسلام کے قاتل کہلاتے ہیں۔ آپ ان کی روایت کو نہ دہرائیں۔"

مدثرہ نے تلوار اُس کی گود میں رکھ دی اور اُس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

"لیکن وہ چاہتا کیا ہے" — عبدالرحمٰن نے بیدار ہو کر کہا — "میرے پاس جو سالار آتا ہے ٹیڑھی ٹیڑھی باتیں کر کے چلا جاتا ہے۔"

"گوتھ ایک طاقت بنتے جا رہے ہیں" — مدثرہ نے کہا — "فرانس

کا شاہ لوئی انہیں مدد دے رہا ہے ... آپ کے اپنے صوبے مریدہ میں بغاوت کی چنگاری سلگ رہی ہے۔"

"تمہیں یہ باتیں کس نے بتائی ہیں؟"

"انہوں نے جن کی باتیں آپ سننا نہیں چاہتے" — مدثرہ نے جواب دیا۔

"اور مجھ سے یہ باتیں چھپا کون رہا ہے؟"

"میں اس سوال کا جواب نہیں دوں گی" — مدثرہ نے کہا — "ورنہ آپ مجھ پر رقابت اور حسد کا الزام لگائیں گے۔ آپ کہیں یہ نہ کہہ دیں کہ مدثرہ تم آخر کنیز ہی رہیں اور تم بڑے چھوٹے دل اور دماغ کی عورت ہو۔ میں آپ کو امارت کی بلندی سے گھسیٹ کر اس غلیظ پستی میں نہیں پھینکنا چاہتی۔ آپ کے دل میں محبت صرف اس تلوار کی ہونی چاہیے۔"

عبدالرحمٰن نے تلوار ہاتھ میں لے لی اور کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔ مدثرہ خاموش کھڑی بلکتی رہی۔ عبدالرحمٰن کے چہرے کا تاثر بدلتا گیا۔ وہ اچانک اُٹھ کھڑا ہوا اور اُس نے دربان کو آواز دی۔ دربان دوڑا آیا۔

"سپہ سالارِ اعلیٰ سے کہو کہ اپنے تمام سالاروں اور نائب سالاروں کو ساتھ لے کر فوراً میرے پاس آ جائے" — عبدالرحمٰن نے حکم دیا اور تلوار مدثرہ کو دے کر کہا — "تم جاؤ۔"

*

جب تمام سالار اُس کے سامنے گئے تو عبدالرحمٰن بدلے ہوئے روپ میں تھا۔ وہ کمرے میں ایسے انداز سے ٹہل رہا تھا جیسے ایک فاتح سالار چلا کرتا ہے۔ اُس نے سالاروں کا سامنا کیا۔ اُس کی آنکھوں میں کوئی ایسی چمک پیدا ہوگئی تھی کہ سالاروں پر اُس کا رعب طاری ہوگیا۔

"سالارِ اعلیٰ عبیداللہ!"۔۔۔ اُس نے کہا۔۔۔ "مجھے اُس سرحد کی صحیح کیفیت بتائیں جو فرانس سے ملتی ہے اور مجھے بتائیں کہ ملک کے اندر کیا ہو رہا ہے اور یہ بھی بتائیں کہ فرانس پر حملہ کرنے میں کیا دشواریاں ہیں"

"عزم کرلیں تو کوئی دشواری نہیں"۔۔۔ عبیداللہ نے کہا۔۔۔ "حقائق اور احوال وکوائف کو دیکھا جائے تو ہمیں چند دن تیاری کے لئے درکار ہیں"

عبیداللہ نے عبدالرحمٰن کو تفصیل سے سُنایا کہ اُندلس کو باہر سے اور اندر سے کِن خطروں کا سامنا ہے۔ دوسرے سالاروں نے بھی بہت سی معلومات دیں اور جب یہ ساری کیفیت سُن کر عبدالرحمٰن نے بات کی تو سب پر حیرت کا سناٹا طاری ہوگیا۔

"ہم فرانس پر حملہ کریں گے"۔۔۔ عبدالرحمٰن نے کہا۔۔۔ "جہاں فتنہ پرورش پا رہا ہے ہم اُس جگہ کو تباہ و برباد کردیں گے"

سالاروں کا سناٹا مسکراہٹوں نے توڑ دیا۔ وہ سب مردانِ حُر تھے۔ وہ بھی حکم سُننے کو بیتاب تھے۔ عبدالرحمٰن نے انہیں حملے کا منصوبہ بتانا شروع کردیا۔

"جو دستے کوچ اور لڑائی کے لئے تیار ہیں، ان میں کچھ دستے سالار

وسیٰ بن موسیٰ کی کمان میں کل صبح گوتھک مارچ کی طرف کوچ کرجائیں گے"

عبد الرحمٰن نے کہا۔۔۔ "کچھ دستے سالار عبدالرؤف کی کمان میں فرانس کی سرحد کی طرف کوچ کرجائیں گے۔ موسیٰ بن موسیٰ گوتھک مارچ پر حملہ ریں گے اور عبدالرؤف سرحد پر اس طریقے سے چھوٹے چھوٹے حملے ریں گے جن سے یہ ظاہر ہو کہ یہ کارروائی سرحد تک ہی محدود رہے گی۔ یں خود آپ کے پیچھے پیچھے آؤں گا۔ میرے ساتھ عبیداللہ، عبدالکریم ور فرتون کے دستے ہوں گے۔ میں ان کے ساتھ فرانس پر بہت تیز حملہ روں گا پھر تمام دستے میرے دائیں اور بائیں آگر فرانس کی فتح مکمل کریں گے۔ اُس سے فارغ ہوکر ہم اندرونی سازشوں کی طرف توجہ دیں گے۔ سب سے پہلے ضروری ہے کہ جس ملک سے اِن سازشوں کو شہ اور مدد مل رہی ہے اُسے تہہ تیغ کرلیا جائے۔ میں اس جنگ کو فیصلہ کن بنانا چاہتا ہوں"

سالاروں نے اس منصوبے کو پسند کیا۔ کچھ مشورے دیئے۔ کچھ ترمیمیں ہوئیں اور ایک ایسا جنگی منصوبہ تیار ہوگیا جس سے فرانس کا سلطنتِ اسلامیہ یں شامل ہو جانا یقینی نظر آنے لگا۔

*

پھر فوج عبدالرحمٰن کی تقسیم کے مطابق کوچ کرگئی۔ ہدف تک پہنچنے کے لئے کم و بیش بیس دن درکار تھے۔ سالار موسیٰ بن موسیٰ اور سالارِ بدالرؤف کے دستے پہلے روانہ ہوگئے اور دو روز کے وقفے سے بدالرحمٰن اپنے دستوں کے ساتھ کوچ کرگیا۔

جب یہ ساری فوج قرطبہ سے کوچ کر رہی تھی، اُس وقت ایک گھوڑ سوار دُور سرپٹ گھوڑا دوڑائے جا رہا تھا۔ اُس کا رُخ مریدہ کی طرف تھا۔ زریاب، سُلطانہ اور عبدالرحمٰن کی پسندیدہ عورتیں ایک چٹان پر کھڑی فوج کو دُور ہی دُور ہٹتا دیکھ رہی تھیں۔ شہر کے ہزاروں لوگ فوج کو خدا حافظ کہنے نکل آئے تھے۔

"کیا وہ آدمی بروقت پہنچ جائے گا؟"— سُلطانہ نے زریاب سے پُوچھا۔

"وقت سے پہلے پہنچ جائے گا"— زریاب نے کہا۔

"عبدالرحمٰن کو اس حملے کے لئے آمادہ کرنے میں مدثرہ کا بھی ہاتھ ہے"— سُلطانہ نے کہا— "عبدالرحمٰن ابھی تک اس کا اثر قبول کرتا ہے۔ مدثرہ کو میں زندہ نہیں رہنے دُوں گی۔"

"سوچ کر کچھ کریں گے سُلطانہ!"— زریاب نے کہا— "محل میں کوئی ایسی حرکت نہ کرنا جس سے عبدالرحمٰن کو شک ہو جائے۔ تم شاید ابھی تک نہیں سمجھیں کہ عبدالرحمٰن کس قدر دانشمند اور جرأتمند ہے۔ فکر نہ کرو۔ اسے آدھے راستے سے واپس آنا پڑے گا۔"

وہ گھوڑسوار جو اکیلا جا رہا تھا وہ زریاب نے مریدہ بھیجا تھا۔ مریدہ میں اب یہ حالت تھی کہ محمد بن عبدالجبار ایک جنگی طاقت بن گیا تھا۔ ہزاروں عیسائی اُس کے ساتھ مل گئے تھے۔ ان میں وہ نومسلم عیسائی بھی تھے جو بظاہر مُسلمان اور اندر سے عیسائی تھے۔ یعنی وہ مولّد تھے جنہوں نے حکومت

اندلس کے خلاف زمین دوز تحریک چلائی تھی اور جسے تاریخ میں تحریکِ مولّدین کہا گیا ہے۔

گھوڑسوار رات کو پہنچ گیا اور اُس نے تحریک کے قائدین کو اطلاع دی کہ عبدالرحمٰن فرانس پر حملہ کرنے جا رہا ہے۔ عبدالرحمٰن نے اپنی پیشقدمی اور حملے کا منصوبہ راز میں رکھا تھا مگر جس جگہ خوشامدی موجود ہوں وہاں وہ آستین کے سانپ بن جایا کرتے ہیں۔

پندرہ سولہ دنوں بعد سالار مُوسیٰ بن مُوسیٰ اور سالار عبدالرؤف اپنے اپنے محاذ پر پہنچ گئے۔ عبدالرحمٰن نے منصوبے کے مطابق ابھی آدھا راستہ طے کیا تھا کہ مریدہ سے ایک کماندار اُس کے پاس پہنچا اور یہ خبر سنائی کہ محمد بن عبدالجبّار نے مریدہ پر حملہ کر دیا ہے اور اُس نے وہاں کے گورنر کو (جس کا نام کسی بھی مؤرخ نے نہیں لکھا) گرفتار کر لیا ہے اور عیسائی شہر کو لُوٹ رہے ہیں اور وہاں محمد بن عبدالجبّار کی حکومت قائم ہو چکی ہے۔

عبدالرحمٰن نے فرانس کی طرف اپنی پیشقدمی روک دی۔ اُس نے تیز رفتار قاصد عبدالرؤف کی طرف اس پیغام کے ساتھ دوڑا دیا کہ فوراً آؤ اور مریدہ کا رُخ کر کے بہت تیز پیشقدمی کرو اور مریدہ کو محاصرے میں لے لو۔ عبدالرحمٰن نے فرانس پر حملہ ملتوی کر دیا اور بگولے کی طرح اپنے دستوں کے ساتھ مریدہ کو روانہ ہو گیا۔

اُندلس کی ناگن نے مردانِ حُر کو ڈس لیا تھا۔

* *

صلیبی جنگ اُسی روز شروع ہو گئی تھی جس روز کلیسا نے محسوس کیا تھا کہ صلیب پر چاند ستارے کا سایہ پڑ رہا ہے۔ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے دَور سے بہت پہلے کی بات ہے۔ اسلام بحیرۂ روم پار کر کے دنیائے کلیسا میں داخل ہو گیا تو صلیب کے پجاری کیل کانٹے سے لیس ہو کر اسلام کو پیچھے دھکیلنے کے لئے میدان میں اُتر آئے اور اُس وقت تک جو لڑائیاں بادشاہوں کی جنگیں کہلاتی تھیں وہ دو مذہبوں کی جنگیں بن گئیں دو عقیدے باہم متصادم ہونے لگے۔

مُسلمانوں نے ہمیشہ اپنے اللہ اور شمشیر پر بھروسہ کیا ہے۔ انہوں نے فنِ حرب وضرب اور جنرل شپ میں مہارت حاصل کی اور میدان میں اس کے جوہر دکھائے۔ قلیل تعداد میں جنگی چالوں، چھاپہ مار تکنیک اور جذبے سے پانچ سے دس گُنا طاقتور دُشمن کو اکثر شکست دی۔ پھر جو علاقہ فتح کیا وہاں کے لوگوں کے دل تلوار نیام میں ڈال کر خلوص، محبت

اور کردار کی بلندی سے موہ لئے۔

عیسائیت کے مذہبی پیشواؤں اور بادشاہوں نے جب مسلمانوں کی کامیابیاں دیکھیں تو انہوں نے اپنی افواج کے ساتھ ساتھ دوسرے حربے بھی استعمال کرنے شروع کر دیئے۔ یہ زمین دوز اور غیر جنگی حربے تھے جن کی نوعیت نفسیاتی تھی، گو اس دَور میں علمِ نفسیات کا وجود نہیں تھا لیکن انسان میں عقل و دانش اور فہم وفراست موجود تھی اور انسانی فطرت کی کمزوریوں کو عقل و دانش والے بڑی اچھی طرح جانتے پہچانتے تھے۔ یہ کمزوریاں ہیں حکمرانی، نسوانی حُسن اور زر و جواہرات کی ہوس۔ اہلِ کلیسا نے نسوانی حُسن کا طلسم طاری کر کے مُسلمان امراء، وزراء، سپہ سالاروں اور حکامِ اعلیٰ میں حکمرانی اور زر و جواہرات کی ہوس کو بیدار کر کے اسے ان کے اعصاب پر طاری کرنا شروع کر دیا اور اس طرح مسلمانوں کی صفوں میں غدار پیدا ہونے لگے۔

یہودی نے جو اسلام کا سب سے بڑا اور بے حد خطرناک دُشمن ہے، اس زمین دوز محاذ پہ نصرانیوں کی بہت مدد کی۔ یہودیوں کی ساری تاریخ فتنہ پردازیوں سے بھری پڑی ہے۔ انہوں نے نصرانیوں کو نیا سے نیا فتنہ ایجاد کرنے والے دماغ دیئے، اپنی بڑی ہی حسین اور فریب کاری میں تربیت یافتہ لڑکیاں دیں۔ عیسائیوں نے اس طلسماتی حربے کی کامیابی دیکھ کر اپنی لڑکیوں کو ترغیب دی اور مسلمان امراء میں بھیج دیا۔ ان لوگوں نے اسلام کے بنیادی نظریات کو مسخ کرنے کے لئے ایسے عالم پیدا کئے جنہوں نے

قرآن اور احادیث کا مطالعہ کیا اور مسجدوں میں اماموں کے بہروپ میں درس دینے لگے۔ یہ نظریاتی تخریب کاری تھی۔

اس محاذ پر صلیب کے پجاریوں نے بے دریغ ایثار کے مظاہرے کیے جنہیں ہم کچھ ہی کہہ لیں، یہ قابلِ تعریف ضرور ہیں۔ اپنے مذہب کی بقا اور اسلام کو شکست دینے کی خاطر عیسائیوں نے کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کیا اور وہ اس پر فخر کر سکتے ہیں۔

اس کے مقابلے میں مسلمان اس حسین جال میں آتے چلے گئے۔ اپنے اوپر حکمرانی کا نشہ طاری کرتے رہے۔ کئی سپہ سالاروں کو اقتدار کی ہوس نے خانہ جنگی تک پہنچایا۔ ان میں سے جسے کسی چھوٹے بڑے خطے کا اقتدار مل گیا اس نے اسے اتنا کمزور کر دیا کہ اسے قوم کی دکھتی رگ بنا دیا۔ وہ میدانِ جہاد سے نکل آتے اور حکومت کا کاروبار چلا نہ سکے۔ ان میں جو ذرا سی فہم و فراست تھی وہ خوشامدیوں نے مار ڈالی اور انہیں خیالوں اور تصوروں میں رعایا کا محبوب اور ہفت اقلیم کا بادشاہ بنا ڈالا۔

نظریاتی اور نفسیاتی جنگ وہی قوم جیت سکتی ہے جس کے مذہبی اور سیاسی قائدین میں کوئی ذاتی لالچ اور غرض نہ ہو اور جو اپنی ذات سے بالا ہو کر سوچیں اور کسی خارجی اثر، انگیخت، اشتعال اور لالچ کو قبول نہ کریں اور جو دشمن کو دشمن ہی سمجھیں اور اپنے آپ کو بادشاہ نہ سمجھیں مگر مسلمان حکمرانوں میں یہ وصف ختم ہوتے چلے گئے اور وہ اللہ کی حکمرانی کو اپنی ذاتی حکمرانی سمجھنے لگے۔ اسلام کے دشمن مسلمانوں کو اسی سطح پر لانا

چاہتے تھے۔ انہوں نے اور خوشامدیوں نے مسلمان حکمرانوں کو اس پستی میں پھینک دیا — اور اس کی بڑی ہی واضح اور بڑی ہی شرمناک مثال اندلس کی ہے۔

وہ تو کچھ مردانِ حُر تھے جن کے لہو کے صدقے اندلس میں آٹھ صدیاں پرچم ستارہ و ہلال لہراتا رہا۔ حریت کے یہ پروانے اس شمع پر جل جل کر مرتے رہے اور ان کے لہو سے یہ شمع روشن رہی۔ تاریخ میں ان کے نام نہیں مٹے۔ گہری چھان بین کرو تو کوئی نام نظر آتا ہے۔ ٹوٹی پھوٹی، بجھی بجھی تحریروں کو اپنی عقل سے ترتیب دو تو داستانِ حریت کی کڑیاں مل جاتی ہیں۔

*

اندلس کے ۸۲۲ء سے ۸۵۲ء کے پُرآشوب دور میں سالارِ اعلیٰ عبیداللہ بن عبداللہ، سالار حاجب عبدالکریم (جو وزیر بھی تھا) سالار عبدالرؤف، سالار موسیٰ بن موسیٰ اور سالار فرتون وہ مردانِ حُر تھے جو اس وقت کے حکمران عبدالرحمٰن ثانی بن الحکم اوّل کو زریاب اور سلطانہ کے حسین جال سے نکال کر میدانِ جنگ میں لے گئے تھے۔ عبدالرحمٰن جب فوج کے قلب میں فرانس کی طرف جا رہا تھا تو صاف پتہ چلتا تھا کہ یہ وہ عبدالرحمٰن ہے ہی نہیں جو محل میں خمار کی سی حالت میں رہتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں مجاہدینِ اسلام کی چمک تھی اور اس کی گردن تنی ہوئی تھی۔ وہ سر تا پا سپہ سالار تھا اور اس کا دماغ سالاروں کی طرح کام کر رہا تھا۔

اُسے جب اطلاع ملی تھی کہ مریدہ میں بغاوت ہوگئی ہے اور بغاوت کا قائد محمد بن عبدالجبار ہے تو اُس کے چہرے پر گھبراہٹ کا ہلکا سا بھی تاثر نہ تھا، جیسے اُس کے لئے یہ خبر متوقع تھی۔ اُس نے فوراً فیصلہ کیا اور فرانس کی طرف پیش قدمی روک کر سالار عبدالروف کو پیغام بھیج دیا کہ فرانس کے محاذ سے واپس آ ؤ اور مریدہ پہنچو۔ عبدالرحمٰن نے خود بھی فوج کے ساتھ مریدہ کا رُخ کرلیا۔

مریدہ میں بغاوت اچانک نہیں اُٹھی تھی۔ عیسائیوں نے بہت عرصے سے وہاں زمین ہموار کر رکھی تھی۔ انہوں نے محمد بن عبدالجبار جیسے دیانتدار آدمی کو بددیانت اور بدکار بنا کر اُسے اس خوش فہمی میں مبتلا کر دیا تھا کہ وہ مریدہ کا گورنر (امیر) بنے گا اور عیسائی باشندے اُس کا ساتھ دیں گے۔ تفصیل سے بتایا جا چکا ہے کہ کس طرح محمد بن عبدالجبار ڈاکوؤں کی ایک بہت بڑی فوج کا سردار بن گیا تھا۔ اُسے جنگلوں میں چھپا کر رکھا گیا جہاں اُسے عورت، شراب اور عیش و عشرت کے سارے سامان مہیا کیے جاتے تھے۔

مسلسل جنگوں اور چھوٹی موٹی لڑائیوں کی وجہ سے اخراجات بڑھ گئے تھے اس لئے ٹیکسوں میں اضافہ کر دیا گیا تھا۔ مریدہ کے علاقے میں مالیہ اور لگان کچھ زیادہ ہی لگایا گیا تھا جس کی ایک وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اس علاقے کے لوگ ہر وقت بغاوت پر آمادہ رہتے تھے۔

ادھر محمد بن عبدالجبار کو بددیانتی کے جرم میں سرکاری فرائض سے سبکدوش کیا گیا ادھر عیسائیوں کے دو سب سے بڑے لیڈر ایلوگیئس

اور ایلیارو مریدہ پہنچ گئے۔ مریدہ میں اُن کی آمد کو خفیہ رکھا گیا۔ انہوں نے مریدہ کے دونوں گرجوں کے پادریوں کو لمبی چوڑی ہدایات دیں۔ اُن کے مطابق پادریوں نے اپنے وعظ میں یہ بھی شامل کر لیا کہ عیسائی رعایا کو اپنا غلام بنانے کے لئے ٹیکسوں کا ناقابلِ برداشت بوجھ ڈال دیا گیا ہے۔ اگر عیسائی اس بوجھ کو قبول کر کے اس کے نیچے دبتے چلے گئے تو تھوڑے ہی عرصے میں وہ بھکاری بن جائیں گے اور انہیں مجبوراً اسلام قبول کرنا پڑے گا۔ اگر کسی نے مجبور ہو کر اسلام قبول کیا تو اُسے مسلمان اپنا غلام بنا کر رکھیں گے۔ اس کا علاج یہی رہ گیا ہے کہ قرطبہ کو کوئی ٹیکس نہ دیا جائے۔

گرجوں میں بھی لوگوں کو یہی کچھ بتایا گیا اور چنڈال چوکڑیوں اور ذاتی محفلوں میں بھی لوگوں کو مشتعل کیا گیا کہ وہ قرطبہ کو ٹیکس نہ دیں۔ اتنے میں محمد بن عبدالجبار نے اپنے گروہ سے اُن عمّالوں کو قتل کرا دیا جو ٹیکس وغیرہ وصول کرنے گئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے ٹیکسوں میں نصف سے بھی زیادہ کمی کا اعلان کر دیا اور یہ اعلان بھی کیا کہ آئندہ ٹیکس اس کے آدمی وصول کیا کریں گے۔

جن عمّال کو قتل کیا گیا تھا اُن کی لاشیں دفن کر دی گئی تھیں۔ وہ جب واپس نہ گئے تو اُن کی تلاش شروع ہوئی۔ اُن کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ اِدھر اُدھر سے پوچھ گچھ ہوئی تو کوئی ایک بھی ایسا نہ نکلا جس نے کہا ہو کہ اُس نے ان سرکاری اہلکاروں کو کہیں دیکھا تھا۔ آخر یہ پتہ چل گیا کہ

محمد بن عبد الجبار ٹیکس وصول کر چکا ہے لیکن اُس کا کہیں سراغ نہیں مل رہا تھا۔ لوگوں کو چونکہ اسی شخص سے فائدہ پہنچا تھا اس لئے اُس کے متعلق کوئی آدمی کچھ بتاتا ہی نہیں تھا۔

ایلوگیتس اور ایلیارو نے شہر کی گلی گلی اور مضافات کے گاؤں گاؤں گھوم پھر کر لوگوں کو مذہب کے نام پر یوں بھڑکایا اور کہا ہمارا بادشاہ محمد بن عبد الجبار ہے اور اب مریدہ اور ارد گرد کا علاقہ آزاد ہے۔ لہٰذا ہر عیسائی آج سے سپاہی بن جائے۔ مریدہ کا موجودہ گورنر ہمارا قیدی ہے۔ اس کے بعد قرطبہ سے فوج آئے گی۔ ہم سب کا فرض ہے کہ اس فوج کا مقابلہ کریں۔ اُندلس کو مسلمانوں سے آزاد کرانے کی سعادت مریدہ کے لوگوں کو نصیب ہوگی۔

لوگ جوق در جوق محمد بن عبد الجبار کے جھنڈے تلے اکٹھے ہونے لگے ان کی جنگی تیاریاں خفیہ تھیں۔ ایک رات بڑی رازداری سے گھر گھر خبر پہنچا دی گئی کہ کل صبح نقارہ بجتے ہی لوگ مسلح ہو کر باہر نکل آئیں اور گورنر کے محل پر حملہ کر کے گورنر کو گرفتار کیا جائے گا۔

مریدہ کے امیر (گورنر) کو محمد بن عبد الجبار کے متعلق تو پتہ چل چکا تھا کہ وہ لوگوں سے ٹیکس وصول کر کے روپوش ہے لیکن اُسے شک نہ ہوا کہ مریدہ کے باشندے اُس کی فوج بن چکے ہیں اور یہ آتش فشاں پھٹنے والا ہے۔ ساری آبادی عیسائیوں کی تھی اور جن عیسائیوں نے اسلام قبول کر لیا تھا وہ در پردہ صلیب کے ہی وفادار تھے۔ عرب کے مسلمان کنبے الگ تھلگ رہتے تھے۔ انہیں پتہ نہیں چلتا تھا کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ عرب کے اِن شہریوں میں جو اندلس میں ملازمتوں کے سلسلے میں آتے تھے، یہ بہت بڑی خرابی تھی کہ اپنے آپ کو اندلس کا فاتح اور بادشاہ سمجھتے تھے۔ عیسائی عوام سے الگ تھلگ رہتے اور اُن عیسائیوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے تھے جو اسلام قبول کر لیتے تھے۔ ان نومسلموں کو عرب کے مسلمان کمتر سمجھتے تھے۔ اسی رویّے کا نتیجہ تھا کہ نومسلموں کے دلوں میں اسلام کی محبت پیدا ہونے کی بجائے ناپسندیدگی پیدا ہوئی جو آگے چل کر احتجاج اور پھر نفرت اور پھر بغاوت کی صورت اختیار کر گئی۔

دوسرا نقصان یہ ہوا کہ عیسائی جب کوئی سازش کرتے تھے تو انہیں دیکھنے والا کوئی ہوتا ہی نہیں تھا۔ اُن کی زمین دوز کارروائیاں مسلمانوں سے پوشیدہ رہتی تھیں اور یہی اُن کی کامیابی کی سب سے بڑی وجہ تھی۔ گورنر کا جاسوسی کا نظام اتنا ناقص تھا کہ اُسے کچھ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے۔ وہاں صرف گورنر کے باڈی گارڈ تھے اور فوج کی تھوڑی سی نفری تھی۔

*

رات ابھی آدھی نہیں گزری تھی۔ گورنر کی رہائش پر اور عرب کے مسلمان گھرانوں پر گہری نیند کا غلبہ تھا۔ سارا شہر سویا ہوا معلوم ہوتا تھا مگر گھروں کے اندر اور ایک میدان میں بڑی سرگرمی تھی۔ محمد بن عبد الجبار

درویشوں کے بھیس میں شہر کے اندر آچکا تھا۔ اُس وقت تک اُس کی فوج کی نفری (مؤرخوں کے مطابق) چالیس ہزار ہو چکی تھی۔ یہ ایک بے قاعدہ فوج تھی جس میں صرف شہری تھے اور کچھ پرانے فوجی۔ آدھی فوج شہر سے باہر تھی اور دروازے کھلنے کی منتظر۔

اچانک شہر سے شور اُٹھا جو گورنر کی رہائش کے قریب جاکر للکار اور نعروں کی صورت اختیار کر گیا۔ امیرِ مریدہ (گورنر) کے باڈی گارڈز اور فوج کی قلیل نفری کو جاگنے اور صورتِ حال کو سمجھنے کی بھی مہلت نہ ملی۔ گورنر کی جب آنکھ کھلی تو اُس کے اِرد گرد آٹھ دس آدمی کھڑے تھے۔ اُن کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں۔ اُنہوں نے اُسے اُٹھایا اور باہر لے گئے۔ باہر ایسا شور و غوغا تھا کہ اپنی آواز بھی نہیں سُنائی دیتی تھی۔ سینکڑوں مشعلیں اِدھر اُدھر تیز اڑی جا رہی تھیں۔ گھوڑے دوڑ رہے تھے اور مسلمانوں کے گھروں کی طرف سے شعلے آسمان کو جا رہے تھے۔ مسلمانوں کے گھر جل رہے تھے۔ وہاں لوٹ مار ہو چکی تھی۔

"محافظ کہاں ہیں؟" — امیرِ مریدہ نے گرج کر کہا — "یہ سب کیا ہے؟"

"وہ تم سے پہلے قید خانے کو روانہ کیے جا چکے ہیں" — ایک باغی نے اُسے کہا — "اور تمہاری فوج کو نہتہ کر کے اس کے اِرد گرد پہرہ کھڑا کر دیا گیا ہے ..... یہ بغاوت ہو رہی ہے۔ تمہاری امارت ختم ہے۔ تم اب امیر نہیں اسیر ہو۔"

اُسے ایک بڑے عالیشان مکان میں لے گئے جہاں فانوس جل رہے تھے۔ وہاں چند ایک آدمی بیٹھے تھے۔ اُسے ایک آدمی کے آگے کھڑا کر دیا گیا۔ وہ اس آدمی کو دیکھ کر چونک پڑا۔

"تم؟" — اُس نے حیرت سے کہا — "محمد بن عبدالجبار؟ ..... او ڈاکو! کیا یہ تمہاری کارستانی ہے؟"

محمد بن عبدالجبار نے قہقہہ لگایا اور کہا — "مجھ سے جواب طلبی کرنے کا وقت گزر گیا ہے اور تمہارا غصہ کھوکھلا ہو چکا ہے۔ تمہاری باقی زندگی قید خانے میں گزرے گی۔"

"او غدار!" — امیرِ مریدہ نے کہا — "اپنے انجام سے بے خبر نہ ہو۔ غدار اپنے بادشاہ کو قتل کر سکتے ہیں بادشاہ نہیں بن سکتے۔ چند دن حکومت کا نشہ پورا کر لے پھر اپنا انجام اپنی آنکھوں دیکھ لینا۔ یہی لوگ جن کے کندھوں پر سوار ہو کر تو یہاں تک پہنچا ہے تجھے ہمارے رحم و کرم پر اکیلا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔"

محمد بن عبدالجبار پر اُس وقت فتح اور حکومت کا نشہ سوار تھا۔ اُس نے گورنر کو حقارت سے دھتکارتے ہوئے کہا — "لے جاؤ اِسے — اس کے سارے خاندان کو قید میں ڈال دو۔"

فوج کو نہتہ کر دیا گیا تھا اور اس کے گرد مسلح پہرہ تھا۔ جدھر دیکھو مشعلوں کے شعلے نظر آتے تھے۔ ایک کماندار ایک درخت کے تنے کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ وہ موقع دیکھ کر درخت پر چڑھ گیا تھا۔ شہر میں قیامت کا ہنگامہ

تھا۔ مسلمانوں کے گھروں اور دولت مند عیسائی تاجروں کے گھروں کو لوٹا جا رہا تھا۔ کئی مکان جل رہے تھے۔ کماندار درخت پر بیٹھا فرار کی ترکیبیں سوچ رہا تھا۔ اُس کے نیچے پہرہ دار ٹہل رہے تھے۔ آخر اُسے ایک موقع مل گیا۔ پہرہ دار اِدھر اُدھر ہو گئے اور ایک اکیلا گھوڑ سوار اُس کے نیچے سے گزرا۔ کماندار درخت سے اُس پر کودا اور اُسے گھوڑے پر ہی دبوچ کر اُس کے ہاتھ سے تلوار چھین لی، پھر اُسے گھوڑے سے گرا دیا۔ کماندار نے ایک ہی وار سے اُس کی گردن کاٹ دی اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

شہر کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ محمد بن عبدالجبار کی فوج جو شہر سے باہر تھی وہ اندر آ رہی تھی۔ اندر کے لوگ باہر جا رہے تھے لوٹ مار اور بھاگ دوڑ میں کسی کو کسی کی خبر نہ تھی۔ کماندار اس ہڑبونگ میں شہر سے نکل گیا اور قرطبہ کا رُخ کر لیا۔ اُس کے سامنے بڑی لمبی مسافت تھی اور اُسے جلدی پہنچ کر مریدہ کی بغاوت کی خبر دینی تھی۔ وہ باقی رات گھوڑے پر سوار چلتا گیا۔ صبح طلوع ہوئی پھر سورج اُبھرا، وہ رُکا نہیں۔ کچھ دُور اُسے دو گھوڑ سوار جاتے نظر آئے۔ وہ فوجی معلوم ہوتے تھے۔ کماندار نے اُن کی طرف گھوڑا دوڑا دیا۔ اُن سے جا ملا اور انہیں بتایا کہ مریدہ میں کیا انقلاب آیا ہے اور وہ قرطبہ اطلاع دینے جا رہا ہے۔

"قرطبہ میں جا کر کیا کرو گے" اِن سواروں نے اُسے بتایا — "امیرِ اندلس تمہیں فرانس کے راستے میں ملیں گے۔ فوج فرانس پر حملہ کرنے جا رہی ہے تم اُدھر ہی چلے جاؤ۔"

ان سواروں نے کماندار کا گھوڑا دیکھا۔ تھکا ہوا تھا اور کمزور بھی تھا۔ انہوں اُسے اپنا ایک گھوڑا دے کر اُس کا گھوڑا لے لیا۔ اب وہ تر و تازہ فوجی گھوڑے پر سوار تھا۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ رات کی نیند، بھوک اور تھکن سے وہ بے نیاز اُڑتا چلا گیا — اور اس طرح امیرِ اندلس عبدالرحمٰن کو اطلاع ملی کہ مریدہ میں بغاوت ہو گئی ہے۔ عبدالرحمٰن نے فوجوں کا رُخ مریدہ کو کر دیا۔

*

سالار عبدالرؤف کو فرانس کے محاذ سے واپس آنا پڑا۔ اُس کی پیش قدمی بہت تیز تھی۔ وہ مریدہ کے زیادہ قریب تھا۔ اِدھر سے عبدالرحمٰن بھی آ رہا تھا۔ اُس نے دف اور نفریاں بجانے والوں اور جنگی ترانے گانے والے خوش الحان سپاہیوں کو فوج کے درمیان کر دیا تاکہ اُن کی آواز فوج کے آخری سپاہی تک پہنچے۔ سازندوں سے عبدالرحمٰن نے کہا کہ وہ کوئی تیز قدم دھن بجائیں جو خون کو گرما دے اور جس سے گھوڑے بھی جوش میں آ جائیں۔ سپاہیوں کو ایسا تیز قدم ترانہ آتا تھا۔ ذرا سی دیر میں ساز و آواز سے دشت و جبل جیسے ہلنے لگے ہوں۔ یہ ایک عربی ترانہ تھا جو اندلس کی فتح پر ایک شاعر خدام طوسی نے لکھا تھا:

سمندروں کی موج موج
بحر کی ہر ایک لہر
کچل کے وہ، مَسَل کے وہ

وہ شیر جو خُدا کے تھے
شاہباز جو ہوا کے تھے
رُسولؐ کے وہ جاں نثار
سمندروں سے نہ ڈرے
قطرہ قطرہ کر دیا
ہر موج کو ہر لہر کو
طغیانیاں بھی دب گئیں
طوفان بھی سمٹ گئے
بجلیاں بھی بجھ گئیں
طارق کی فوج دیکھ کر
ساحل بھی آگے بڑھ گیا
سجدہ ریز ہو گیا
کہنے لگا، مجاہدو!
تمہارا ہی انتظار تھا
صدیوں سے انتظار تھا
واپس نہ جانا اب کبھی
طارق کو یہ اچھی لگی
اُس نے کہا، مجاہدو.
جلا دو ساری کشتیاں

پس نہ جائیں گے بھی
بڑھتے ہی جائیں گے سبھی
واپس اگر جانا ہُوا
لاشیں ہماری جائیں گی
پھر وہ آگے بڑھ گئے
لڑتے ہوئے، کٹتے ہوئے،
یہاں گرے، وہاں گرے،
مٹی میں مٹی ہو گئے
کفر جو پہاڑ تھا
پھٹ گیا، ہٹ گیا
اُس نے رستہ دے دیا
بڑھتے گئے مجاہدین
سرزمینِ اُندلس جھوم اُٹھی
اذان کی آواز پر
قرآن کی آواز پر
رسولؐ کی آواز پر
آواز جو لکھی گئی مجاہدوں کے خون سے
وہ خون ہم پہ قرض ہے
اور یہ ہمارا فرض ہے۔

س خون کا خراج دیں
بڑھے چلو مجاہدو
کفر کا پہاڑ آج
للکارتا ہے ہم کو پھر
مجاہدو! خُدا کے نام پر اسے
ریزہ ریزہ پھر کرو
لاالٰہ الاّ اللہ ۔ لاالٰہ الاّ اللہ

اس ترانے نے فوج میں وہی جوش و خروش پیدا کر دیا جو عبدالرحمٰن پیدا کرنا چاہتا تھا۔ گھوڑوں کی چال میں بھی کچھ اور ہی شان پیدا ہو گئی تھی عبدالرحمٰن کی اپنی یہ کیفیت تھی جیسے اُس کی رگوں سے کسی نے فاسد خون نکال کر تازہ خون ڈال دیا ہو۔ اُس نے اپنے پرچم کو دیکھا جو علمبردار کے ہاتھ میں اس طرح پھڑپھڑا رہا تھا جیسے سپاہیوں کے ترانے اور گونجدار آواز نے اس میں بھی روح اور جان ڈال دی ہو، اور کپڑے کے اس ٹکڑے میں بھی یہ احساس بیدار ہو گیا ہو کہ اُسے کفر کے پہاڑ کا جگر چاک کرنا اور اُسے ریزہ ریزہ کرنا ہے۔

عبدالرحمٰن نے بائیں طرف دیکھا۔ اس کا سالارِ اعلیٰ عبید اللہ بن عبداللہ چلا جا رہا تھا۔ عبدالرحمٰن اپنا گھوڑا اُس کے گھوڑے کے قریب لے گیا۔

"عبید اللہ!" — عبدالرحمٰن نے کہا — "جس روز جنگی ترانوں سے

مسلمان منہ موڑ لیں گے اُس روز اسلام کا زوال شروع ہو جائے گا۔"

"موسیقی میں یہ خوبی ہے کہ سوتوں کو جگا دیتی ہے" — عبید اللہ نے کہا — "مگر موسیقی میں یہ خطرہ ہے کہ جاگتے کو سُلا بھی دیتی ہے۔ خون کو گرماتی ہے مگر خون کو سرد بھی کر دیتی ہے۔ یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ کون سی موسیقی پسند کرتا ہے۔"

"یہی اثر عورت کا ہے" — عبدالرحمٰن نے کہا — "عورت تلوار کی بڑی تیز دھار ہے مگر عورت نیام بھی ہے۔ تیز دھار تلوار کو بیکار کر سکتی ہے۔۔ میں نے عورت کے دونوں روپ دیکھے ہیں۔ میرے ہاتھ میں تلوار مدثرہ نے دی تھی۔"

"اور آپ کی تلوار نیام میں کس نے ڈالے رکھی تھی؟"

عبدالرحمٰن نے چونک کر عبید اللہ کی طرف دیکھا جیسے بے خیالی میں باتیں کر رہا تھا اور اچانک بیدار ہو گیا ہو۔ عبید اللہ نے اُس کے چہرے کا تاثر دیکھ کر بات آگے نہ چلائی۔ اُس کا ذہن واپس محل میں پہنچ گیا تھا جہاں زریاب کی موسیقی اور سلطانہ ملکہ طروب کا کافر حُسن تھا۔ عبید اللہ نے مریدہ کو محاصرے میں لینے کی بات شروع کر دی۔ اُسے یہ دیکھ کر اطمینان ہُوا کہ عبدالرحمٰن میدانِ جنگ سے واپس نہیں گیا تھا۔ وہ مریدہ کی بغاوت پر قابو پانے کے متعلق بڑی جاندار آواز میں باتیں کرنے لگا۔

مریدہ ابھی دُور تھا۔ فوج مسلسل پیش قدمی کی حالت میں تھی۔

ایک پڑاؤ ضروری تھا۔

*

مریدہ کے خزانے پر محمد بن عبدالجبار قابض ہو چکا تھا اور وہ مریدہ کا مکمل طور پر امیر بن گیا تھا۔ تمام نومسلموں نے اسلام ترک کر کے عیسائیت قبول کر لی۔ یہ تحریکِ مولّدین کی پہلی کامیابی تھی۔ نومسلموں کے دوغلے پن نے انہیں فتح بخشی تھی۔ ایلوگیئس اور ایلیار و مریدہ میں ہی تھے۔ ان کی فوج کی نفری چالیس ہزار تھی جو مریدہ کے قبضے کے ساتھ ہی دس پندرہ ہزار مزید بڑھ گئی مگر یہ نفری تربیت یافتہ نہیں تھی۔ یہ سب شہری تھے۔ فرداً فرداً لڑنا جانتے تھے مگر فوج کی صورت میں منظم ہو کر کبھی نہیں لڑے تھے۔ انہیں بڑی آسان فتح حاصل ہو گئی تھی اس لئے وہ ابھی تک لوٹ مار اور جشن منانے کی کیفیت میں تھے۔ مسلمانوں کے گھر تو بالکل ہی اجڑ گئے تھے۔ ان کی مستورات کا کچھ پتہ نہ تھا کہ کون کہاں ہے۔ بعض باغیوں کے قبضے میں آ گئی تھیں۔ ان کے مرد مارے گئے تھے۔ مریدہ کے لوگوں نے سرکاری خزانے کو بھی لوٹنے کی کوشش کی تھی۔

مریدہ شہر کے وسط میں ایک وسیع میدان تھا جو گھوڑ دوڑ، فوجی کھیلوں اور پریڈوں کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ باغی حکومت کی منادی پر لوگ اس میدان میں جمع ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایلوگیئس ایلیار و اور محمد بن عبدالجبار گھوڑوں پر سوار اس ہجوم میں آ گئے۔

"مریدہ کے فاتح لوگو!" — ایلوگیئس نے اپنے گھوڑے کی

رکابوں میں پاؤں جما کر کھڑے ہو کے انتہائی بلند آواز سے کہا — "تم سب کو آزادی مبارک ہو۔ محمد بن عبدالجبار جو مریدہ کے امیر بھی ہیں سلطان بھی ہیں، بادشاہ بھی ہیں، تمہارے درمیان کھڑے ہیں....."

لوگوں نے "محمد بن عبدالجبار زندہ باد" — "یسوع مسیح زندہ باد" — "اندلس ہمارا ہے" کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ ہزاروں آدمیوں کی گرج سے زمین و آسمان ہل رہے تھے۔ عیسائیوں کی عورتیں بھی وہاں آ گئی تھیں۔ ہر مرد ہر عورت سے بغل گیر ہونے کی کوشش کر رہا تھا خوشی سے دیوانے ہو کر وہ بے حیائی کے بھی مظاہرے کر رہے تھے۔

"دوستو!" — ایلوگیئس کی آواز اس شور و غل اور نعروں میں سے ابھری — "امیر محمد بن عبدالجبار نے ثابت کر دیا ہے کہ مذہب کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ انہوں نے تمہیں آزادی دلانے کے لئے اپنی حکومت اور اپنے مذہب کے خلاف بغاوت کی ہے..... تم نے آج مریدہ فتح کر لیا ہے تو ایک روز تم قرطبہ پر بھی قبضہ کر لو گے۔ اندلس تم سے بہت بڑی قربانی مانگ رہا ہے۔"

اتنے میں ایک گھوڑ سوار گھوڑا دوڑاتا اور ہجوم کو چیرتا وہاں آ رکا جہاں محمد بن عبدالجبار، ایلوگیئس اور ایلیار و کھڑے تھے۔ گھوڑ سوار کے چہرے پر گھبراہٹ تھی۔ ان تینوں نے اس کی بات سنی اور ایلوگیئس ایک بار پھر رکابوں میں کھڑا ہو گیا

"مریدہ کے بہادرو!" — اس نے بڑی ہی بلند آواز سے کہا —

"تمہارے امتحان کا وقت آگیا ہے۔ ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ امیرِ اُندلس کی فوج بڑھتی چلی آرہی ہے۔ شہر کے دروازے اندر سے بند کرلو اور زیادہ سے زیادہ آدمی شہر کی دیوار پر چڑھادو۔ دشمن قریب آئے تو تیروں کا مینہ برسادو۔ دشمن کا استقبال نعروں اور للکار سے کرو۔ قرطبہ کی فوج دیوار کے قریب آئے تو اُوپر سے برچھیاں پھینکو۔ محاصرہ لمبا ہو جائے تو گھبرانہ جانا۔ ہمارے پاس کھانے پینے کا سامان بہت ہے۔ ہم بھوکے مرجائیں گے، قرطبہ کی فوج کو اندر نہیں آنے دیں گے۔"

محمد بن عبدالجبّار کی گرجدار آواز اُبھری — "مریدہ کے شہریو! فتح تمہاری ہو گی لیکن یاد رکھو کہ تمہارا مقابلہ ایک تجربہ کار فوج سے ہو گا....

"عبدالرحمٰن کی فوج قلعے سر کرنا جانتی ہے۔ تم صرف نعروں اور جوش و خروش سے اس فوج کو شکست نہیں دے سکو گے۔ پھر بھی اس فوج کو شکست دینا مشکل نہیں۔ تم میں بھگدڑ نہیں ہونی چاہئے۔ جدھر سے دشمن آئے اُدھر تیروں کی بوچھاڑیں مارو۔ یاد رکھو کہ یہ تمہارا آخری موقع ہے۔ اگر قرطبہ کی فوج قلعے کے اندر آگئی تو تم تصور میں نہیں لا سکتے کہ تمہارا انجام کیا ہوگا۔ یہ میری فوج ہے۔ میں ہی بہتر جانتا ہوں کہ یہ فوج جب سزا دینے پر آتی ہے تو کسی سپاہی کے دل میں انسانیت کی محبت نہیں رہتی۔ تمہارا قتلِ عام ہوگا۔ تمہاری بیٹیوں کو قرطبہ کے سپاہی اپنے خیموں میں لے جائیں گے۔ تم نے جو آزادی حاصل کی ہے، اس کی قدر و قیمت کو جاننے کی کوشش کرو۔"

لوگوں کا جوش و خروش بڑھ گیا اور نعرے بلند ہونے لگے۔ محمد بن عبدالجبّار، ایلوگیس اور ایلیار و چیدہ چیدہ آدمیوں کو الگ کر کے محاصرے کی لڑائی لڑنے کی سکیمیں بنانے لگے۔

سالار عبدالرؤف اور سالار موسیٰ بن موسیٰ کے دستے طوفان کی طرح بڑھتے آرہے تھے۔ انہوں نے تین دِنوں کی مسافت دو دِنوں میں طے کر لی تھی۔ عبدالرحمٰن نے اپنے کچھ دستے اپنے ساتھ رکھے اور وہ راستے میں رُک گیا۔ اُس نے عبیداللہ بن عبداللہ کو دو تین دستے دے کر مریدہ کو روانہ کر دیا۔

"آپ کو معلوم ہوگا عبیداللہ!" — عبدالرحمٰن نے کہا — "اِن بغاوتوں کی پشت پناہی فرانس کا شاہ لوئی کر رہا ہے۔ میں ان دستوں کے ساتھ فرانس اور مریدہ کے راستے میں رہوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ فرانس کی فوج مریدہ کا محاصرہ توڑنے کے لئے آجائے۔ میں اپنے ان دستوں کو گشت پر رکھوں گا اور خود بھی گھومتا پھرتا رہوں گا۔"

"اگر فرانس کی فوج آگئی تو شاید آپ ان تھوڑے سے دستوں سے اُسے نہیں روک سکیں گے" — عبیداللہ نے کہا تھا — "اس صورت میں ہم سے کمک فوراً منگوا لیجئے گا۔"

"مسلمان ہمیشہ تھوڑے رہے ہیں" — عبدالرحمٰن نے کہا — "اور ہمیشہ تھوڑے رہیں گے۔ میں فرانسیسیوں کو روکے رکھوں گا۔ آمنے سامنے کی لڑائی نہیں لڑوں گا۔ فوج کو جیشوں میں تقسیم کر کے

چھاپہ مار لڑائی لڑوں گا۔ اسی علاقے میں فرانسیسیوں کو اپنے تعاقب میں بھگاتا دوڑاتا رہوں گا..... آپ جائیں عبید اللہ! اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

یہ تھا امیرِ اندلس عبدالرحمٰن کا اصل روپ۔ وہ اس ملک کا بادشاہ تھا لیکن میدانِ جنگ میں، وہ سپاہی بن گیا تھا۔ اس کا یہ فیصلہ دانش مندانہ تھا کہ فرانسیسیوں کے ساتھ ساتھ گھومتا پھرتا رہے گا اور چھاپہ مار جنگ لڑے گا مگر موسیقی اور عورت کے حسن میں ایسا اثر تھا کہ اُس کے مجاہدانہ جوہر اور جذبے سو جاتے اور وہ دُنیا سے بے خبر ہو جاتا تھا۔

*

مریدہ میں جو قلیل سی فوج تھی وہ اب وہاں قیدی تھی۔ اس میں سے ایک کماندار بھاگ سکا تھا۔ جس نے اپنی فوج کو مریدہ کی بغاوت کی اطلاع دے دی تھی۔ یہ کماندار ایک عیسائی پہرہ دار کو ہلاک کر آیا تھا اس لئے باقی فوج پر پہرہ سخت کر دیا گیا تھا۔ جس روز مریدہ میں اطلاع پہنچی کہ قرطبہ کی فوج آ رہی ہے اُس روز شہر کے اندر افراتفری سی بپا ہو گئی۔

باغیوں کا کوئی کمانڈر اس قیدی دستے کے پاس آیا۔

"کل تک قرطبہ کی فوج مریدہ کا محاصرہ کرے گی" — اس نے مریدہ کے ان مسلمان سپاہیوں سے کہا — "ہم محاصرے کو کسی قیمت پر کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ اگر محاصرہ کامیاب ہو گیا اور خطرہ نظر آیا کہ قرطبہ کی فوج شہر میں داخل ہو جائے گی تو ہم تم سب کو قتل کر دیں گے۔ تم اپنی

جانیں اس شرط پر بچا سکتے ہو کہ ہمارے ساتھ مل جاؤ اور محاصرے کو کامیاب نہ ہونے دو۔ اگر قرطبہ کی فوج محاصرہ اٹھا کر چلی گئی تو تم سب کو آزاد کر دیا جائیگا جہاں جی چاہے چلے جانا۔"

یہ ایک چال تھی۔ باغیوں کو دراصل تربیت یافتہ لڑنے والوں کی ضرورت تھی۔ اس دستے میں سے صرف چار آدمیوں نے باغیوں کے کمانڈر کے ساتھ جانے پر رضامندی کا اظہار کیا۔ ان چار میں ایک ابی ریحان بھی تھا جو ایک چھاپہ مار جَیش کا کماندار تھا۔ باقی تین سپاہی تھے۔ سب فوجی حیران رہ گئے کہ ابی ریحان دشمن سے مل گیا ہے۔ وہ تین سپاہیوں کے ساتھ باغیوں کے کمانڈر کے ساتھ چلا گیا۔ باقی دستے نے ان پر بہت آوازے کسے، انہیں غدار اور بزدل کہا اور جو مُنہ میں آیا کہہ ڈالا مگر وہ چاروں چلے گئے۔

کمانڈر آگے آگے اور چاروں پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔ جب وہ گلیوں میں داخل ہوئے تو ایک گلی کا موڑ مُڑتے ابی ریحان دانستہ ذرا پیچھے رہ گیا۔ اس کے ساتھی سپاہیوں کو بھی پتہ نہ چلا۔ کمانڈر اور آگے نکل گیا تو ابی ریحان پیچھے کو مڑا اور تیز تیز چلتا دوسری گلی میں چلا گیا۔ باغیوں کے کمانڈر کو بہت آگے جا کر پتہ چلا کہ چار میں سے ایک آدمی غائب ہے۔ اتنے عرصے میں ابی ریحان دُور نکل گیا تھا۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ تمام شہر میں یہ خبر پھیل گئی تھی کہ قرطبہ کی فوج آ رہی ہے، اس لئے ہر کوئی نفسا نفسی کے عالم میں تھا۔

شہر کی دیوار کے اندر کچھ علاقہ گہرے کھڈ نالوں کا تھا۔ اس میں سے

ایک گہری ندی بھی گذرتی تھی۔ اِدھر کی دیوار ندی کے ساتھ ساتھ بنائی گئی تھی۔ کھڈنالوں کا علاقہ دیوار کے اندر رکھا گیا تھا۔ باہر ندی اور اندر گہرے کھڈ شہر کے دفاع کے لئے مفید تھے۔ یہ علاقہ غیر آباد تھا۔ وہاں بڑے ہی پرانے زمانے کے کھنڈر تھے جن کے متعلق پُراسرار اور خوفناک کہانیاں مشہور تھیں۔ اس کھنڈر کے قریب تو کوئی جاتا ہی نہیں تھا۔ اس علاقے میں بھی کوئی جانے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ وہاں سرکنڈوں اور جھاڑیوں کا جنگل بھی تھا۔

ابی ریحان واپس اپنے قیدی ساتھیوں کے پاس نہ گیا۔ وہ قلعے سے نکلنا چاہتا تھا مگر قرطبہ کی فوج کی آمد کی خبر پر شہر کے دروازے مضبوطی سے بند کر دیئے گئے تھے۔ ابی ریحان کو شہر میں کہیں بھی پناہ نہیں مل سکتی تھی۔ اُس نے اس ویران علاقے کا رُخ کر لیا۔ سورج غروب ہو گیا تو وہ اُس علاقے میں داخل ہو گیا۔ چلتے چلتے وہ کھنڈر تک جا پہنچا تب اُسے یاد آیا کہ یہ کھنڈر تو آسیب زدہ ہے اور بدروحیں اسے زندہ نہیں چھوڑیں گی۔ جُوں جُوں رات گہری ہوتی جا رہی تھی سردی بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ علاقہ بہت ہی سرد تھا۔

ابی ریحان کو ہر طرف موت نظر آ رہی تھی۔ اس کے بچنے کی یہی ایک صورت تھی کہ وہ عیسائی کمانڈر کے پاس چلا جاتے اور باغیوں کا کمانڈر بن کر اپنی فوج کے خلاف لڑے مگر یہ صورت اُسے منظور نہیں تھی۔ اُسے سردی نے پریشان کرنا شروع کر دیا۔ وہ ڈرتا جھجکتا کھنڈر کے اُس حصے میں

جا کھڑا ہوا جہاں اُوپر چھت تھی۔

*

اُس کی زبان پر خدا کا نام تھا۔ وہ مسلسل آیاتِ قرآنی کا ورد کر رہا تھا۔ اللہ کا ہی بھروسہ تھا۔ اندھیرا گہرا ہو گیا تھا۔ کھنڈر خاموش تھا۔ اُسے کوئی بدروح نظر نہ آئی۔ تاریکی اتنی گہری ہو گئی کہ وہ گردوپیش کو محسوس کر سکتا تھا، نظر کچھ نہیں آتا تھا۔ سردی کے ساتھ سرد جھکڑ شروع ہو گئے۔ جھکڑ جب تندی سے کھنڈروں اور سرکنڈوں سے گذرتے تھے تو ایسی آوازیں آتی تھیں جیسے نوزائیدہ بچے رو رہے ہوں۔ ابی ریحان ان آوازوں کو انسانوں کی ہی آوازیں سمجھنے اور ڈرنے لگا۔ اُس کے سامنے مسئلہ صرف چھپنے یا سردی سے بچنے کا نہیں تھا بلکہ اُسے شہر سے نکلنا تھا۔

ایک راستہ اُسے معلوم تھا۔ وہ فوجی تھا اور اس شہر میں ایک عرصے سے مقیم تھا۔ فوجی شہر کی دیوار اور دیوار کے کمزور مقامات سے واقف تھے۔ وہ جانتا تھا کہ شہر کا گندا پانی اور بارش کا پانی انہی کھڈنالوں سے دیوار کے نیچے سے باہر جاتا اور ندی میں گرتا ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ وہ اس راستے سے نکل سکے گا یا نہیں۔ وہ سوراخ اتنا فراخ نہیں تھا۔

کھنڈر اور اردگرد کی ڈراؤنی آوازوں، چیخوں اور سیٹیوں نے اس کے جسم کی طاقت سلب کرنی شروع کر دی۔ اُس نے قرآن کی ایک آیت کا ورد اونچی آواز میں شروع کر دیا اور سردی سے بچنے کے لئے ٹٹولتا ہوا ذرا اندر چلا گیا۔ یہ دو کمروں کے درمیان راستہ تھا۔ اُوپر چھت بھی تھی لیکن

ایک جگہ سے گری ہوئی تھی۔ وہاں اُوپر سے ایسے لگا جیسے کوئی سسکیاں
لے رہا ہو۔ اُسے بدروحوں کی موجودگی کا احساس ہونے لگا اور ساتھ یہ احساس
بھی کہ کوئی اس کے پیچھے پاؤں گھسیٹتا آرہا ہے۔

اُسے یقین ہوگیا کہ اُس کے پیچھے کوئی آرہا ہے۔ یہ بھوت پریت اور
بدروح کے سوا اور کون ہوسکتا تھا۔ وہ اور آگے چلا گیا اور راستہ بائیں کو مُڑ گیا۔
وہ اب اتنا اندر چلا گیا تھا کہ باہر کی آوازیں باہر ہی رہ گئیں اور اسے کچھ سکون
سا محسوس ہونے لگا۔ اچانک کھنڈر کے اندر سے بچے کے رونے کی آواز
آئی۔ یہ کوئی دُودھ پیتا بچہ تھا جو روئے جا رہا تھا۔ ابی ریحان کا دل خوف کی
مٹھی میں آگیا۔ وہ پیچھے ہٹنے سے بھی ڈرتا تھا کیونکہ اُسے اپنے پیچھے کسی
کے سرسراتے قدموں کی آواز سنائی دی تھی۔

بچہ اچانک خاموش ہوگیا اور اُسے عورت کی دبی دبی آوازیں
سنائی دینے لگیں۔ ابی ریحان کے اندر اُس کی کوشش کے بغیر ایک
تبدیلی آگئی۔ اس نے موت کو قبول کرلیا اور اس کے ساتھ ہی اس میں دلیری
آگئی۔ وہ خالی ہاتھ تھا۔ باغیوں نے اُس سے اور اس کے ساتھیوں سے
چھوٹے چھوٹے چاقو بھی لے لئے تھے۔ اُس نے اپنے آپ سے کہا کہ
یہ بھوت پریت یا بدروحیں ہیں۔ انہیں کہوں گا کہ میں کوئی چور یا ڈاکو نہیں۔
اللہ کا سپاہی ہوں۔ اللہ کے نام پر لڑتا ہوں اور کافروں کی قید سے
بھاگ آیا ہوں۔ ان کے خلاف لڑوں گا۔ ان کے آگے ہتھیار نہیں
ڈالوں گا۔

بدروحوں کو بھی وہ خدا کی مخلوق سمجھتا تھا اس لئے اسے امید بندھ
گئی کہ خدا اپنے سپاہی کو اُن سے بچائے گا۔ اُسے بچے کی رونے کی آواز
ایک بار پھر سنائی دی اور ساتھ ایک مردانہ آواز آئی جو عربی زبان میں تھی۔
—"اُسے دُودھ دو یا اس کا گلا گھونٹ دو"۔ پھر ایک عورت کی آواز آئی۔ یہ آواز
بھی عربی کی تھی— "آواز باہر نہ جائے"۔

ابی ریحان انہیں زندہ انسانوں کی آوازیں نہیں سمجھتا تھا، پھر بھی وہ دبے
پاؤں ذرا آگے بڑھ گیا۔ اسے ہلکی ہلکی روشنی کا دھوکہ ہوا۔ کھنڈر میں کہیں دیا
جل رہا تھا۔ وہ اور آگے بڑھا۔ اب وہ اس پُراسرار اور ڈراؤنی مخلوق کا سامنا
کرنے کے لئے تیار ہوگیا تھا۔ وہ ذرا ہی آگے بڑھا تھا کہ اسے اپنے پیچھے
آواز سنائی دی— "یہیں کھڑے رہو۔ کون ہو"— اور تلوار یا خنجر کی
نوک اُس کی پیٹھ میں اُترنے لگی۔ یہ آواز عربی کی تھی۔

"تم کون ہو؟"— ابی ریحان نے عربی زبان میں پوچھا۔— "مجھے جان
سے مارنے سے پہلے میری بات سُن لو۔ میں مریدہ کی فوج کا کماندار ہوں۔
ہم سب کو نہتہ اور قید کر لیا گیا تھا۔ میں بھاگ آیا ہوں اور قلعے سے
نکلنے کی کوشش کروں گا"۔

اتنے میں اُس کے سامنے ایک دیا باہر آیا۔ جس نے دیا اُٹھا
رکھا تھا اُس کے دوسرے ہاتھ میں تلوار تھی۔ اس نے پوچھا—
"کون ہے یہ؟"

"میرا نام ابی ریحان ہے۔ میں فوج میں کماندار ہوں۔"

اُس کے پیچھے جو آدمی تھا وہ بھی سامنے آگیا۔

"تم زندہ انسان ہو یا بدروحیں؟" — ابی ریحان نے پوچھا — "جو کچھ بھی ہو مجھے بتا دو۔ اگر تم بدروحیں ہو تو عربوں کی ہی ہو سکتی ہو۔ اگر عربوں کی ہو تو تم بد نہیں ہو سکتیں۔ تم نیک ہو گی۔ میری مدد کرو۔ مجھے قلعے سے نکال دو۔ میں اپنی فوج کے ساتھ آؤں گا اور کافروں سے مریدہ واپس لوں گا۔"

"آگے چلو۔"

*

یہ ایک فراخ کمرہ تھا۔ دو دیئے جل رہے تھے اور وہاں بارہ تیرہ جوان لڑکیاں اور تین چار عورتیں تھیں۔ وہ بھی جوان تھیں۔ ایک عورت بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ مرد وہی تھے جو ابی ریحان کو اندر لے گئے تھے اور ایک بوڑھا تھا۔

"انہیں دیکھو" — ایک آدمی نے ابی ریحان سے کہا — "یہ ہماری بیٹیاں ہیں۔ یہ اُن عربوں کی بیٹیاں ہیں جو مریدہ میں رہتے تھے۔ ان میں سے کسی کے بھائی مارے گئے ہیں اور بعض کے باپ۔ ہماری چند ایک لڑکیاں کافروں کے ہاتھ چڑھ گئی ہیں۔ انہیں ہم بڑی مشکل سے نکال کر لائے تھے اور یہاں آ چھپے ہیں۔"

"یہ کس کے گناہ کی سزا بھگت رہی ہیں" — بوڑھے عرب نے کہا — "یہاں کفار بغاوت کی تیاری کرتے رہے۔ محمد بن عبدالجبار پھلاوہ بنا

مگر قرطبہ والوں نے یہاں کی فوج میں اضافہ نہ کیا۔ امیرِ مریدہ نے یہ بھی نہ دیکھا کہ یہاں کیا طوفان اُٹھ رہا ہے۔"

"یہ وقت ان باتوں کا نہیں" — ابی ریحان نے کہا — "باہر کی صورتِ حال سے تم لوگ شاید واقف نہیں۔"

"نہیں" — ایک آدمی نے کہا — "ہمیں کچھ خبر نہیں باہر کیا ہو رہا ہے۔ تم جانتے ہو کتنے دن گزر گئے ہیں۔ ہم کیڑوں مکوڑوں کی طرح زندہ رہنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ لڑکیاں ہمارے لئے بہت بڑا مسئلہ ہیں۔ ہم ابھی اس عزت کو بچا کر نکلنا چاہتے ہیں۔"

"میں اکیلا نکلنے کی کوشش کر رہا تھا" — ابی ریحان نے کہا — "لیکن یہ لڑکیاں اب میرا مسئلہ بھی ہیں۔ میں تمہارا ساتھ دوں گا... باہر کی صورتِ حال یہ ہے کہ محمد بن عبدالجبار مریدہ کا آزاد بادشاہ بن گیا ہے اور عیسائیوں نے اُس کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ عیسائیوں کے دو بہت بڑے پیشوا، ایلوگیئس اور ایلیارو، اس کے ساتھ ہیں۔ آج کی اطلاع یہ ہے کہ قرطبہ کی فوج مریدہ کی طرف آ رہی ہے، اور مریدہ کا محاصرہ ہو گا۔ شہر کا بچہ بچہ لڑنے کے لئے تیار ہے۔ اس صورت میں محاصرہ شاید کامیاب نہ ہو سکے۔ ایک عیسائی نے آ کر ہمیں کہا کہ جو اِن کا ساتھ دے گا اُسے قرطبہ کی فوج کو شکست دے کر آزاد کر دیا جائے گا، اور جو ساتھ نہیں دے گا اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ صرف تین سپاہی عیسائی کمانڈر کے ساتھ گئے، باقی سب نے انکار کر دیا۔ میں چوتھا تھا۔ میں اس ارادے سے

ان کا ساتھ دینے پر رضامند ہوا کہ فرار کا موقع پیدا کروں گا۔ وہ میں نے پیدا
کرلیا اور نکل آیا۔ چھپنے کی یہی جگہ تھی۔ تمہیں میں بدروحیں سمجھ رہا تھا۔"
"اب ہم بدروحیں ہی بنیں گے" — بوڑھے نے کہا — "بادشاہوں
کی کوتاہیوں کی سزا ہمیں مل رہی ہے۔"
"محترم بزرگوار!" — ابی ریحان نے کہا — "یہ آپ کے اپنے کئے
کی سزا ہے۔ یہاں جتنے عرب مسلمان رہتے تھے وہ سب اپنے آپ کو
عیسائیوں کا بادشاہ سمجھتے تھے اور عیسائیوں کے ساتھ آپ لوگوں کا سلوک
ایسا تھا جیسے یہ لوگ حقیر اور قابلِ نفرت تھے۔ آپ مسجد میں جاکر نمازیں
پڑھنے کو ہی اسلام سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ خدا کے قریب ہوگئے
ہیں مگر آپ اسلام کے اس اصول کی خلاف ورزی کرتے رہے کہ خدا
اُن کے ساتھ محبت کرتا ہے جو اُس کے بندوں کے ساتھ محبت کرتے
ہیں۔ آپ نے نومسلموں کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کیا۔ آپ کو خیال
نہ آیا کہ محکوم کے جذبات کے ساتھ جب حاکم مذاق کرتے ہیں تو ایک نہ
ایک دن محکوم بھڑک کر شعلہ بن جاتے ہیں۔ اب یہ شعلے آپ کو جلا رہے
ہیں۔ آپ لوگ اپنے ہاتھوں تیار کئے ہوئے دوزخ میں جل رہے ہیں۔
لیکن اس وقت ہمارا مسئلہ کچھ اور ہے۔ اللہ کرے ہماری فوج آجاتے اور
مریدہ کو محاصرے میں لے لے مگر مجھے اُمید نہیں کہ ہماری فوج اتنی جلدی
شہر میں داخل ہوسکے گی کیونکہ تمام شہری لڑنے کے لئے تیار ہیں۔ کوئی
ایسی صورت ہونی چاہیئے کہ اندر سے کوئی دروازہ کھول دے۔ مجھے یہ

خطرہ بھی نظر آرہا ہے کہ باغی ہمارے ان سپاہیوں کو قتل کردیں گے
جنہیں انہوں نے قید میں بٹھا رکھا ہے۔"
"یہ قربانی دینی ہی پڑے گی" — ایک آدمی نے کہا — "کیا تم اندر
سے دروازہ کھولنے یا اپنی فوج کو کسی قسم کی مدد دینے کا کوئی طریقہ
سوچ سکتے ہو؟ تم عسکری ہو، کماندار ہو، تم بہت کچھ جانتے ہو۔"
"میں صرف عسکری نہیں چھاپہ مار بھی ہوں" — ابی ریحان نے کہا —
"لیکن ان لڑکیوں کی موجودگی میں ہمیں ان کی بھی حفاظت کرنی پڑے گی۔
اگر یہ نہ ہوتیں۔۔۔۔"
"اگر ہم لڑکیاں ہیں تو ہمارے جسم مفلوج تو نہیں" — ایک نوجوان
لڑکی نے کہا — "تم ہمیں سپاہیوں کی طرح لڑانا چاہو گے تو ہم تمہیں
مایوس نہیں کریں گی۔"
"ہم بھاگ کر یہاں اس لئے چھپی بیٹھی ہیں کہ دشمن کی تعداد سیلاب
جیسی ہے" — ایک اور لڑکی نے کہا — "اگر مقابلہ فرداً فرداً ہوتا تو رب
ذوالجلال کی قسم، ہم بھاگنے کی نہ سوچتیں۔۔۔۔ تم کوئی ترکیب سوچو کماندار!
ہمیں سپاہی سمجھو۔ ہماری عزت اور عفت کی نہ سوچو۔"
"یہیں رہو" — ابی ریحان نے کہا — "اگر خبر صحیح ہے تو آج رات
مریدہ کو محاصرے میں آجانا چاہیئے۔ مجھے سوچنے دو۔۔۔۔ تم لوگوں کے
پاس ہتھیار کیا کیا ہیں؟"
"چار برچھیاں ہیں" — اسے جواب ملا — "تلواریں ہیں۔ کچھ خنجر بھی

ہیں اور تین کمانیں اور بہت سے تیر ہیں۔"

"بہت ہیں" — ابی ریحان نے کہا — "عیسائی اپنی بیٹیوں کو زمین کے نیچے، راتوں کو دشمن کی خواب گاہوں میں اور انہیں حسین فریب بنا کر استعمال کرتے ہیں۔ میں تمہیں سپاہی بنا کر لڑاؤں گا۔ یہی اسلام کی شان ہے اسلام کی بیٹی دشمن کے سامنے ناچ کر اُسے مسحور نہیں کرتی۔ وہ تلوار کی چمک اور وار کی پھرتی سے دشمن کو گھٹنوں بٹھایا کرتی ہے ۔۔۔ تیار رہنا میری بہنو! اور کچھ دن اور بھوکا رہنے کے لئے بھی تیار رہو۔"

*

محاصرہ اُسی رات ہو گیا۔ اُس رات مریدہ شہر نے آنکھ بھی نہ جھپکی۔ سورج غروب ہوتے ہی خبریں آنے لگی تھیں کہ قرطبہ کی فوج قریب آ رہی ہے۔ لوگ گھروں میں اناج وغیرہ جمع کر رہے تھے تاکہ قحط کی صورت پیدا نہ ہو۔ شہر کے بڑے دروازے چار تھے جنہیں اندر سے مضبوطی سے بند کر دیا گیا تھا۔ ہر وہ آدمی جو ہتھیار اُٹھا سکتا تھا، لڑنے کے لئے تیار تھا۔ ایک ایک آدمی نے تیروں سے بھری ہوئی تین تین چار چار ترکشیں اپنے ساتھ رکھ لی تھیں۔ شہر کی دیوار کے اُوپر بڑے بڑے پتھر رکھ لئے گئے تھے اور لکڑیاں بھی جنہیں جلا کر اُس صورت میں نیچے پھینکنا تھا جب قرطبہ کے سپاہی دیوار کے قریب آجائیں، یا سرنگ لگانے کی کوشش کریں یا سیڑھیاں لگا کر اُوپر چڑھیں۔ اُبلتا ہوا پانی پھینکنے کا بھی انتظام کر لیا گیا تھا۔ ہر دروازے کے اندر بہت سی نفری کو تیروں اور برچھیوں کے ساتھ تیار رہنا تھا تاکہ

دروازہ ٹوٹ جائے تو حملہ آوروں کو اندر نہ آنے دیا جائے۔ اس طرح محاصرہ کرنے والوں کو دیوار سے دُور رکھنے کا پورا انتظام کر لیا گیا تھا۔

سالار عبدالرؤف کے دستوں سے سالارِ اعلیٰ عبیداللہ بن عبداللہ کے دستے مریدہ سے کچھ دُور مل گئے تھے اور کمان سالارِ اعلیٰ عبیداللہ نے لے لی تھی۔ عبیداللہ نے فوج کو ترتیب میں پھیلا دیا اور اس نے کسانوں اور مسافروں کے لباس میں چند آدمی آگے بھیج دیئے تھے کہ مریدہ کی فوج اگر باہر آکر لڑنے کے لئے تیار ہو تو اطلاع دیں۔ عبیداللہ کو یہی اطلاعیں مل رہی تھیں کہ شہر سے باہر فوج کا نام و نشان نہیں ملتا۔

"میرے دوستو!" — عبیداللہ نے اپنے سالاروں سے کہا — "اگر مریدہ کے باغیوں میں ذرا سی بھی جنگی سوجھ بوجھ ہوتی تو وہ ہمیں شہر سے دُور آگر روکتے اور لڑائی کو طول دیتے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ انہیں پتہ نہ چلا ہو کہ ہماری فوج آ رہی ہے۔ وہ کم عقل معلوم ہوتے ہیں یا انہوں نے شہر کے دفاع کو اتنا مضبوط کر لیا ہے کہ وہ محصور ہو کر لڑنا بہتر سمجھتے ہیں۔"

سالارِ اعلیٰ عبیداللہ نے اپنی فوج کو اور زیادہ پھیلا دیا اور ہراول کا دستہ زیادہ مضبوط رکھا تاکہ گھات کی صورت میں جم کے مقابلہ کر سکے مگر فوج جُوں جُوں آگے بڑھتی گئی گھات یا مقابلے کے خدشے ختم ہوتے گئے۔ رات کا وقت تھا۔ ٹھنڈے جھکڑ چل رہے تھے مگر فوج بڑھتی جا رہی تھی، حتیٰ کہ مریدہ کی دیوار پر مشعلیں نظر آنے لگیں۔ سالارِ اعلیٰ عبیداللہ نے سالار عبدالرؤف کو حکم دیا کہ وہ اپنے دستوں کی پیشقدمی تیز کر دے اور شہر کو

محاصرے میں لے لے۔ اُس نے حاجب عبدالکریم سے کہا کہ وہ اپنے
دستوں سے محاصرے کے عقب میں خیال رکھے۔

*

رات کے پہلے پہر مریدہ کی دیوار کے اُوپر سے شور اُٹھا — "دشمن آگیا ہے ..... شہر کا محاصرہ ہوگیا ہے ..... خبردار۔ ہوشیار" — اور دیوار سے قرطبہ کی فوج پر تیروں کی بوچھاڑیں چلنے لگیں، لیکن فوج تیروں کی زد سے باہر تھی۔ سالار عبیداللہ نے بلند آواز سے اعلان کرایا — "ہم مریدہ کے باغیوں کو معافی کا موقع دیتے ہیں۔ شہر کے دروازے کھول دو گے تو معاف کر دیئے جاؤ گے۔ کسی کو گرفتار نہیں کیا جائے گا۔"

"ہمت کرو مسلمانو!" — دیوار کے اُوپر سے جواب آیا — "آگے آؤ اور دروازے کھول لو۔"

ایک کماندار صدر دروازے کے قریب چلا گیا اور اُس نے بلند آواز سے کہا — "امیر اندلس محاصرے کی کمان کر رہے ہیں۔ اگر ہتھیار نہیں ڈالو گے ....." وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ چار پانچ تیر اُوپر سے اُس کے جسم میں اُتر گئے۔

سالارِ اعلیٰ عبیداللہ نے جب دیکھا کہ مریدہ کے باغی ہتھیار ڈالنے کے لئے تیار نہیں تو اُس نے حکم دے دیا کہ دروازوں پر حملہ بولا جائے مگر باغیوں نے اُوپر سے جلتی ہوئی لکڑیاں اور دہکتے ہوئے انگارے پھینکنے شروع کر دیئے۔ پہلے حملے میں جو آدمی آگے گئے وہ جھلسے ہوئے واپس

آئے۔ عبیداللہ شہر سے واقف تھا۔ اُس نے دو بڑی منجنیقیں تیار کیں اور شہر میں پتھر پھینکنے کا حکم دے دیا۔

دیوار پر اتنا زیادہ شور تھا کہ کھنڈر میں چھپے ہوئے لوگوں نے بھی سُن لیا۔ ابی ریحان کو شہر کے دروازوں سے اچھی طرح واقفیت تھی۔ وہ ایک برچھی اور ایک تلوار لے کر باہر نکل گیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ دروازوں کے اندر دفاع کا کیا انتظام ہے۔ اب اُسے پکڑے جانے کا ڈر نہیں تھا۔ ہر طرف بھاگ دوڑ تھی۔ لوگ بھاگتے دوڑتے ایک دوسرے کے قریب سے گذر جاتے تھے۔ کوئی کسی سے پوچھتا نہیں تھا کہ وہ کہاں دوڑا جا رہا ہے۔ ابی ریحان منہ اور سر پر چادر لپیٹ کر ان لوگوں میں شامل ہوگیا۔

وہ چاروں دروازوں تک گیا۔ اُس نے دیکھا کہ ہر دروازے کے اندر بہت سی نفری موجود ہے اور اندر سے کوئی بھی دروازہ کھولنا ممکن نہیں۔ وہ قرطبہ کی فوج کے خلاف نعرے لگاتا اور مسلمان کو گالیاں دیتا دیوار پر چلا گیا۔ وہاں شہریوں کا اتنا ہجوم تھا کہ کھڑا ہونے کو جگہ نہیں تھی۔ یہ لوگ باہر کو تیر چلا رہے تھے۔ اُس کے قریب قرطبہ کی منجنیق کا پھینکا ہوا ایک وزنی پتھر اندر گرنے کی بجائے دیوار پر لگا اور دس بارہ آدمی اُس کی زد میں آ کر دیوار کی اندر کی طرف گرے۔ دو تین دیوار کے اُوپر ہی مر گئے۔

ابی ریحان مایوس واپس آگیا۔

*

اُس نے کھنڈر میں چھپے ہوئے آدمیوں کو بتایا کہ رات کے اندھیرے

میں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ باہر کیا حال ہے۔ اُس نے کہا کہ وہ اپنی فوج کے
لئے کوئی نہ کوئی دروازہ ضرور کھولے گا خواہ اُسے جان کی بازی لگانی پڑے
صُبح طلوع ہوئی تو وہ پھر باہر نکل گیا۔ اُس نے اپنا چہرہ چادر میں چھپا
رکھا تھا۔ وہ دیوار پر چڑھ گیا۔ اُس نے اپنی فوج کو دیکھا۔ شہر والوں کے کھیت
دیوار کے باہر تھے۔ فصل لہلہا رہے تھے۔ شہر کے بعض آدمیوں کے پھلوں
کے باغ تھے۔ سالارِ اعلیٰ عبید اللہ نے حکم دیا کہ تمام فصل کاٹ دی جائے۔ سینکڑوں
سپاہی تلواروں سے فصلیں کاٹنے لگے اور انہیں گھوڑوں کو کھلانے کے
لئے اکٹھا کرنے لگے۔ پھل دار درخت بھی کلہاڑیوں سے کاٹ دیئے گئے۔

ابی ریحان نے دیکھا کہ قرطبہ کی فوج کے آدمی دیوار میں سرنگ لگانے
کو بڑھتے تھے۔ تیر اندازوں کو اکٹھا کر لیا گیا تھا۔ وہ دیوار کے اُوپر تیر پھینکتے
تھے تاکہ اُوپر والے سر نہ اٹھا سکیں اور سرنگ لگانے والے دیوار تک پہنچ
جائیں لیکن باغی بے جگری سے مقابلہ کر رہے تھے۔ قرطبہ کی فوج چاروں
دروازوں پر حملے بول رہی تھی لیکن ہر دروازے پر بُرج تھے جہاں سے
پھینکے ہوئے تیر اور برچھیاں حلہ بولنے والوں کو لہولہان کر کے پیچھے دھکیل
دیتی تھیں۔

ابی ریحان کو کوئی بھی پہچان نہ سکا۔ وہ دیوار سے اُتر آیا۔ اُس کے دماغ
میں ایک ترکیب آگئی تھی۔ اُسے کاغذ اور قلم کی ضرورت تھی۔ اس نے ایک
دروازے پر دستک دی۔ دروازہ ایک عورت نے کھولا۔ ابی ریحان نے
اُسے کہا کہ تین چار کاغذ، قلم اور سیاہی چاہیئے۔ کمانڈر کو ضرورت ہے۔ وہاں

تو لوگ خون دینے کو تیار تھے۔ اس عورت نے فوراً کاغذ قلم اور سیاہی دے دی۔
ابی ریحان اِدھر اُدھر کے چکر کاٹتا کھنڈر کے ارد گرد کے کھڈ نالوں
میں چلا گیا اور کھنڈر میں پہنچ گیا۔ اُس نے کاغذ، قلم اور سیاہی ان آدمیوں کو
دی جو کھنڈر میں چھپے ہوئے تھے اور اُن سے تین کاغذوں پر ایک
ہی تحریر لکھوائی:

"جنوبی دروازے سے فوج ہٹالیں اور زیادہ زور صدر دروازے
پر رکھیں۔ باغی جنوبی دروازے سے توجہ ہٹالیں گے۔ رات کو ہم جنوبی
دروازہ کھولنے کی کوشش کریں گے۔"

اس تحریر کے نیچے اس نے اپنا نام اور عہدہ لکھوایا اور تینوں کاغذ
تہہ کر کے ایک ایک کاغذ تینوں تیروں پر پیٹا اور ان پر دھاگہ لپیٹ دیا۔
ہر تیر کے ساتھ اس نے چھوٹا سا کپڑا باندھ دیا جو نشانی تھی کہ اس تیر کے ساتھ
پیغام ہے۔ وہ تینوں تیر ترکش میں ڈال کر اور کمان اُٹھا کر کھنڈر سے نکل
گیا۔ وہ کھڈ نالوں سے اس طرح نکلا کہ اسے کوئی دیکھ نہ سکا۔ وہ دیوار پر
چڑھ گیا۔ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ محاصرے میں لڑنے والے شہری ہیں
فوجی نہیں۔ اُن پر کمان کرنے والا کوئی نہ تھا، نہ انہیں کسی کے زیر کمان
لڑنے کا تجربہ تھا۔ وہ مُنہ سر چادر میں لپیٹے ہوئے دیوار پر گیا تو اس ہجوم
کا حصہ بن گیا

وہ جنوب کی طرف گیا اور پیغام والا ایک تیر نکالا۔ کمان بڑی
مضبوط تھی۔ اس نے کمان کو ایسے زاویے پر رکھا کہ تیر دُور جائے۔ کمان

کو جس قدر کھینچ سکتا تھا کھینچا اور تیر چھوڑ دیا۔ یہ تیر اُن تیروں میں شامل ہو
گیا جو اُوپر سے چھوڑے جا رہے تھے۔ وہ اپنے تیر کو دیکھتا رہا۔ سب
سے دُور فوج کے درمیان گرا تھا۔

ابی ریحان وہاں سے ہٹا اور دیوار کے اُوپر اُوپر کچھ دُور جا کر
پیغام والا دوسرا تیر چھوڑا۔ پھر وہاں سے کہیں اور چلا گیا اور تیسرا تیر چھوڑ دیا۔

ان تینوں میں سے ایک تیر سالار عبدالرؤف تک پہنچا۔ یہ ایک سپاہی
نے اُٹھا کر اپنے کماندار کو دیا تھا۔ سالار عبدالرؤف یہ پیغام سالارِ اعلیٰ
عبیداللہ کے پاس لے گیا۔ عبیداللہ نے کہا کہ یہ دھوکہ بھی ہو سکتا ہے۔

"ایک دھوکہ تو یہ ہو سکتا ہے کہ ہم نے جنوبی دروازہ خالی چھوڑ دیا
تو باغی باہر آ کر ہم پر حملہ کریں گے" — سالار عبدالرؤف نے کہا —
"اگر ایسے ہوا تو ہم اس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ باغی باہر آ گئے تو ہم انہیں
اندر نہیں جانے دیں گے۔ اندر ہم ہی جائیں گے۔"

"دوسرا دھوکہ یہ ہو سکتا ہے" — سالارِ اعلیٰ عبیداللہ نے کہا — "دروازہ
کھلا دیکھ کر ہم اندر چلے گئے تو ہو سکتا ہے باغی گھات میں ہوں۔"

"ہمیں دروازہ کھلا چاہیئے" — سالار عبدالرؤف نے کہا —
"میرا ایک دستہ تو سیلاب کی طرح اندر چلا جائے گا۔ ہمیں خطرہ مول لے
لینا چاہیئے" — خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

سورج غروب ہونے کو تھا جب ابی ریحان نے دیوار سے
دیکھا کہ جنوبی دروازے کے سامنے جو دستہ تھا وہ وہاں سے ہٹ

رہا تھا جیسے محاصرہ اُٹھایا جا رہا ہو۔ اُدھر صدر دروازے اور مغربی
دروازے پر ہلے پر ہلہ بولا جانے لگا۔ دیوار کے اُوپر تیر انداز شہریوں
کا جو ہجوم تھا وہ بھی ان ہی دروازوں کے قریب چلا گیا تھا۔ صورت حال
میں کوئی تبدیلی آتی تھی تو دیوار کے لوگ بلند آوازوں سے اس کا
اعلان کر دیتے تھے۔ اب اُنہوں نے یہ اعلان کر دیا کہ جنوبی دروازے
سے دشمن ہٹ گیا ہے۔ دوسرے دروازوں کا خیال رکھو۔

سورج غروب ہونے کے بعد ابی ریحان کھنڈر میں گیا۔

"میرا پیغام پہنچ گیا ہے" — اُس نے کہا — "جنوبی دروازے
سے ہماری فوج ہٹ گئی ہے لیکن ہمارے سالاروں کی نظریں اس
دروازے پر لگی ہوں گی۔ دروازہ آج رات کھلنا چاہیئے، لیکن میں نے جو
ترکیب سوچی ہے اس کے لئے ہم تین آدمی کافی نہیں۔ کم از کم دس آدمیوں
کی ضرورت ہے۔"

"وہ ضرورت ہم پوری کریں گی" — ایک لڑکی نے کہا — "ہمیں
ترکیب بتاؤ۔"

"ہاں" — بوڑھے نے کہا — "ان لڑکیوں کو لے جاؤ۔"

"لیکن ان کا مردوں کے لباس میں ہونا ضروری ہے" — ابی ریحان
نے کہا — "کسی کو ذرا سا بھی شک ہو گیا تو ان کا انجام سوچ لیں۔"

"اگر نوبت اس انجام تک آ گئی تو ہم اپنی جان پر کھیل جائیں گی" —
ایک اور لڑکی نے کہا۔

ابی ریحان نے انہیں بتایا کہ اُس نے کیا سوچا ہے۔

*

امیرِ اُندلس عبدالرحمٰن مریدہ سے دُور اس کیفیت میں تھا کہ اُس کے ساتھ جو دستے تھے انہیں اُس نے دُور دُور تک پھیلا دیا تھا۔ دستوں کا آپس میں تیز رفتار قاصدوں سے رابطہ تھا۔ ان دستوں کے چھاپہ مار جیش گھوڑوں پر سوار گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ اُس علاقے کے لباس میں دیکھ بھال کرنے والے تجربہ کار فوجی دشمن کی چوکیوں تک موجود تھے۔ عبدالرحمٰن نے اپنا ہیڈ کوارٹر ایک جگہ بنا رکھا تھا لیکن وہ دن رات کا زیادہ تر وقت گھوڑے کی پیٹھ پر رہتا اور ہر دستے کے کمانڈر کے پاس جا کر اُس سے رپورٹ لیتا اور ہدایات دیتا تھا۔ دونوں سالار، مُوسیٰ بن مُوسیٰ اور فرتون اس کے ساتھ رہتے تھے۔

عبدالرحمٰن کا انداز سپاہیوں والا تھا۔ لگتا تھا جیسے وہ میدانِ جنگ میں پیدا ہُوا ہے اور یہیں جان دے کر دفن ہوگا۔ موسیقی کی تانوں اور حسن کی اداؤں میں مدہوش رہنے والا عبدالرحمٰن اس علاقے میں یُوں مستعد اور چوکنا تھا جیسے چیتا اپنے شکار کے تعاقب میں جا رہا ہو۔ اس کی روحانی قوتیں اور جذبے پوری طرح بیدار تھے۔ وہ انسانی فطرت کی اس حقیقت کو لاشعوری طور پر واضح کر رہا تھا کہ انسان چاہے تو اپنی روحانی اور جسمانی قوتوں کو بیدار کر کے آسمانی بجلی بن سکتا ہے۔

"اگر کُفّار اس کوشش میں ہیں کہ ہم یہاں سے چلے جائیں گے تو

انہیں مایوسی ہوگی" — عبدالرحمٰن نے ایک رات اپنے دونوں سالاروں سے کہا — "سلطنتِ اسلامیہ سمٹے گی نہیں پھیلے گی۔ بڑھے گی۔ اُندلس شہیدوں کی امانت ہے۔ اُندلس کی آبرو اسلام کی عفت ہے۔ ہم اسے خون سے پاک اور محفوظ رکھیں گے۔"

اُس کے سالار اُس کی اس کیفیت میں اسے کہنے سے جھجکتے تھے کہ وہ زریاب اور سُلطانہ کے طلسم سے نکل آئے۔ وہ ڈرتے تھے کہ ایسی بات کہہ دی تو وہ یہ نہ کہہ بیٹھے کہ زریاب اور سُلطانہ کو یہیں بلا لو، وہ ہمارے ساتھ رہیں گے۔

"ہمیں فرانس کے شاہ لُوئی کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنا ہے" — عبدالرحمٰن نے کہا — "فتنہ جہاں سے اُٹھے وہاں اللہ کی بجلی بن کر گرو۔ مریدہ کی بغاوت قابو میں آگئی تو وہاں میں کسی پر رحم نہیں کروں گا۔ تاریخ مجھے انسان کُش کہتی ہے تو کہتی رہے۔ اگر میں ذاتی رنجش کی بنا پر کسی کا خُون بہادوں تو اللہ مجھے اس دُنیا میں اور آخرت میں بھی سزا دے لیکن اللہ کی راہ میں قتال کو میں اپنا فرض سمجھتا ہُوں۔ کُفّار ہتھیار ڈال دیں، رحم کی بھیک مانگیں، دوستی کے لئے تمہارے قدموں میں سر رکھ دیں تو بھی ان پر اعتماد نہ کرو۔"

"لیکن امیرِ محترم!" — سالار فرتون نے کہا — "قرآن کا حکم ہے کہ دشمن صلح کے لئے ہاتھ بڑھائے تو صلح کرلو۔"

"اور یہ بھی قرآن کا ہی حکم ہے کہ ان پر کبھی بھروسہ نہ کرو" —

عبدالرحمٰن نے کہا۔"ان سے دوستی نہ کرو۔ یہ تم میں فتنہ پھیلاتے ہیں
ان سے معاہدہ نہ کرو کہ جب انہیں فائدہ نظر آئے گا، یہ تمہیں بتائے بغیر
معاہدہ توڑ دیں گے۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ یہ ہمارے درمیان کیسے
کیسے فتنے پیدا کر رہے ہیں؟ مریدہ میں بغاوت اُس وقت ہوئی جب
فرانس کی طرف ہم پیش قدمی کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے فرانس
کو ہمارے حملے سے بچانے کے لئے بغاوت کی ہے۔"

"کیا آپ کو معلوم ہے کہ بغاوت کا روحِ رواں کون ہے؟"۔۔۔
سالار موسیٰ بن موسیٰ نے پوچھا۔

"مریدہ کا فتنہ تو محمد بن عبدالجبار نے کھڑا کیا ہے"۔۔۔ عبدالرحمٰن
نے کہا۔"لیکن اس کی پشت پناہی عیسائی پیشوا کر رہے ہیں۔"

"ایک کا نام ایلوگیتس ہے"۔۔۔ موسیٰ بن موسیٰ نے کہا۔"اور
دوسرا ایلیارو ہے۔"

"ان دونوں کو گرفتار کیا جائے گا"۔۔۔ عبدالرحمٰن نے کہا۔۔۔
"مریدہ سے کوئی اطلاع نہیں آئی۔ مجھے امید ہے کہ عبیداللہ بڑی
جلدی شہر میں داخل ہو جائے گا۔"

*

سالارِ اعلیٰ عبیداللہ شہر میں جلدی داخل ہونے کے لئے ایڑی
چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ سرنگ لگانے والے جان کی بازی لگا کر دیوار
تک پہنچنے کی کوشش میں شہید اور زخمی ہو رہے تھے مگر شہر کی دیوار

سے تیر بارش کی طرح آ رہے تھے۔ برچھیاں، پتھر، جلتی ہوئی لکڑیاں
اور دہکتے ہوئے انگارے بھی نظر آتے تھے۔ پتھروں کی دیوار آگ
کا پہاڑ بن گئی تھی۔ دروازوں کے اُوپر جو برج تھے ان کے تیرانداز کسی
کو دروازوں کے قریب نہیں آنے دیتے تھے۔

کمانداروں اور سپاہیوں کا جوش و خروش اور ان کا بڑھ بڑھ
کر حملے بولنے کا انداز دیکھ کر عبیداللہ کو توقع تھی کہ وہ چند دنوں میں شہر
میں داخل ہو جائے گا۔ اُس نے کہا تھا کہ میرے سپاہی دروازے نہ
توڑ سکے تو مریدہ کے باغی شہریوں کے حوصلے توڑ دیں گے۔ قرطبہ
والوں کی منجنیقیں دشمن کو نقصان پہنچانے کے قابل نہیں تھیں کیونکہ
مریدہ کے تیرانداز منجنیقوں کو اتنی آگے نصب نہیں کرنے دیتے
تھے جہاں سے ان کے پھینکے ہوئے پتھر دیوار کے اُوپر سے اندر
جا سکتے۔

اندر ایک آدمی اپنی فوج کے لئے راستہ صاف کرنے کی
کوشش کر رہا تھا۔ لڑکیاں اُس کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو گئی تھیں
لیکن ان کے لئے مردانہ لباس میں ہونا ضروری تھا۔ ان کے ساتھ دو
آدمی تھے۔ ان کے پاس برچھیاں، تلواریں اور خنجر بھی تھے۔ مردانہ
کپڑوں کی کمی تھی۔ ان کے پاس جو کچھ تھا، اسی کو استعمال کر کے اُنہوں
نے لڑکیوں پر پردہ ڈال لیا۔ ان کے سر، چہرے، کندھے اور سینے
چادروں میں ڈھک دیئے گئے۔ رات کی تاریکی سے بھی فائدہ اُٹھانا تھا۔

دراصل وہ بہت بڑا خطرہ مول لے رہے تھے۔

آدھی رات سے کچھ پہلے ابی ریحان کھنڈر سے نکلا۔ اُس کے ساتھ دو جوان آدمی اور دس جوان لڑکیاں تھیں۔ ان کی کامیابی کے لئے ضروری تھا کہ شہر میں ہنگامہ اور بھاگ دَوڑ ہو۔ اتفاق سے بھگدڑ یُوں پیدا ہو گئی کہ قرطبہ کی فوج منجنیقیں آگے لے آئی تھی۔ اب ان کے پھینکے ہوئے وزنی پتھر دیوار کے اُوپر سے اندر آرہے تھے۔ کئی پتھر مکانوں کی چھتوں پر گرے۔ وہاں کے رہنے والے لوگ گھروں سے بھاگ اُٹھے۔ ان کی بھگدڑ سے وہ لوگ بھی گھروں سے نکل بھاگے جو سوئے ہوئے تھے۔ شہر میں شور بڑھتا جارہا تھا۔

*

ابی ریحان کا رُخ جنوبی دروازے کی طرف تھا۔ اُس نے کچھ اور آگے جاکر اپنے ساتھ کے آدمیوں اور لڑکیوں کو آخری بار بتایا کہ وہ کیا کرے گا اور انہیں کیا کرنا ہے۔ اُس نے انہیں یہ بھی کہا کہ اب اس طرح ایک دوسرے سے دُور دُور ہوجاؤ جیسے ان کا ایک دوسرے کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو۔ اس نے انہیں بہت تیز چلنے کو کہا کیونکہ افراتفری ایسی تھی کہ وہاں کوئی آہستہ چلتا ہی نہیں تھا۔ آہستہ چلنے والے پر شک ہوسکتا تھا۔

جنوبی دروازہ قریب آگیا۔ وہاں چار پانچ مشعلیں جل رہی تھیں شہر میں شور اور بھگدڑ زیادہ ہوگئی تھی۔ دروازے کے سامنے اور

دائیں بائیں کم وبیش پچاس آدمی کھڑے تھے۔ دروازے کے اُوپر برجوں میں تیر انداز تھے لیکن وہ سُست ہو چکے تھے کیونکہ اِدھر سے قرطبہ کی فوج ہٹ گئی تھی۔

ابی ریحان نے اپنی ٹولی کو اندھیرے میں چھپادیا اور خود بہت تیز دروازے کی طرف دوڑ پڑا۔ وہ ان لوگوں کی زبان جانتا تھا۔ اس نے سخت گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "یہاں اتنے زیادہ آدمی کیا کر رہے ہو۔ اس دروازے کے سامنے کوئی فوج نہیں۔ اُدھر صدر دروازہ ٹوٹ رہا ہے۔ مسلمان اندر آنے ہی والے ہیں۔ مجھے یہ کہہ کر تمہاری طرف دوڑایا گیا ہے کہ تم سب کو صدر دروازے پر لے آؤں۔ وہ کہتے ہیں یہاں چار پانچ آدمی ٹھہرو۔ باقی سب اُدھر چلے جاؤ... جلدی آؤ بدبختو! شہر ہاتھ سے جارہا ہے۔"

انہوں نے جلدی جلدی فیصلہ کیا کہ کون اس دروازے پر رہے۔ باقی سب صدر دروازے کی طرف دَوڑ پڑے۔ پیچھے چار آدمی رہ گئے: ابی ریحان بھی وہاں سے ہٹ آیا۔ اُس نے اپنی ٹولی ساتھ لی اور جنوبی دروازے کی طرف گیا۔ یہ اُس کی بنائی ہوئی سکیم کا دوسرا مرحلہ تھا۔ اُس کی ٹولی ان چار پانچ آدمیوں پر ٹوٹ پڑی جو پیچھے رہ گئے تھے۔ لڑکیوں نے انہیں برچھیوں اور تلواروں سے ختم کر دیا۔ پھر اُنہوں نے دروازہ کھول دیا۔ ابی ریحان نے اپنی ٹولی سے کہا کہ وہ باہر فوج کو اطلاع دینے جارہا ہے اور باقی سب دروازے میں موجود رہیں تاکہ کوئی اِدھر آنکلے

تو دروازہ بند نہ کرسکے۔

اُوپر کے برجوں سے تین چار آدمی نیچے آئے۔ مشعلیں جل رہی تھیں۔ اُنہوں نے دروازہ ذرا سا کھلا دیکھا۔ ابی ریحان باہر نکل رہا تھا۔ برجوں سے آنے والوں نے اُسے دیکھ لیا۔ دروازے کے قریب خون میں ڈوبی ہوئی لاشیں بھی پڑی تھیں۔ ایک آدمی نے ابی ریحان پر برچھی پھینکی جو ابی ریحان کے پہلو میں اُتر گئی۔ اس کے دونوں ساتھیوں اور لڑکیوں نے ان سب آدمیوں کو ختم کر دیا۔

ابی ریحان گر پڑا تھا۔ اُس کے پاس گئے تو اُس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو اور ایک آدمی دَوڑ کر باہر جاؤ۔ آگے جا کر دائیں کو ہو جانا۔ وہاں کسی سے کہہ دینا کہ جنوبی دروازہ کھل گیا ہے۔ ایک آدمی دوڑا گیا۔ لڑکیاں ایک آدمی کے ساتھ وہیں رہیں۔ وہ اِدھر اُدھر چھپ کر تیار رہیں کہ کوئی اندر سے آجاتے تو اُسے ختم کیا جائے۔

*

وہ تو سیلاب تھا جو انسانوں اور گھوڑوں کی صورت میں جنوبی دروازے سے اندر آیا۔ دیوار سے تیر چلائے گئے جن سے قرطبہ کی فوج کے کئی آدمی گھائل ہوئے لیکن اب تیر اس فوج کو نہیں روک سکتے تھے۔ یہ ایک باقاعدہ فوج تھی۔ تجربہ کار تھی۔ قلعے اور قلعوں جیسے شہر سر کرنا جانتی تھی اس کے کمانڈر تھے۔ ہر ایک سپاہی کو معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ پورا ایک دستہ اندر آگیا تو اس کا کچھ حصہ دیوار پر چڑھ گیا۔ مشعلیں جلالی گئی

تھیں۔ تیر انداز کٹنے لگے۔

اس دستے کے ایک اور حصے نے ایک اور دروازہ کھول دیا۔ اب باغی زندگی اور موت کا معرکہ لڑنے لگے۔ اُس وقت کا ایک مؤرّخ عابدین کی جس کی تحریروں کے حوالے بعض یورپی تاریخ دانوں نے دیئے ہیں، ایک تحریر بڑی اہم ہے:

”مولّدین کو معلوم تھا کہ وہ بغاوت کے مجرم ہیں۔ وہ کوئی الگ بادشاہی یا سلطنت نہیں تھی کہ شکست کی صورت میں اُس کے ساتھ صلح سمجھوتے کا معاہدہ ہوتا یا تاوان مقرر کیا جاتا۔ مولّدین نے خلافت کے خلاف بغاوت کی تھی۔ اُنہوں نے امارت کی توہین کی تھی اور مسلمان خاندانوں کو لوٹا اور ان کا انتہائی ذلیل جرم یہ تھا کہ اُنہوں نے مسلمان مستورات کی بے حرمتی کی تھی، اس لئے وہ اُس سزا سے آگاہ تھے جو انہیں ملنے والی تھی۔ اس سزا سے بھاگنے کے لئے وہ ایسی بے جگری سے لڑے کہ مسلمانوں کے قدم اُکھڑنے لگے....

”یہ لڑائی گلیوں میں اور گھروں کے اندر بھی لڑی جا رہی تھی۔ دونو فریقوں کے نعرے ٹکرا رہے تھے۔ مسلمانوں کے کسی سالار کے کہنے پر یہ للکار سنائی دینے لگی — ”کسی کو زندہ نہ چھوڑو۔ کوئی کافر زندہ نہ رہے“ — اور جب صبح طلوع ہوئی تو گلیوں میں خون بہہ رہا تھا۔ چلنے والوں کے پاؤں پھسلتے تھے۔“

سالارِ اعلیٰ عبید اللہ نے شہر کے دروازے کھلنے کی اطلاع

ملتے ہی ایک تیز رفتار قاصد اس پیغام کے ساتھ امیرِ اُندلس عبدالرحمٰن کی طرف دوڑا دیا تھا کہ دروازے کھُل گئے ہیں۔ ہم شہر میں داخل ہو رہے ہیں۔ جنوبی دروازے سے ایک دستہ اندر چلا گیا ہے۔

عبیداللہ نے شہر میں داخل ہوتے ہی حکم دیا کہ سرکاری عمارتوں اور حاکموں کی رہائش گاہوں پر حملہ کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے ایک چھاپہ مار جیش کو خزانے پر قبضہ کرنے کا حکم دیا۔ وہ خود اپنے محافظ اور کچھ نفری کو ساتھ لے کر قید خانے کو گیا۔ وہاں معمولی سی مزاحمت ہوئی۔ قید خانے کے داروغہ سے کہا گیا کہ وہ امیر مریدہ کو اور اُس کے جتنے آدمی قید میں ڈالے گئے تھے باہر لے آئے۔

دوسرا حکم جو سالارِ اعلیٰ عبیداللہ نے بھی دیا اور سالار عبدالرؤف نے بھی کہ محمد بن عبدالجبار، اَیلوگیتس اور ایلیارو کو زندہ گرفتار کیا جائے۔ مشکل یہ تھی کہ فوج میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو ان تینوں کو جانتا پہچانتا ہو۔ محمد بن عبدالجبار کو صرف سالار پہچانتے تھے۔ ان کی گرفتاری کے لیے شہر کے دروازے بند کر کے وہاں پہرے کھڑے کر دیئے گئے لیکن بہت وقت گزر چکا تھا جنہیں شہر سے نکلنا تھا وہ پہلے ہی نکل گئے تھے۔

*

عبدالرحمٰن کے پاس جونہی قاصد پہنچا، اُس نے سالار موسیٰ بن موسیٰ اور سالار فرتون سے کہا کہ وہ دستوں کی نقل و حرکت اسی طرح جاری رکھیں اور اگر فرانس کی فوج نظر آئے تو اُسے آگے نہ بڑھنے دیں اور پسپا بھی

نہ ہونے دیں۔ وہ خود اپنے محافظ دستے کے ساتھ مریدہ کو روانہ ہو گیا۔ اُس کی رفتار بہت تیز تھی۔ دوسرے دن کے پچھلے پہر وہ مریدہ پہنچا۔ اُس وقت بھی شہر میں لڑائی ہو رہی تھی۔

اپنے امیر کو دیکھتے ہی اعلان ہونے لگے — "امیرِ اُندلس آگئے ہیں۔۔۔ امیر المومنین آگئے ہیں"۔ عبدالرحمٰن کا جھنڈا دیکھ کر فوج میں نیا جوش پیدا ہو گیا۔ عبدالرحمٰن نے حکم جاری کرنے شروع کر دیئے۔ اُس نے پہلا حکم یہ دیا کہ کسی کو نہ بخشا جائے۔

سُورج غروب ہو رہا تھا جب باغی ہتھیار ڈالنے لگے اور ان سب کو ایک میدان میں جمع کیا جانے لگا۔ مشعلیں اتنی زیادہ تھیں کہ اندھیرے کا احساس ہی مٹ گیا تھا۔ عبدالرحمٰن کے ایک حکم کے مطابق فوجی لوگوں کے گھروں کی تلاشی لے کر مردوں کو باہر لانے لگے۔ محمد بن عبدالجبار، اَیلوگیتس اور ایلیارو کا سراغ نہیں مِل رہا تھا۔ پادریوں کو بھی پکڑ لیا گیا۔ ہر شہری سے پوچھا جاتا تھا کہ اُس نے کس کے کہنے پر بغاوت کی تھی۔ ہر آدمی کسی نہ کسی کا نام لیتا تھا۔ اِس طرح بے شمار آدمیوں کو الگ کر لیا گیا۔

یہ سلسلہ دو دن چلتا رہا۔ جس کسی پر قیادت کا شک ہوا اُسے الگ لے گئے۔ شہریوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے کہا گیا کہ اگر وہ زندہ رہنا چاہتے ہیں تو بتا دیں کہ وہ کس کس کو اپنا قائد سمجھتے ہیں۔ اس طرح کچھ اور آدمی سامنے آگئے۔ مُسلمان لڑکیوں کو اغوا کرنے والے اور مُسلمانوں کے گھروں

کو جلانے والے بھی سامنے آ گئے۔ عبدالرحمٰن نے حکم دیا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے۔ اُن سے کہا گیا کہ جو کوئی محمد بن عبدالجبار، ایلوگیتیس اور ایلیارو کی نشاندہی کرے گا اُسے معاف کر دیا جائے گا مگر کسی کو بھی ان کا علم نہ تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ تینوں قائد دروازے کھلتے ہی شہر سے نکل گئے تھے۔ محمد بن عبدالجبار لرزن چلا گیا تھا۔ ایلوگیتیس اور ایلیارو کہیں اور پہنچ گئے تھے۔

اس دوران عبدالرحمٰن کو پتہ چلا کہ شہر کا پہلا دروازہ کھولنے والا ایک کماندار ابی ریحان تھا جس نے دروازہ کھول کر جان دے دی تھی۔ اُسے یہ بھی پتہ چلا کہ اس کارنامے میں کچھ لڑکیاں بھی شامل تھیں۔ عبدالرحمٰن نے ابی ریحان کے والدین اور بیوی بچوں کو اور ہر لڑکی کو دل کھول کر انعام دیا۔

مریدہ ایک اُجڑا ہوا اور لاشوں کا شہر بن گیا تھا۔ عبدالرحمٰن سارے شہر میں گھوما۔ شہر کی صفائی اپنی آنکھوں دیکھی اور پہلے امیر (گورنر) کو جسے محمد بن عبدالجبار نے قید کیا تھا، مریدہ کا امیر بنا دیا۔

*

قرطبہ میں چند دن پہلے اطلاع پہنچ گئی کہ امیر اُندلس عبدالرحمٰن واپس آ رہے ہیں۔ خوشامدی اپنے کرتب دکھانے کے لیے تیار ہو گئے۔ محل کی سجاوٹ ہونے لگی۔ زریاب اور سُلطانہ اپنے طور پر سرگرم ہو گئے۔ ان کے مخبروں نے اطلاعیں دے دی تھیں کہ فرانس کی

طرف پیش قدمی تو رُک گئی تھی مگر مریدہ کی بغاوت مریدہ والوں کے خون میں ڈوب گئی ہے۔ یہ اطلاع بھی ملی تھی کہ عبدالرحمٰن میدانِ جنگ میں بالکل ہی بدل گیا تھا۔ اُسے شاید یاد نہیں رہا تھا کہ وہ امیرِ اُندلس ہے اور اپنے آپ کو شاہِ اُندلس کہلایا کرتا ہے۔

محل کے باغ کے ایک خوشنما اور پھولوں سے مہکتے ہوئے ایک گوشے میں سُلطانہ ملکہ طروب اور مدثرہ ٹہل رہی تھیں۔ مدثرہ کو سُلطانہ نے بلایا تھا اور وہ مدثرہ کے ساتھ ایسی دوستانہ اور پیار و محبت کی باتیں کر رہی تھی جیسی اُس نے پہلے کبھی نہیں کی تھی۔

"ملکہ طروب!" — مدثرہ نے پوچھا — "آپ کو جو بات کہنی ہے وہ کہہ دیں۔ مَیں جانتی ہوں آپ کے دل میں میری ذرا سی بھی محبت نہیں۔"

"تو سُنو مدثرہ!" — سُلطانہ نے کہا — "شاہِ اُندلس پر اپنا اثر ڈالنا چھوڑ دو۔ یہ ذہن میں رکھا کرو کہ تمہاری حیثیت معمولی سی ایک بیوی کی ہے۔"

"آپ کون سے اثر کی بات کر رہی ہیں؟"

"شاہِ اُندلس جذباتی انسان ہیں" — سُلطانہ نے کہا — "تم نے اُنہیں جذبات میں اُلجھا کر فوج کے ساتھ بھیج دیا تھا۔ وہ نہیں جا رہے تھے۔ اُن کا کام لڑنا نہیں۔ سپہ سالاروں کو اسی کام کی تنخواہ ملتی ہے کہ وہ لڑیں اور مُلک کو دشمن سے بچائیں۔"

"وہ نہ خود جا رہے تھے نہ سالاروں کو جانے کا حکم دے رہے

تھے" ــــ مدثرہ نے کہا ــــ "اگر وہ فوج کشی کا حکم نہ دیتے تو فرانس والے اندلس پر حملہ کر دیتے اور مریدہ کی بغاوت پر قابو نہ پایا جا سکتا۔"

"اگر وہ مارے جاتے تو کیا تم بیوہ نہ ہو جاتیں؟" ــــ سلطانہ نے کہا ــــ "تمہارے بچے یتیم نہ ہو جاتے؟"

"خدا کی راہ میں مسلمان عورت اپنا سہاگ قربان کرنے سے اور اپنے بچوں کو یتیم کرانے سے پس و پیش نہیں کیا کرتی" ــــ مدثرہ نے کہا ــــ "اسلام کی آبرو ہم سے یہ قربانی مانگتی ہے۔ کیا شہید کی بیوہ کہلانے کو آپ بُرا سمجھتی ہیں؟ آپ کو شاہِ اندلس سے کیا دلچسپی ہے ملکہ طروب؟ اگر وہ شہید ہو گئے تو آپ اگلے حکمران کی داشتہ بن جائیں گی۔"

"مَیں شاہِ اندلس کی داشتہ نہیں" ــــ سلطانہ نے کہا ــــ "مَیں اُن کے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔ مَیں ولی عہد کو جنم دوں گی۔"

"اندلس کی سرزمین ابھی ناپاک نہیں ہوئی کہ اُس کا حکمران وہ ولی عہد بنے جس کی ماں نے اُس کے باپ کے ساتھ نکاح ہی نہ پڑھا ہو" ــــ مدثرہ نے کہا ــــ "ناجائز بیٹا اندلس کا امیر نہیں بنے گا..... اور یاد رکھو ملکہ طروب! مَیں شاہِ اندلس کے ہاتھ میں آپ کی طرح شراب نہیں دوں گی، تلوار دوں گی۔"

"مدثرہ!" ــــ سلطانہ نے رعب سے کہا ــــ "دِل سے خوش فہمیاں نکال دو۔ جذباتی باتیں نہ کرو۔ مَیں تم سے درخواست نہیں کر رہی۔ مَیں

تمہیں کہہ رہی ہوں کہ شاہِ اندلس پر اپنا اثر ڈالنا چھوڑ دو۔"

"مَیں آپ کا حکم نہیں مان سکتی" ــــ مدثرہ نے کہا ــــ "کسی عورت کے خاوند کی داشتہ اُس عورت پر حکم نہیں چلا سکتی۔ مَیں بنی اُمیّہ کی بیٹی ہوں، داشتہ نہیں۔"

مدثرہ تیز تیز قدم اُٹھاتی وہاں سے چلی گئی۔ سلطانہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ زیرِ لب بولی ــــ "تمہیں بتا دوں گی کہ حکم داشتہ کا چلے گا یا بیوی کا۔"

* *

قرطبہ کے قصرِ امارت میں وہ رونق اور وہ گہما گہمی نہیں تھی جو ہُوا
کرتی تھی۔ امیرِ اُندلس عبد الرحمٰن مریدہ میں تھا جہاں اتنا خون بہہ گیا تھا
کہ بعض گلیاں خون کی ندیاں بن گئی تھیں اور وہ میدان جہاں مُفسدوں
اور باغیوں کو قتل کیا گیا تھا خون کی جھیل کی مانند ہو گیا تھا۔ مریدہ کا قلعہ
سَر کرتے اور بغاوت پر قابو پاتے بہت سے مجاہدین شہید ہو گئے تھے
زخمیوں کی تعداد کچھ کم نہ تھی۔ مریدہ لاشوں کا شہر بن گیا تھا اور قرطبہ شہر
پر اس لئے سکوت سا طاری تھا کہ فوج محاذ پر لڑ رہی تھی اور وہاں سے
مختلف خبریں آتی تھیں۔ آخری خبر فتح و نصرت کی تھی۔ لیکن اس میں
بے بنیاد افواہیں بھی شامل تھیں۔ جن کے بیٹے فوج میں تھے وہ دم بخود
تھے۔ اطلاع آگئی تھی کہ فوج امیرِ اُندلس کے ساتھ کل واپس آ جائے گی۔
لوگوں نے اپنے امیر اور اپنی فوج کے استقبال کی تیاریاں کر لی تھیں۔
قصرِ امارت میں بھی استقبال کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھی اور یہ

قصرِ امارت کی بے رونقی کی آخری رات تھی۔ تاریخ کا عظیم موسیقار زریاب
جو قصرِ امارت پر ایک سحر کی طرح چھا گیا تھا، اپنے کمرے میں بربط لئے
بیٹھا تھا۔ بربط مُسلمانوں کا پرانا ساز تھا۔ زریاب نے اس میں ایک تار کا اضافہ
کر کے اس میں طلسماتی سوز و سحر پیدا کر دیا تھا۔ زریاب کی انگلیاں بربط
کے تاروں پر رینگ رہی تھیں اور ان کی گونج سے زریاب خود ہی
بے خود ہُوا جا رہا تھا۔

وہ ایک رومانی گیت گنگنانے لگا۔ یہ گیت اس کا اپنا تھا۔ اس کے
الفاظ اُس کے دل کی گہرائیوں سے نکلے تھے۔ وہ یوں گنگنا رہا تھا جیسے
تار بول رہے ہوں، گا رہے ہوں۔ زریاب نے تاروں کو ترنّم کی آواز
دے دی تھی۔ وہ دروازے کی طرف پیٹھ کئے بیٹھا تھا۔ اس کے نغمہ
بار الفاظ ایک حسین نسوانی پیکر کی صورت میں دروازے میں نمودار ہوئے۔
یہ مجسّم تصوّر زریاب کے گیت جیسا ہی سحر انگیز تھا۔ اگر زریاب اُدھر دیکھتا تو
اسے تصوّر ہی سمجھتا — وہی تصوّر جسے وہ الفاظ اور تاروں کے ترنّم سے
بُن رہا تھا اور اسے اپنی آواز سے سجا رہا تھا — لیکن وہ تصوّر نہیں،
وہ سُلطانہ ملکۂ طروب تھی۔

امیرِ اُندلس قرطبہ میں نہیں تھا اس لئے سُلطانہ اپنے قدرتی روپ
میں تھی۔ اس کے ریشم جیسے ملائم اور چمکدار بال شانوں پر بکھرے ہُوئے
اور دو چار بال گلابی مائل سپید چہرے پر آئے ہوئے تھے۔ اُس نے
غازہ کاجل اور تصنّع کا خول نہیں چڑھا رکھا تھا۔ اُس کے بازو اور کندھے

ننگے تھے اور کاجل کے بغیر آنکھوں کا خمار دیکھنے والوں پر بھی خمار طاری کرتا تھا۔ زریاب کی آواز اور بربط کی گونج نے سُلطانہ کو اور زیادہ مخمور کر دیا۔ وہ دروازے میں ہی رُک گئی۔ اُس پر بڑے ہی حسین خواب کا تاثر طاری ہوگیا۔ اُس نے نہ خود اس خواب سے جاگنا چاہا اور نہ زریاب کو جگانا چاہا۔ اُسے معلوم تھا کہ زریاب کے سامنے گئی تو خواب اور خمار کا طلسم ٹوٹ جائے گا۔

زریاب گیت دُہرا رہا تھا اور اس گیت میں جس عورت کا حسن بیان کیا جا رہا تھا وہ جنّت کی حُور ہو سکتی تھی۔ گیت کے الفاظ سلطانہ کے دل و دماغ کو مسحور کرنے لگے اور اُس کے ذہن میں ایک حسین عورت کا تصوّر نکھرنے لگا۔ جب تصوّر نکھرا تو یہ سلطانہ کا اپنا پیکر تھا — "یہ میں ہی ہو سکتی ہوں.... یہ میرے حُسن اور میری محبت کے گیت گا رہا ہے.... یہ میرے تصوّر کی پوجا کر رہا ہے۔"

سلطانہ ملکۂ طرب کا حُسن غیر معمولی تھا۔ اُس کے قدبت اور چال ڈھال میں وہ تاثر تھا کہ چلتے لوگوں کے قدم رُک جاتے اور اُن کی نظریں گرفتار ہو جاتی تھیں لیکن وہ اپنے آپ کو دنیا کی سب سے زیادہ خوبصورت عورت سمجھتی تھی۔ اس میں خود ستائی تھی اور وہ اپنی پرستش کی قائل تھی۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی کہ شاہِ اُندلس کو اُس نے مسحور کر لیا تھا اور زریاب جیسا موسیقار اس کے گیت گاتا تھا۔ زریاب صرف موسیقار ہی نہ تھا۔ اس کی شخصیت اور اس کی زبان میں وہ جادو تھا جس

نے قرطبہ کی امراء اور رُوساء کی سوسائٹی کا کلچر اور ان کا لباس اور ان کے رہن سہن کے طور طریقے بدل ڈالے تھے۔ زریاب پُل صراط تھا جسے عبور کر کے ہی کوئی آدمی شاہِ اُندلس تک پہنچ سکتا تھا۔ وہ زریاب سُلطانہ کے عشق میں دیوانہ تھا۔

"کیا یہ میری ہی محبت کا گیت گا رہا ہے؟" — سُلطانہ کو خیال آیا — "کوئی اور نہ ہو۔ اُس کی آواز کا سوز اور گداز اس کی روح کی گہرائیوں کا پتہ دیتا ہے۔"

سُلطانہ کو ایک رات یاد آنے لگی۔ اُس رات زریاب کو وہ اپنی جاگیر پر لے گئی تھی۔ رات چاندنی تھی۔ پھولوں کی مہک تھی اور وہ گھاس مخمل جیسی تھی جس پر وہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ چاندنی اور تنہائی رومان جگا رہی تھیں۔ زریاب نے اُسے کہا تھا — "تم میرے پاس ہوتی ہو تو میری شخصیت ختم ہو جاتی ہے۔ مَیں تمہاری ذات میں گم ہو جاتا ہوں" — زریاب نے ہاتھ بڑھا کر سُلطانہ کی کلائی پکڑ لی تھی مگر سلطانہ اس کے قریب آنے کی بجائے پرے سرک گئی تھی۔

"مَیں پیاسا ہوں۔ دُور نہ ہٹا کرو" — زریاب نے تشنہ اور مخمور آواز میں کہا تھا۔

"محبت کے راز کو تم نہ پا سکے" — سُلطانہ نے اُسے کہا تھا — "کیا تم اس تشنگی میں لذّت محسوس نہیں کر رہے؟"

"کیا تم وصال کی لذّت سے آگاہ ہو؟" زریاب نے پوچھا تھا۔

"وصال کی تڑپ میں جو لذت ہے وہ وصال میں نہیں" ——
سلطانہ نے کہا تھا۔

اُس رات کے بعد بھی زریاب نے سلطانہ سے ایسے ہی جذبات کا اظہار کیا تھا۔ سلطانہ نے بڑی شدت سے محسوس کیا تھا کہ زریاب کی موسیقی کی لہریں جیسے اس کے وجود میں سے گزر رہی ہوں اور وہ مسحور ہو کر زریاب کی طرف کھچی جا رہی ہو اور وہ زریاب کے الفاظ کے ترنم اور اس کی محبت سے آزاد ہونے کو تڑپ رہی ہو۔

"محبت گناہ نہیں سلطانہ!" — اُسے اپنے استاد ایلوگیتس کے الفاظ یاد آئے۔ سلطانہ نے اُسے اپنا حالِ دل سناتے ہوئے کہا تھا کہ وہ اس حقیقت کو اب چھپا نہیں سکتی کہ اُس کے دل میں زریاب کی محبت پیدا ہو گئی ہے اور وہ اس کی طرف کھچی جا رہی ہے۔ ایلوگیتس جو عیسائیوں کا مذہبی اور سیاسی لیڈر تھا، سلطانہ کو اپنی سازش کا آلۂ کار بنا چکا تھا۔ اُس نے سلطانہ سے کہا تھا — "محبت گناہ نہیں لیکن جن لوگوں کو اپنی عظمت کا احساس ہوتا ہے وہ اپنے مقصد اور اپنی شخصیت کو ایک آدمی کی محبت پر قربان نہیں کیا کرتے۔ ہم تمہیں ملکہ بنا رہے ہیں۔ میں نے تم میں ملکہ کی عظمت دیکھی ہے مگر اس مقام تک پہنچنے کے لئے تمہیں ناٹک کھیلنے پڑیں گے۔ زریاب پر اپنا طلسم طاری کئے رکھو۔ اسے بیدار نہ ہونے دو۔ اسے اپنے حسن اور محبت کے نشے میں مدہوش رہنے دو۔"

*

آج رات جب زریاب اپنے نغمے سے خود ہی مسحور تھا اور یہ سحر سلطانہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا، وہ سوچ رہی تھی کہ زریاب کو بتا دے کہ وہ اس کی محبت سے بھاگ نہیں سکتی مگر وہ بھاگنے کی کوشش کرنے لگی۔ اسے زریاب کو اپنا محبوب نہیں اپنا حربہ بنانا تھا۔ اُسے ملکہ بننا تھا۔ وہ قلوپطرہ کی طرح دلوں کو روندنے، جذبات کو مسلنے اور انسانوں کو کچلنے کے خواب دیکھ رہی تھی۔ اس کے اندر کوئی جذبات نہیں تھے۔ امیر اُندلس عبدالرحمٰن کو وہ انگلیوں پر نچا لیتی تھی، اپنا جسم بھی اُس کی ملکیت میں دے دیا لیکن دل میں اُس کی محبت پیدا نہیں ہونے دی تھی۔

اسے خیال آیا کہ وہ محبت کے کھیل میں اُلجھ گئی تو اس کے خواب بکھر جائیں گے۔ اُس نے اُندلس کے تخت پر قبضے کا انتظام کر لیا تھا۔ اُس کی کوکھ میں عبدالرحمٰن کا بچہ پرورش پانے لگا تھا۔ وہ خوش تھی۔ بہت خوش تھی کہ وہ اُندلس کے تخت و تاج کے وارث کو جنم دے گی لیکن عیسائیوں کے پیشوا ایلوگیتس نے اُسے یقین دلایا تھا کہ وہ اس سے بہت پہلے اُسے ایک ریاست کی ملکہ بنا دے گا۔ اس کے لئے اسے قصرِ امارت میں یعنی شاہِ اُندلس کے محل میں ایسی سازشوں کا بیج بونا تھا کہ شاہِ اُندلس کے دل سے جہاد نکل جائے اور اس کے سالار اور حاکم اپنے مذہب کو بھول جائیں۔

وہ زریاب کو اس تصور سے جسے وہ اپنا سمجھتی تھی جگانا نہیں چاہتی

بھی بیلن زریاب کے ساتھ اسے کام کی کچھ باتیں کرنی تھیں۔ اگلے روز
شاہِ اُندلس اپنی فوج کے ساتھ واپس آ رہا تھا۔ سلطانہ اور زریاب نے
مریدہ میں بغاوت کرا کے فرانس پر حملہ تُڑوا لیا تھا لیکن شاہِ اُندلس پھر
بھی فتح حاصل کر کے واپس آ رہا تھا۔ اُس نے بغاوت کو باغیوں کے خون
میں ڈبو دیا تھا۔ سلطانہ کو بغاوت فرد ہونے کا افسوس نہیں تھا۔ وہ اپنی شکست
یُوں محسوس کر رہی تھی کہ شاہِ اُندلس عبدالرحمٰن میں تلوار کی محبت ابھی موجود
تھی۔ وہ تو خوش تھی کہ اُس نے اس مردِ مجاہد کے جذبوں پر اپنے حُسن کا
فسوں طاری کر دیا ہے مگر شاہِ اُندلس کی ذات میں جہاد کا جذبہ جوں کا توں
زندہ و پائندہ تھا۔

یہ بھی حقیقت کہ عبدالرحمٰن میں جہاد کا جذبہ زندہ تھا اور اسی
کی جنگی فہم و فراست اور جرأت مندانہ قیادت کا کرشمہ تھا کہ اُس نے مریدہ
کی بغاوت کو مکمل طور پر کُچل دیا تھا اور اُس نے اپنی فوجوں کو سرحد
پر اس طرح پھیلا دیا اور دستوں کو ایسے انداز سے متحرک رکھا تھا کہ فرانس
کے شاہ لُوئی کو حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ عبدالرحمٰن فرانس پر فیصلہ
کُن حملہ کرنے جا رہا تھا۔ اِدھر سے اس کی توجّہ ہٹانے کے لئے مریدہ
میں بغاوت کرائی گئی تھی اور اس بغاوت کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ قرطبہ کی
فوج مریدہ کی بغاوت فرد کرنے میں اُلجھ جائے گی تو فرانس کی فوج عقب
سے حملہ کر دے گی مگر عبدالرحمٰن نے اس خطرے کی پیش بندی
کر لی تھی۔

سلطانہ ملکۂ مطرب زریاب کی مدد لینا چاہتی تھی۔ اُسے ایلوگیتیس
کو جواب دینا تھا۔ اُس نے یہ عقیدہ بنا لیا تھا کہ اُس کا مستقبل ایلوگیتیس
کے ہاتھ میں ہے۔

*

وہ زریاب کی طرف بڑھنے ہی لگی تھی کہ زریاب نے پیچھے دیکھا۔
اُس کی گنگناتی ہوئی آواز خاموش ہو گئی۔ بربط کے تاروں کا لرزہ ڈوبتی
ہوئی گونج بن کر ذرا سی دیر کے لئے سنائی دیتا رہا پھر یہ گونج بھی
خاموش ہو گئی۔

"کیا تم میرا تصور ہو؟" — زریاب نے حیرت زدہ سی سرگوشی کی۔

سلطانہ کا تبسم مسکراہٹ بن گیا۔ زریاب آہستہ آہستہ اُٹھا۔ سلطانہ
تک گیا۔ دونوں ہاتھوں سے اُس کے گال چھوتے پھر ہاتھ میں اس
کے چند ایک بال لے کر مسلے پھر اس کے عریاں کندھوں پر ہاتھ رکھے۔
سلطانہ ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی میں جل ترنگ کا ترنّم تھا۔ زریاب
نے سُلطانہ کو بازو سے پکڑا اور اسے قالین پر بٹھا کر اس کے سامنے
بیٹھ گیا۔

"کبھی کبھی اپنی اور بربط کی آواز مجھے بھی مسحور کر لیا کرتی ہے" —
زریاب نے بے خودی کے عالم میں کہا — "ان تاروں کا ترنّم اور میری
آواز کا سوز تمہارا تصور بن گیا تھا۔۔۔ اور تم آ گئیں۔"

سلطانہ ہنس پڑی اور بولی — "کیا میں ناگن ہوں جو موسیقی کی مدھر

مان پر آجاتی ہوں؟"

"تم ناگن ہو سلطانہ!" — زریاب نے کہا — "اُندلس کی ناگن.... تمہارے زہر میں بھی حُسن ہے، خمار ہے، نشہ ہے...... سلطانہ! میں وہ انسان ہوں جو شاہِ اُندلس عبدالرحمٰن جیسے عالم اور شجاع حکمران پر غالب آگیا ہوں۔ تم دیکھ رہی ہو کہ امراء اور رؤسا میری وساطت سے شاہِ اُندلس تک جاتے ہیں اور عرض مجھ سے کرواتے ہیں مگر تم سامنے آتی ہو تو لگتا ہے جیسے تم نے مجھے ڈس لیا ہے اور مجھ پر تمہارے زہر کا خمار طاری ہو گیا ہے۔"

"لیکن تمہارے نغموں کو میں نہیں ڈسوں گی" — سلطانہ نے کہا — "تم جو چاہتے ہو وہ تمہارے نغموں کی موت ہو گی، پھر اُندلس کی ناگن تمہاری آواز پر نہیں آئے گی نہ جھومے گی، پھر تم ایک ناگن کو ٹوکری میں بند رکھ کر اسے اپنی بے سوز موسیقی کا عادی بناؤ گے اور اپنے آپ کو دھوکہ دو گے کہ یہ ناگن تمہاری موسیقی پر جھومتی ہے" — اُس نے منہ زریاب کے قریب کر کے کہا — "زری آقا! میں تمہاری ہوں۔ تمہاری رہوں گی۔ آؤ ذرا جذبات سے نکل کر دُنیا کی ایک بات کریں" — زریاب پر اپنا سحر طاری کرنے کے لئے وہ اُس کے قریب ہو گئی۔ اتنی قریب کہ اس کے بکھرے ہوئے ریشمی بال زریاب کے گالوں سے چھونے لگے۔ اُس نے کہا — "تمہارے خوابوں پر ایک آسیب منڈلا رہا ہے۔"

"اور وہ مدثرہ ہے" — زریاب نے اس کی بات پوری کرتے ہوئے کہا — "مدثرہ نے شاہِ اُندلس کے سینے میں مردِ مجاہد کو جگا دیا ہے.... یہی کہنا چاہتی ہو نا؟"

"تمہارا یہ دعویٰ غلط ثابت ہو گیا ہے کہ شاہِ اُندلس پر تم غالب ہو" — سلطانہ نے کہا — "وہ تمہارے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔"

"سلطانہ!" — زریاب نے آہ لے کر کہا — "کبھی خیال آتا ہے کہ تمہاری محبت مجھے کسی اور راستے پر لے جا رہی ہے جدھر مجھے نہیں جانا چاہیئے۔ میں موسیقی کا بادشاہ ہوں۔"

"تم غلام ہو" — سلطانہ نے سٹپٹا کر کہا — "تم ایک بادشاہ کے غلام ہو۔ کیا تم بھول گئے ہو کہ حاکم اور سالار تمہیں درباری گویا کہتے ہیں؟ اپنے آپ کو فریب نہ دو زری! میں تمہیں ایک تخت پر بیٹھا ہوا دیکھ رہی ہوں اور میں اپنا آپ اس عرض کے ساتھ تمہارے قدموں میں ڈال رہی ہوں کہ مجھے اپنی ملکہ بناؤ گے؟"

"تم میرے دل کی ملکہ ہو" — زریاب نے مخمور سی آواز میں کہا — "میرے اور قریب آجاؤ۔"

سلطانہ کا تبسم اُس کی طرف بڑھنے لگا۔ زریاب کی نظروں میں سُلطانہ کی آنکھیں پھیلنے لگیں۔ دونوں چہروں پر سُلطانہ کے پُرکشش بالوں نے پردہ ڈال دیا۔ موسیقی کے جادو پر نسوانی حُسن کا طلسم طاری ہو گیا۔ مخمور سی ایک سرگوشی سُنائی دی — "زری! مدثرہ کو راستے سے ہٹاؤ۔"

کچھ دیر بعد وہ آمنے سامنے بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور ان
کے درمیان شراب کے پیالے رکھے تھے۔
"کسی کو راستے سے ہٹانے کا خیال دماغ سے نکال دو" —
زریاب نے کہا — "میں مدثرہ کو اپنے اثر میں لے لوں گا۔"
"تم نے یہ کیوں کہا ہے کہ تم غلط راستے پر جا رہے ہو؟" —
سلطانہ نے ہنس کر پوچھا۔
"میں محسوس کر رہا ہوں کہ میرا راستہ کوئی اور ہے" — زریاب
نے کہا — "تم اپنی خواہشوں اور خوابوں کے راستے پر جا رہی ہو۔
اور مجھے تمہاری محبت اس راستے پر لے جا رہی ہے۔"
"تم دانشمند ہو زری!" — سلطانہ نے کہا — "ہم دونوں مسلمان
ہیں لیکن ہمیں جو نظر آ رہا ہے اس سے ہمیں آنکھیں بند نہیں کرنی
چاہئیں۔ عیسائی جس جذبے اور جس عزم سے اٹھے ہیں اور جو قربانیاں
وہ دے رہے ہیں ان سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اسلام کا پرچم یہاں
سے غائب ہو جائے گا۔ پھر جانتے ہو کیا ہو گا؟ تم درباری گویّوں میں
ایک گویّے ہو گے اور میں عیسائی سالاروں کی داشتہ ہوں گی۔ ایلوگیئس
تمہیں سب کچھ بتا چکا ہے۔ وہ بہت خوش ہے کہ تم نے مسلمان امیروں
وزیروں کا تہذیب و تمدن بدل ڈالا ہے اور انہیں اسلام سے دور
لے جا رہے ہو۔ ہم عیسائیوں سے جو بہت جلد یہاں کے بادشاہ بننے
والے ہیں کیوں دشمنی مول لیں؟ ... ہمیں صرف یہ کام کرنا ہے کہ

شاہِ اندلس کے ذہن کو اپنے قبضے میں رکھیں۔ وہ کل آ رہا ہے۔ مدثرہ
سے کہو کہ اس سے دور رہے۔ وہ مدثرہ کا اثر قبول کرتا ہے۔"
ایک نشہ سلطانہ کے حسن کا تھا، دوسرا نشہ شراب کا تھا۔ رات کی
تنہائی تھی۔ زریاب جو سلطانہ کے سحر میں رہتے ہوئے اپنے سحر کو قائم
رکھنا چاہتا تھا، اپنا آپ گنوا بیٹھا۔
"میں ابھی مدثرہ کے پاس جاتا ہوں۔"

*

خادمہ نے جب مدثرہ کو اطلاع دی کہ زریاب آئے ہیں تو وہ اٹھی
اور دروازے میں جا کر زریاب کا استقبال کیا۔ وہ کچھ حیران بھی ہوئی کہ
یہ شخص اس وقت کیوں آیا ہے۔
"شاہِ اندلس کے انتظار میں لمحے کیسے گزر رہے ہیں مدثرہ؟"
"شاہِ اندلس نہیں" — مدثرہ نے کہا — "امیر اندلس کہیے۔
اسلام میں کوئی بادشاہ نہیں ہوتا۔ محترم زریاب! آپ دانشمند ہیں۔
کیا آپ اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے کہ ایک امیر کو بادشاہ کس نے بنایا
ہے؟ بادشاہ تو خلیفہ بھی نہیں۔ بادشاہی صرف اللہ کی ہے ... فرمائیے،
آج ادھر کیسے آنا ہوا؟"
زریاب جو ہر کسی کے دل پر حکومت کرتا اور اندلس کا بے تاج
بادشاہ تھا، دب سا گیا۔ حسن و ادا میں مدثرہ سلطانہ سے کچھ کم نہیں تھی
لیکن مدثرہ زریاب کو سلطانہ سے زیادہ دلکش نظر آتی۔ وہ مدثرہ کے

کمرے میں ایسے انداز سے داخل ہُوا تھا جیسے مدثرہ امیرِ اُندلس کی
نہیں بلکہ اس کی بیویوں میں ایک عام سی قسم کی بیوی ہو اور زریاب نے
اس کے کمرے میں آکر جیسے اس پر احسان کیا ہو، مگر مدثرہ کا انداز اور
بولنے میں خود اعتمادی دیکھی تو زریاب کو احساس ہو گیا کہ وہ اتنا عظیم
آدمی نہیں جتنا وہ اپنے آپ کو سمجھتا ہے۔

"آپ بیٹھیں گے نہیں؟" — مدثرہ نے کہا۔

"اِدھر سے گذر رہا تھا تو تمہارے پاس آگیا" — زریاب نے
بیٹھتے ہُوئے کہا۔

"محترم زریاب!" — مدثرہ نے کہا — "آپ کی عقل و دانش اور
ذہانت کے سامنے میں کچھ بھی نہیں۔ سورج کے سامنے چراغ جیسی حیثیت
بھی نہیں لیکن کچھ نہ کچھ سمجھ تو لیتی ہوں ..... آپ کے چہرے کا تاثر بتا رہا
ہے کہ آپ اِدھر سے گذرتے میرے پاس نہیں آئے۔ آپ آئے
ہی میرے پاس ہیں۔ کہئے، مَیں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں ..... مَیں
آپ کو یاد دلا دوں کہ مَیں حرم کی عورت نہیں، کسی کی بیوی ہوں ....
امیرِ اُندلس کی بیوی۔"

زریاب ہنس دیا۔ کہنے لگا — "ہر خوبصورت عورت کو یہ وہم ہو جاتا
ہے کہ جس مرد نے اُسے دیکھا ہے کسی اور نظر سے ہی دیکھا ہے۔ تم
یہاں تک تو ٹھیک سمجھی ہو کہ میں ویسے ہی نہیں آگیا، کچھ کہنے آیا ہوں لیکن
یہ تمہارا وہم ہے کہ میں تمہارے خاوند کو غیر حاضر دیکھ کر کسی اور خیال سے

تمہارے پاس آیا ہوں" — اُس نے سوچ کر اور لمبی سانس لے کر کہا
— "مجھے سلطانہ کے ساتھ اتنی ہی دلچسپی ہے جتنی تمہارے ساتھ۔ تم دونوں
میں ایک فرق ہے، مَیں اسے بھی سمجھتا ہوں۔"

"تمہید کی کیا ضرورت ہے محترم زریاب!" — مدثرہ نے کہا —
"آپ فوراً کیوں نہیں کہہ دیتے کہ مجھے سلطانہ اور امیرِ اُندلس کے درمیان
نہیں آنا چاہئے۔ سُلطانہ بڑا ہی خوبصورت ایک شعر ہے۔ وہ آپ کا ایک
گیت ہے جسے جو بھی سُنتا ہے مدہوش ہو جاتا ہے، اور میں ایک حقیقت
ہوں۔ حقیقت سحر اور مدہوشی کو توڑ دیا کرتی ہے۔ امیرِ اُندلس میرے
شوہر ہیں لیکن وہ میری ملکیت نہیں۔ پہلے وہ امیرِ سلطنت ہیں اس کے
بعد کسی کے شوہر ہیں۔ اگر مَیں انہیں سلطنت یا امارت یا خلافت کے فرائض
سے کوتاہی کرتے دیکھوں گی تو اپنا یہ فرض ضرور ادا کروں گی کہ انہیں
ان کے فرائض یاد دلاؤں۔ اگر وہ پھر بھی اپنی روش پر قائم رہیں تو مَیں
انہیں اپنے آپ پر حرام سمجھوں گی۔"

زریاب پر سلطانہ اور شراب کا جو نشہ طاری تھا وہ اُترنے لگا۔

"سلطانہ پر ایسی کوئی پابندی نہیں" — مدثرہ نے کہا — "وہ سراپا
عیش و عشرت ہے اور عیش و عشرت کا ایک بڑا ہی حسین ذریعہ ہے۔"

"یہی اُس کی قوت ہے" — زریاب نے کہا — "اس کا حُسن ایک
مہلک ہتھیار ہے۔ فتنہ جو وہ پیدا کر سکتی ہے وہ تم نہیں کر سکتیں۔ مجھے
تمہاری ذات سے دلچسپی ہے۔ مَیں کہنے یہ آیا تھا کہ سُلطانہ سے دشمنی

مول نہ لو۔ وہ چاہتی ہے کہ امیرِ اندلس کو محاذوں پر مارے مارے نہیں پھرنا چاہیئے۔ وہ فرانس پر حملے کے لئے اپنی فوج روانہ کر رہے تھے۔ خود انہیں یہاں کے امور اور انتظامات کی نگرانی کرنی تھی۔ تم نے انہیں ایسے الفاظ میں بھڑکایا کہ انہوں نے فوج کی کمان اپنے ہاتھوں میں لے لی اور چلے گئے۔ ہم انہیں زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔"

"میں اپنے شوہر کو اس صورتِ حال میں زندہ نہیں دیکھنا چاہتی کہ ہماری فوج فرانس اور گوتھک مارچ اور کفّار کی دوسری متحدہ افواج سے زندگی اور موت کا معرکہ لڑ رہی ہو اور میرا شوہر محل میں ایک موسیقار کے نغموں میں اور ایک حسینہ کے حسن میں مدہوش پڑا ہو۔" — مدثرہ نے کہا — "مسلمان بیٹی کو اپنا سہاگ نہیں اپنی ملت کی آن عزیز ہوتی ہے۔"

"مدثرہ!" — زریاب نے کہا — "میں تمہارے جذبات کی قدر کرتا ہوں۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہمارے پاس ایک سے ایک بڑھ کر قابل سالار ہے۔ عبیداللہ بن عبداللہ کو تم کیا سمجھتی ہو؟ کیا وہ امیرِ اندلس کی قیادت کے بغیر فوج کی قیادت نہیں کر سکتے؟ ... کر سکتے ہیں۔ سالار موسیٰ بن موسیٰ، سالار عبدالرؤف، سالار فرتون نے تاریخ ساز لڑائیاں لڑی ہیں۔ امیرِ اندلس کو جانے کی ضرورت نہیں تھی۔"

جب زریاب بول رہا تھا تو مدثرہ اٹھ کر کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ اس کی چال میں، اس کے انداز میں جلال تھا۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے زریاب کے قریب چلی گئی۔ اس پر ذرا سا جھکی اور جا کے بیٹھ گئی۔

"آپ کی سانسوں میں شراب کی بو اور جسم پر سلطانہ کے عطر کی بو ہے" — مدثرہ نے مسکراتے ہوئے کہا — "جو بات آپ مجھے کہنے آئے ہیں وہ سلطانہ کو خود اگر کہنی چاہیئے تھی لیکن وہ نہیں آئے گی۔ اس کے ساتھ میری بات ہو چکی ہے۔ آپ ایک عظیم انسان ہیں۔ خدا نے آپ کو بڑا اونچا مقام دیا ہے مگر ایک عورت کے حسن اور اداؤں نے آپ کی عقل پر پردہ ڈال دیا ہے ... محترم زریاب! آپ اپنی بات کہہ چکے ہیں۔ اب میرا جواب سن لیں۔ مجھے سلطانہ کی طرح امیرِ اندلس کا دل جیتنے کی ضرورت نہیں۔ اگر ان کے دل میں میری محبت نہ ہوتی تو مجھے اپنے عقد میں نہ لیتے۔ حرم کی دوسری عورتوں اور سلطانہ کی طرح بے نکاحی بیوی یا داشتہ بنائے رکھتے۔ میری دلچسپی اس ایک شخص کے ساتھ نہیں پوری قوم کے ساتھ ہے۔ اندلس میں بغاوتوں کا جو سلسلہ چل رہا ہے اس کے پیچھے فرانس کے شاہ لوئی اور الفانسو کا ہاتھ ہے۔ یہ لوگ اسلام کی بیخ کنی کرنا چاہتے ہیں۔ مریدہ میں بغاوت اس وقت ہوئی جب ہماری فوج فرانس پر فیصلہ کن حملہ کرنے جا رہی تھی۔ یہ ایک سازش تھی۔ کفار نے مریدہ میں بغاوت کرا کے فرانس کو بچا لیا ہے۔ اب شاہ لوئی اور الفانسو اندلس کے عیسائیوں کو مریدہ کے نقصانات کی قیمت ادا کریں گے اور کہیں اور بغاوت کرائیں گے۔ میری نظر ان امور پر اور ان حالات پر ہے۔"

"اپنے ذاتی حالات کا بھی خیال رکھو مدثرہ!"

"محترم زریاب!" ۔۔۔ مدثرہ نے کہا ۔۔۔ "میرے دل میں آپ کی
جو قدر و منزلت تھی اُسے آپ مجروح کر رہے ہیں۔ مَیں نے کہا تھا کہ
آپ کی سانسوں میں شراب کی بُو اور آپ کے جسم پر سلطانہ کے عطر
کی بُو ہے اور آپ کے کندھے پر اتنا لمبا ایک بال جو بازو تک چلا گیا ہے،
یہ سُلطانہ کے سوا اور کس کا ہو سکتا ہے۔"

زریاب نے جلدی سے اپنے ایک پھر دوسرے کندھے کو
دیکھا۔ اس کے سفید لباس پر گہرے بادامی رنگ کا ایک بال صاف
نظر آ رہا تھا۔ اُس نے بال انگلیوں میں پکڑ کر کپڑوں سے الگ کیا اور
فرش پر پھینک دیا۔

"وہ کل آ رہے ہیں" ۔۔۔ مدثرہ نے کہا۔ اب اس کی آواز کچھ بوجھل
ہو گئی تھی ۔۔۔ "کل ہماری فوج واپس آ رہی ہے۔ شہیدوں کی لاشیں اور
زخمی مجاہدین کا قافلہ آ رہا ہے۔ ان میں بہت سی ماؤں کے بیٹے نہیں
ہوں گے۔ ان میں بہت سی بہنوں کے بھائی، بہت سی بیٹیوں کے
باپ اور نہ جانے کتنی بیویوں کے شوہر نہیں ہوں گے۔ وہ گھروں
سے دُور دفن ہوئے ۔۔۔ اور جب وہ کٹ رہے تھے اور جب
اُن کی لاشوں کو گھوڑے روند رہے تھے اُس وقت آپ کی سانسوں
میں شراب کی بُو اور آپ کے جسم پر ایک حسینہ کے عطر کی بُو اور بال
تھا ۔۔۔۔ اور اُس وقت جب اسلام کے عَلَم پر علمبرداروں کے خون
کے چھینٹے پڑ رہے تھے اُس وقت آپ ایک من پسند حسینہ کے پہلو

میں بیٹھے یہ سوچ رہے تھے کہ امیرِ اُندلس پر کس عورت کا قبضہ
ہونا چاہیئے۔"

"مدثرہ!" ۔۔۔ زریاب نے تڑپنے کے انداز سے کہا ۔۔۔ "تم بہت
جذباتی ہو۔ مَیں تمہیں یہ کہنے آیا تھا کہ وہ تمہیں امیرِ اُندلس کی نظروں
میں گرا دے گی۔ وہ بہت کچھ کر سکتی ہے۔"

"مجھے ان وضاحتوں کی ضرورت نہیں محترم زریاب!" ۔۔۔ مدثرہ
نے کہا ۔۔۔ "مَیں سمجھ گئی ہوں۔ آپ کو چاہیئے تھا کہ مجھے دھمکی دیتے۔
مجھے خبردار کرتے کہ میں آپ دونوں کے راستے سے نہ ہٹی تو مجھے قتل
کرا دیا جائے گا لیکن آپ دانشمند ہیں۔ آپ کی زبان میں جادُو کا اثر
ہے، اس لئے آپ نے بڑے اچھے انداز سے بات کی ہے، لیکن
محترم زریاب! جادُو اُس پر اثر کرتا ہے جس کے کردار میں ایمان
کی رمق نہیں ہوتی۔"

زریاب نے مدثرہ کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔ وہ اُسے
سُلطانہ سے کہیں زیادہ حسین اور دِلکش دکھائی دی۔ یہ اُس کی رُوح
کا حُسن تھا جس کی تاب زریاب نہ لا سکا اور وہ محسوس کرنے لگا کہ
اُسے مدثرہ کے پاس سُلطانہ کا پیغام لے کر نہیں آنا چاہیئے تھا۔

"مجھے کسی کا ڈر نہیں" ۔۔۔ مدثرہ کہہ رہی تھی ۔۔۔ "جن نتائج سے
آپ مجھے ڈرا رہے ہیں ان سے میں خوفزدہ نہیں۔ میری زندگی اسلام
کے لئے وقف ہے۔ اس امیر کے لئے جو میرا شوہر ہے میری وفاداری

اُس وقت تک ہے جب تک وہ اسلام کا وفادار ہے..... آپ دانشمند ہیں محترم زریاب! آپ خود بھی سمجھتے ہوں گے کہ مسلمان لڑکیوں نے سُلطانہ بننا شروع کر دیا تو سلطنتِ اسلامیہ سمٹتے سمٹتے خانہ کعبہ تک سمٹ جائے گی. کعبہ اسلام کی واحد یادگار بن کے رہ جائے گا، پھر ایک وقت آئے گا جب غیر مسلم کہا کریں گے کہ یہ اُس قوم کی نشانی ہے جس کی بیٹیاں اپنی تہذیب ترک کر کے عریاں ہو گئی تھیں. حیا اور حجاب سے دستبردار ہو کر مردوں کی تفریح کا ذریعہ بننے میں فخر محسوس کرتی تھیں اور جن بیٹوں کو جنم دیتی تھیں وہ بیٹے حریت اور غیرت سے بھی واقف نہیں ہوتے تھے."

"تم جو کچھ کہہ رہی ہو وہ خود بھی سمجھتی ہو مدثرہ؟"

"مجھے جس نے یہ باتیں بتائی تھیں، اُس نے سمجھا بھی دی تھیں" — مدثرہ نے کہا — "وہ میرا باپ تھا. وہ میرے شوہر کے والد الحکم کے دور میں طلیطلہ کے محاذ پر شہید ہوئے تھے..... محترم زریاب! میں آپ سے کچھ اور بھی کہنا چاہتی ہوں. آپ صرف موسیقار نہیں، خدا نے آپ کو کچھ اور قوت بھی دی ہے. آپ جس کی طرف دیکھتے ہیں وہ بُت بن جاتا ہے. آپ کو خدا نے بے مثال عقل اور فہم و فراست دی ہے. خدا مسحور کرنے والا وصف دے تو دوسروں کو اپنے ذاتی فائدے کے لئے مسحور نہ کرو. خدا غیر معمولی عقل و دانش دے تو دوسروں کو گمراہ نہ کرو. خدا دولت دے تو غریبوں کو کیڑے مکوڑے نہ سمجھو. خدا حکومت

دے تو خدا کے بندوں کو اپنا غلام سمجھ کر انہیں اپنے پاؤں تلے نہ مسلو. خدا عزت دے تو دوسروں کو حقیر نہ جانو."

"تم یہ فلسفہ مجھے کیوں سُنا رہی ہو مدثرہ؟" — زریاب نے جھنجھلا کر کہا — "میں نے تم سے کوئی ناروا بات نہیں کہی. سُلطانہ سے تمہیں خبردار کرنے آیا تھا."

"میں آپ کے چہرے پر تذبذب اور اضطراب دیکھ رہی ہوں" — مدثرہ نے کہا — "میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں امیرِ اندلس سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کروں گی."

"میں دھمکی دینے نہیں آیا تھا" — زریاب نے کہا — "میرے دل میں آپ کی ہمدردی اور احترام ہے" — اور وہ چلا گیا.

*

لوگ اپنی فوج کے استقبال کے لئے شہر سے دُور چلے گئے تھے. ان میں مُسلمان بھی تھے، عیسائی بھی. قرطبہ میں پہلے ہی خبر پہنچ گئی تھی کہ مریدہ میں بغاوت ہو گئی تھی جسے فرو کرنے کے لئے مریدہ کو محاصرے میں لے کر یلغار کرنی پڑی. شہر کے لوگ گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار تھے. وہ نعرے لگاتے ہوئے اپنی فوج کے ساتھ آ رہے تھے. فوج جب شہر میں داخل ہوئی تو سارا شہر نعروں اور داد و تحسین سے لرزنے لگا. عورتوں نے منڈیروں، دروازوں اور بالائی منزلوں کی کھڑکیوں سے پھولوں کی پتیاں برسائیں. امیرِ اندلس عبدالرحمٰن کے گھوڑے کے

پیچھے سُلطانہ، شفا اور رجاریہ الگ الگ بگھیوں میں آ رہی تھیں۔ مدثرہ گھوڑے
پر سوار تھی۔ اس کا گھوڑا عبدالرحمٰن کے گھوڑے سے ذرا ہی پیچھے تھا۔
یہ چاروں جواں سال عورتیں عبدالرحمٰن کی منظورِ نظر تھیں۔ ان
میں صرف مدثرہ اُس کی بیوی تھی۔ یہ چاروں اُس وقت کے رواج کے
مطابق امیر اُندلس کے استقبال کے لئے قرطبہ شہر سے دو اڑھائی
میل دُور چلی گئی تھیں۔ زریاب اور دیگر درباری سب کے پیچھے پیچھے
گھوڑوں پر سوار آ رہے تھے۔

"کوئی خاص واقعہ، کوئی خاص بات؟" — عبدالرحمٰن نے
مدثرہ سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں" — مدثرہ نے کہا — "دعائیں کرتے اور کراتے
دن گذر رہے ہیں ... کیا وہ بدبخت باغیوں کے سردار، ایلوگیئس
ایلیاروا اور محمد بن عبدالجبار نہیں پکڑے جا سکے؟"

"ہاتھ سے نکل گئے" — عبدالرحمٰن نے کہا — "انہیں پکڑنا آسان
نہیں۔ اگر اکثریت مسلمان باشندوں کی ہو تو انہیں پکڑا جا سکتا ہے۔
عیسائی انہیں روپوش کر دیتے ہیں ... زریاب اور سُلطانہ کیسے رہے؟"

"میں نے انہیں نہیں دیکھا" — مدثرہ نے کہا — "میرے دل و
دماغ پر محاذ غالب رہا۔"

زریاب کا گھوڑا سُلطانہ کی بگھی سے تھوڑی ہی دُور تھا۔ سُلطانہ
نے اُدھر دیکھا اور زریاب کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ زریاب گھوڑا

اُس کے قریب لے گیا۔

"دیکھ رہے ہو زری؟" — سُلطانہ نے عبدالرحمٰن اور مدثرہ کی طرف
اشارہ کر کے کہا — "اس نامراد نے یہیں اس کے کان بھرنے شروع
کر دیئے ہیں اور تم کہتے ہو کہ اس سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔"

"کیا بغاوت کا خطرہ ٹل گیا ہے؟" — مدثرہ نے عبدالرحمٰن سے پوچھا

"نہیں" — عبدالرحمٰن نے جواب دیا — "یہ لوگ ہمارا تختہ
الٹنے کے لئے بہت قربانی دے رہے ہیں۔ یہ اتنی آسانی سے
دبنے والے نہیں۔"

"اگر یہاں کے مسلمانوں میں بھی یہی جذبہ پیدا ہو جائے تو بغاوت
کا پتہ قبل از وقت چل سکتا ہے" — مدثرہ نے کہا۔

"ہمیں سب سے زیادہ خطرہ اُن مسلمانوں سے ہے جو تھوڑا ہی
عرصہ پہلے عیسائی تھے" — امیرِ اُندلس نے کہا — "یہ لوگ دوغلے ہیں۔
مولّد ہیں۔ ہمارے لئے فریب بنے ہوتے ہیں۔"

"کفار اپنی خوبصورت لڑکیوں کو کسی اور طریقے سے استعمال کر رہے
ہیں" — مدثرہ نے کہا — "اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں مسلمان
لڑکیوں کو شہر کے اندر جاسوسی اور مخبری کے لئے تیار کر سکتی ہوں۔
انہیں عسکری تربیت بھی دینا چاہتی ہوں۔"

"نہیں۔"

"کیوں؟" — مدثرہ نے پوچھا — "آپ زخمیوں کی مرہم پٹی اور

ان کی دیکھ بھال کے لیے لڑکیوں کو محاذ پر بھی نہیں لے جاتے۔"

"خرابیاں پیدا ہوتی ہیں" ——— عبدالرحمٰن نے کہا اور وہ نعرے لگانے والے شہریوں کی طرف دیکھ کر بازو لہرانے لگا۔

سلطانہ مدثرہ اور عبدالرحمٰن کو باتیں کرتے دیکھ دیکھ کر پریشان ہو رہی تھی۔ اس نے زریاب کو دیکھا۔ وہ پرے چلا گیا تھا۔

*

ایک دو منزلہ مکان کی ایک بالائی کھڑکی میں ایک نوجوان اور بڑی ہی خوبصورت لڑکی کھڑی تھی۔ بعض لوگ امیرِ اندلس اور اس کی فوج سے نظریں ہٹا کر مکانوں کی کھڑکیوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ہر کھڑکی میں ایک ایک دو دو عورتیں کھڑی تھیں۔ لوگوں کی نظریں کھڑکیوں اور دروازوں سے ہوتی ہوئی جب اس کھڑکی پر جاتی تھیں جہاں یہ نوجوان اور خوبصورت لڑکی کھڑی تھی تو نظریں اس پر رک جاتی تھیں۔ یہ لڑکی یوں کھڑی تھی جیسے بت ہو۔ شہر کی دوسری عورتوں کی طرح وہ امیرِ اندلس اور فوج کو ہاتھ نہیں ہلا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کوئی اور ہی تاثر تھا۔ اس نے جب امیرِ اندلس کو دیکھا تو اس کے چہرے پر حقارت کا تاثر آ گیا۔

اسے اپنے کندھے پر کسی کا ہاتھ محسوس ہوا اور اسے لوگوں کے غل غپاڑے، گرجتے ہوئے نعروں اور گھوڑوں کے قدموں کے شور میں آواز سنائی دی ——— "فلورا!"

لڑکی نے آہستہ آہستہ ادھر دیکھا۔ اس کی ماں تھی۔

"تم نے پھول نہیں پھینکے" ——— ماں نے اسے کہا ——— "تم ہاتھ بھی نہیں ہلا رہیں .... فلورا! وہاں سے ہٹ آؤ۔ تمہارا باپ نیچے کھڑا ہے۔ اس نے دیکھ لیا کہ تم شاہِ اندلس کو دیکھ کر نہ پھول پھینک رہی ہو نہ ہاتھ ہلا رہی ہو تو وہ اوپر آ کر قیامت کھڑی کر دے گا۔"

"میں ان لوگوں پر تھوکنا بھی گوارا نہیں کرتی" ——— نوجوان اور حسین فلورا نے کہا ——— "کیا میں اس لیے اس شخص اور اس کی فوج پر پھول نچھاور کروں کہ یہ عیسائیوں کی قتل و غارت کر کے آ رہا ہے؟ کیا یہ ہمارا حق نہیں کہ ہم اپنے مذہب کا تحفظ کریں اور اسلام کو اپنی سرزمین سے نکالیں؟"

"مت بھول جایا کرو کہ تمہارا باپ مسلمان ہے" ——— ماں نے کہا ——— "اگر اسے ذرا سا بھی شک ہو گیا کہ میں نام کی مسلمان ہوں اور تم پر میں نے اسلام کا پردہ ڈال کر اس پردے میں تمہیں عیسائیت کے سبق دیتے ہیں تو وہ ہم دونوں کو قتل کر دے گا۔"

"کیوں؟" ——— فلورا نے سٹپٹا کر کہا ——— "کیوں مجھے عیسائیت کے سبق دیئے تھے؟ اور آج مجھے مسلمانوں سے نفرت کرنے سے روک کیوں رہی ہو؟ اگر میرا باپ تمہارا خاوند نہ ہوتا تو میں اسے قتل کر چکی ہوتی۔ مجھے تمہارے سہاگ کا خیال آتا ہے۔ اسی لئے میں نے اس راز کو سینے میں دبا کے رکھا ہوا ہے کہ میں مسلمان کی بیٹی ہوں لیکن عیسائی ہوں اور یسوع مسیح کے نام پر مر مٹنے کا عہد کر چکی ہوں۔ میں اپنی زندگی عیسائیت کے لئے

وقف کر چکی ہوں۔ تمہیں میرے باپ سے محبت ہے۔ تم ان زنجیروں میں بندھی ہوئی ہو۔ میں آزاد ہوں۔"

"ہاں فلورا!" — ماں نے اُداس لہجے میں کہا — "مجھے تمہارے باپ سے محبت ہے لیکن میں اپنے مذہب کی محبت کو دل سے نکال نہ سکی۔"

*

وہ بات اٹھارہ برس پرانی ہو گئی تھی جب فلورا کی ماں کی عمر اٹھارہ برس تھی۔ اُس وقت اُندلس کا امیر الحکم تھا۔ اُندلس کے ایک قصبے کتلونیہ میں صرف عیسائی آباد تھے۔ وہاں فوج کی گشت کبھی کبھی جایا کرتی تھی کتلونیہ کے لوگ فتنہ ساز اور سازشی تھے۔ اُنہوں نے اُندلس کی فوج کی گشتی پارٹیوں پر تین چار بار دھوکہ دے کر حملے کئے تھے۔ اُس وقت کتلونیہ امارتِ اُندلس کے خلاف مسلح سازشوں اور بغاوتوں کا خفیہ اڈہ بنا ہوا تھا۔

ایک مُسلمان مخبر نے (جس کا نام تاریخ میں نہیں ملتا اور جو آگے چل کر فلورا کا باپ بنا) قرطبہ میں ایک اطلاع دی جس میں ایک بہت بڑی سازش کو بے نقاب کیا گیا تھا۔ یہ اس شخص کا بہت بڑا کارنامہ تھا کہ اس سازش کا تمام تر منصوبہ عیسائیوں کا بہروپ دھار کر معلوم کر لیا اور قصرِ امارتِ قرطبہ میں اطلاع دی۔ فوج فوراً حرکت میں آ گئی اور اس نے بے خبری میں کتلونیہ کے باشندوں کو جا دبوچا۔

اس مُخبر نے فوج کی راہنمائی کی اور سرغنوں کو گرفتار کرایا، لیکن شہری جو پوری طرح مسلح اور بغاوت کے لئے تیار تھے، فوج کے مقابلے میں آ گئے۔ وہاں کی عورتوں نے بھی مسلمان فوجیوں کو گلیوں میں اس طرح مارا کہ چھتوں سے ان پر پتھر اور جلتی ہوئی لکڑیاں پھینکیں۔ سالار نے یہ حال دیکھا تو اس نے فوج کو حکم دے دیا کہ ان کے چند ایک مکانوں کو آگ لگا دو تاکہ یہ خوفزدہ ہو کر ہتھیار ڈال دیں۔

شہریوں کے لڑنے کا انداز اور جوش و جذبہ بتا رہا تھا کہ اُنہوں نے جنگی تربیت حاصل کر رکھی ہے۔ فوراً ہی انکشاف ہُوا کہ شہریوں کے لباس میں فرانسیسی فوج کے بے شمار تجربہ کار فوجی پہلے سے ہی شہر میں موجود تھے۔

مسلمان فوج کو چند ایک مکانوں کو آگ لگانے کا حکم ملا تو اُنہوں نے غصّے میں ایسی آتش زنی شروع کی کہ ذرا سی دیر میں آدھا قصبہ جلنے لگا۔ وہاں کے باشندے باہر کو بھاگے۔ بڑی مشکل سے فوج کو مزید آتش زنی سے روکا گیا۔

دو تین روز بعد کا واقعہ ہے کہ جس مُسلمان نے سازش کی مُخبری قبل از وقت کی تھی وہ کسی کام سے شہر سے نکل گیا۔ وہ پہاڑی علاقے میں سے گزر رہا تھا کہ اسے کسی عورت کی چیخیں سُنائی دیں۔ اُس نے گھوڑے کا رُخ اُدھر کیا اور ایڑ لگا دی۔ اُسے تین آدمی نظر آئے۔ وہ فوجی نہیں تھے۔ وہ ایک جوان اور بڑی ہی خوبصورت لڑکی کے

کپڑے نوچ رہے تھے۔ اِن کے گھوڑے پاس ہی کھڑے تھے۔ اِس شخص نے نیام سے تلوار نکالی اور گھوڑے کو سرپٹ دوڑا دیا۔ وہ تین آدمی اتنی حسین لڑکی کے کپڑے پھاڑنے اور اسے گرانے میں اتنے محو تھے کہ انہیں خبر تک نہ ہوئی کہ ایک گھوڑسوار ہوا کی رفتار سے چلا آرہا ہے۔

گھوڑا قریب آیا تو وہ چونکے لیکن گھوڑسوار کی تلوار کی نوک اُن میں سے ایک کے سینے میں دُور تک اُتر گئی تھی۔ گھوڑسوار نے تلوار برچھی کی طرح ماری تھی۔ گھوڑسوار نے آگے جا کر گھوڑا روکا اور موڑا۔ اُس نے پھر ایڑ لگائی۔ باقی دو آدمی لڑکی کو چھوڑ کر گھوڑوں پر سوار ہو چکے تھے اور انہوں نے تلواریں نکال لی تھیں۔ اب گھوڑسوار اُن کے قریب گیا تو وہ دونوں اُس کے دائیں اور بائیں ہو گئے۔ اکیلے گھوڑسوار نے ایک کو تو تلوار کے بھرپور وار سے گرا دیا مگر دوسرے کی تلوار نے اُس کی پیٹھ پر ایسا وار کیا جیسے اُس کا جسم دو حصوں میں کٹ گیا ہو۔ وہ گرا نہیں اُس نے اپنے آپ کو سنبھالے رکھا۔

وہ آگے جا کر پھر گھوما۔ اب دو میں جو تیغ زنی ہوئی اس میں موت اس شخص کی ہی نظر آتی تھی کیونکہ وہ بہت بری طرح زخمی ہو چکا تھا۔ وہ وار بچانے کی کوشش زیادہ کرتا تھا۔ آخر وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ گھوڑسوار گھوڑے سے کودا لیکن لڑکی نے اُس کے ایک زخمی ساتھی کی تلوار اُٹھالی اور پیچھے سے تلوار اس کی پیٹھ میں اُتار دی ۔۔۔ وہ تینوں

مر گئے لیکن اس لڑکی کو اُن سے بچانے والا شدید زخمی ہو چکا تھا۔

لڑکی نے اپنی اوڑھنی پھاڑ کر اُس کے زخم پر پٹی باندھ دی۔ اس دوران اُس نے روتے ہوئے خوفزدہ آواز میں بتایا کہ وہ عیسائی ہے۔ فوجیوں نے اُس کے گھر کو آگ لگا دی ہے اور اُس کے گھر کا کوئی بچہ بھی زندہ نہیں رہا۔ وہ رات کو قصبے سے بھاگی تھی۔ اندھیرے میں اکیلی رہ گئی اور رات ڈرتے اور کانپتے گزار دی۔ صبح اُس نے اس پہاڑی ویرانے میں اپنے آپ کو تنہا دیکھا۔ وہ اُونچی آواز میں رونے لگی اور چل پڑی۔ یہ تین سوار اِدھر آنکلے۔ انہوں نے اُسے پکڑ لیا۔

اُسے بچانے والے زخمی نے اُس سے پوچھا کہ وہ اب کہاں جانا چاہتی ہے۔ اُس نے بتایا کہ اس کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ زخمی نے اُسے کہا کہ وہ جہاں کہیں جانا چاہے وہ اسے وہاں تک پہنچا دے گا۔ لڑکی کی ذہنی حالت اتنی بُری تھی کہ وہ اس آدمی کے پاؤں میں گر پڑی۔ اس آدمی نے اُسے بتایا کہ وہ مسلمان ہے اور اسے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا۔ لڑکی نے ضد کی کہ وہ اُس کے ساتھ جائے گی۔

"میرے پاس اپنے جسم کے سوا کچھ بھی نہیں" ۔۔۔ لڑکی نے روتے ہوئے کہا ۔۔۔ "میں یہی پیش کر سکتی ہوں۔ اس کے عوض مجھے اپنے ساتھ لے چلو اور مجھے کسی شہر میں کسی پادری کے حوالے کر دینا۔"

"میں گناہ نہیں کروں گا" ۔۔۔ زخمی نے کہا ۔۔۔ "تم مجبور ہو، تنہا ہو، خوف سے مری جا رہی ہو۔ میں تمہارا جسم اس طرح قبول نہیں کر سکتا۔"

میرے ساتھ چلتی ہو تو تمہیں میرا مذہب قبول کر کے میری بیوی بننا پڑے گا۔"

وہ سوچ میں پڑ گئی پھر بولی ——"ہاں، مَیں تمہیں اس قابل سمجھتی ہوں کہ تمہاری بیوی بن جاؤں۔ تم مجھ جیسی خوبصورت لڑکی کے جسم میں ذرا سی بھی کشش محسوس نہیں کرتے۔ مَیں ہر شرط پر تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

زخمی نے دیکھا کہ اس لڑکی کے گلے میں صلیب لٹک رہی تھی۔ اُس نے صلیب کو مٹھی میں لیا اور زور سے جھٹکا دے کر دھاگہ توڑ دیا۔ اب یہ چھوٹی سی صلیب زخمی کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے صلیب زمین پر پھینک کر پاؤں تلے مسل ڈالی اور بولا ——"اب چلو میرے ساتھ۔"

اُس نے تینوں گھوڑے پکڑ لئے۔ ایک پر اس لڑکی کو سوار کیا اور باقی دو کو ساتھ لئے کنٹونیہ کی طرف چل پڑا۔ اُس کے زخم سے خون نکلتا جا رہا تھا اور اُس پر غشی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ کنٹونیہ میں اُس کی مرہم پٹی ہو گئی۔ ایک ماہ بعد جب وہ قرطبہ واپس گیا تو یہ لڑکی مسلمان ہو کر اُس کے عقد میں آ چکی تھی۔

یہ لڑکی عیسائی خاندان کی تھی اور مذہب کی پابند تھی۔ وہ انتہائی خوف اور کسمپرسی کی حالت میں اس شخص کو اپنا آپ پیش کر بیٹھی تھی اور اپنا مذہب ترک کر کے اُس کی بیوی بن گئی تھی مگر اُس کے دل سے اپنے مذہب کی محبت نہ نکلی۔ ں کے ساتھ ہی اس آدمی کی محبت تھی جسے وہ دل

سے نہ اتار سکی۔ یہ نہ ہوتا، یا یہ شخص اپنی جان کی بازی نہ لگا دیتا تو وہ تین وحشی اُس کے ساتھ ایسا سلوک کرتے کہ وہ بہت بُری موت مرتی۔

ایک تو یہ دو محبتیں تھیں جن کے درمیان وہ آگئی تھی، دوسرے اپنوں کی موت کا غم تھا۔ وہ کیسے بھول سکتی تھی کہ اُس کے گھر کو مسلمان فوجیوں نے آگ لگائی اور اُس کے گھر کا بچہ بچہ مسلمانوں کے ہاتھوں مرا تھا۔ اُسے یہ خیال نہیں آتا تھا کہ کنٹونیہ کے شہریوں نے کتنے مسلمان فوجیوں کو مار ڈالا تھا اور عورتوں نے اُن پر چھتوں سے جلتی ہوئی لکڑیاں اور پتھر پھینکے تھے۔

صلیب کو وہ زیور کی طرح اپنے گلے میں ڈالے رکھتی تھی۔ اس صلیب کو اس مسلمان نے جو اُس کا خاوند تھا، اُس کے گلے سے نوچ کر پاؤں میں مسل ڈالا تھا۔ اُس کے دل کو اس ڈر نے اپنی گرفت میں لے لیا کہ صلیب کی توہین کا گناہ اُس کے اپنے سر ہے۔ وہ صلیب کے تقدس کو ناپاک ہوتا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اُس کا پہلے خاوند نہیں تھا۔ اُس کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ وہ اپنے مسلمان خاوند کو دل کی گہرائیوں سے چاہتی تھی اس لئے اُسے بتاتی نہیں تھی کہ وہ مسلمان تو ہو گئی ہے لیکن اُس کا دل اسلام کو قبول نہیں کر رہا۔

*

کوشش کے باوجود وہ دلی طور پر اسلام کو قبول نہ کر سکی اور مؤلّدہ بنی رہی۔ ایک سال بعد اُس نے ایک بچی کو جنم دیا۔ باپ نے بچی کا

نام کچھ اور رکھا۔ یہ نام کسی بھی تاریخ میں نہیں ملتا۔ ماں نے اس کا نام فلورا
رکھا۔ بچی کے باپ نے اعتراض نہ کیا۔ وہ سمجھتا رہا کہ ماں اُسے پیار سے
فلورا کہتی ہے ___ فلورا ہی وہ نام ہے جو تاریخ میں مشہور ہُوا۔

اور فلورا وہ نام ہے جس نے بہت سے افسانوں کو جنم دیا۔ اس
پر ڈرامے لکھے گئے۔ اردو ادب میں فلورا کو مسلمان شہزادوں اور سالاروں
کے عشق میں تڑپتا دکھایا گیا ہے۔ بعض نے اسے قلوپطرہ سے ملایا اور
بعض نے اس کے بے مثال حُسن سے اسلام کی عظمت اخذ کی، مگر حقیقت
کا ان افسانوں اور ڈراموں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ حقیقت یہ تھی جو
غیر مسلم مؤرخوں کے علاوہ مسلمان مؤرخوں کے ہاں بھی ملتی ہے کہ فلورا
اسلام کے خلاف نفرت کی ایک بڑی ہی حسین علامت تھی جس نے اُندلس
کے عیسائیوں کی تحریکِ مؤلدین میں ایک نیا طریقہ پیدا کیا۔ یہ اسلام کے
خلاف نفرت کے اظہار کا ایسا طریقہ تھا جو اختیار کر کے عیسائیوں نے
تھوڑے سے عرصے میں اپنے مذہب پر ہزاروں کی تعداد میں جانیں
قربان کیں۔

فلورا کی ماں سب سے بڑی مؤلدہ تھی۔ بیوی ایک مسلمان کی تھی۔
نام بھی اس کا اسلامی تھا لیکن چوری چھپے کٹر عیسائی تھی اور اُس نے فلورا
کو عیسائیت کی تعلیم و تربیت دی تھی۔

بتایا جا چکا ہے کہ فلورا کی ماں کو فلورا کے باپ نے جس طرح اُن
وحشیوں سے بچایا، خود زخمی ہُوا اور اُسے پناہ دی تھی، اس سے اُس

کے دل میں اس شخص کی محبت اتنی گہری اُتر گئی تھی کہ کوشش کے باوجود
یہ عورت اس شخص کی محبت کو دل سے نکال نہ سکی۔ اس نے یہ کوشش بھی
کی کہ دل سے عیسائیت کی محبت نکال دے۔ وہ کسی حد تک کامیاب بھی
ہوئی مگر اُسے خواب پریشان کرنے لگے۔ اپنا مذہب اُس کے لاشعور میں
اُترا ہُوا تھا۔ اُس نے مذہبی ماحول میں آنکھ کھولی تھی۔ صلیب اُس کا کھلونا
تھا اور پھر صلیب اُس کا معبود بنی۔ اٹھارہ برس کی عمر تک اُس کے بال بال
سے عیسائیت ٹپکتی تھی۔

اُس نے اس مسلمان کے ساتھ شادی کی اور اسی کی ہو گئی مگر جب
اس کی کوکھ میں فلورا پرورش پانے لگی اور اس عورت کو محسوس ہُوا کہ وہ
ماں بننے والی ہے تو یہ اس جسمانی انقلاب کا اثر تھا یا اُس کے ذہن پر کچھ
اور اثر ہو گیا کہ وہ ایک رات سوتے سوتے چیخ مار کر اُٹھ بیٹھی۔ خاوند نے
اُسے بازوؤں میں لے کر بچوں کی طرح بہلایا اور قرآن کی ایک آیت پڑھ
کر اس پر پھونک ماری۔ اس سے بھی کچھ پڑھوایا۔

"آگ لگی ہوئی ہے آگ ہے" ___ وہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے
گالوں پر رکھے اور خوف سے آنکھیں پھاڑے کہہ رہی تھی ___ "اُٹھ کے
دیکھو۔ کسی نے گھر کو آگ لگا دی ہے۔ تمہیں انسانی گوشت کی بُو نہیں آ
رہی؟ ... کوئی جل رہا ہے۔"

وہ جب پوری طرح بیدار ہوئی تو اپنے خاوند کی آغوش میں سر
ڈال کر سسکیاں لینے لگی۔ خاوند نے اُسے کہا کہ اُسے کسی نے بتایا تھا کہ

جوان لڑکی کی کوکھ میں جب پہلے بچے کے آثار نمودار ہوتے ہیں تو لڑکی
پر کچھ ایسے ہی اثرات ہوتے ہیں جیسے تم پر ہوئے ہیں۔ ہونے والی
ماں خوابوں میں ڈرتی اور خاوند کی پناہ میں چھپتی ہے۔

فلورا کی ماں نے اس تاویل کو قبول کر لیا اور اسے اپنے جسمانی
تغیر کا ہی اثر سمجھا لیکن دو چار رات کے بعد اُسے خواب میں گرجے کے
گھڑیال بجتے سنائی دیتے۔ وہ ڈری نہیں۔ گھڑیال کی آواز ماتمی سی تھی۔ پھر
یہ آواز شعلے بن گئی اور اسے دُور سے یہ شعلے دکھائی دیئے۔ وہ اُن کی
طرف چل پڑی۔ شعلوں کی روشنی آسمان پر قرمزی رنگ پیدا کر رہی تھی۔ یہ
رنگ اسے بہت اچھا لگا۔ وہ بڑھتی گئی۔ آسمان کا قرمزی رنگ بہت بڑی
صلیب بن گیا۔ اُس نے چلتے چلتے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔ وہاں چھوٹی
سی چاندی کی خوبصورت صلیب تھی جو اُس کے گلے سے لٹک رہی تھی۔ اُس
نے اس صلیب کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

اور اس کی آنکھ کھل گئی۔ اُس کا ہاتھ اپنے سینے پر کچھ ٹٹول رہا تھا۔
وہاں اب صلیب نہیں تھی۔ اُسے یاد آیا کہ دو چار مہینے ہی گزرے ہیں
جب اس آدمی نے جو اب اس کا خاوند تھا، صلیب اس کے گلے سے نوچ
کر پاؤں تلے مسل ڈالی تھی۔ اُسے افسوس ہوا اور اُس کا دل گھبرانے لگا
جیسے صلیب کی توہین اُس نے اپنے ہاتھوں کرائی تھی۔ آج رات اُس کا
خاوند اُس کے پہلو میں سو رہا تھا اگر اس شخص نے اُس کے ساتھ زبردستی
شادی کی ہوتی تو اُسے وہ سوتے میں قتل کر دیتی اور کسی گرجے میں چلی

جاتی لیکن اس شخص کے خلاف وہ انگلی بھی نہیں اُٹھا سکتی تھی۔

اُس کا ہاتھ ابھی تک اپنے سینے پر تھا اور تاریک کمرے میں ابھی
تک اُسے قرمزی روشنی نظر آ رہی تھی۔ کمرے میں گرجے کے گھڑیال کی گونج
بھی بھٹک رہی تھی۔ اُس کا ہاتھ جو اُس کے سینے پر تھا اس کی شہادت کی
انگلی اپنے آپ اُس کے سینے پر صلیب بنانے لگی۔ انگلی پہلے اُوپر سے نیچے
آئی پھر اس فرضی لکیر کو کاٹتی ہوئی دائیں سے بائیں گئی۔ اُس نے سکون
سا محسوس کیا۔

یہاں سے وہ دو محبتوں میں بٹ گئی۔

ساتویں آٹھویں رات کوئی خواب اُسے یاد دلاتا کہ تم یسوع مسیح
اور صلیب کی پجارن ہو اور تم مسلمان نہیں ہو سکتیں۔ وہ کبھی دیکھتی کہ آگ
لگی ہوئی ہے اور انسان زندہ جل رہے ہیں۔ کبھی گرجا شعلوں کی لپیٹ
میں دکھائی دیتا۔ اُس نے خواب میں یہ بھی دیکھا کہ چاندی کی بنی ہوئی چھوٹی
چھوٹی صلیبیں ایک میدان میں سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں بکھری ہوئی
ہیں اور ایک لشکر گھوڑوں پر سوار اور پیادہ بھی انہیں روندتا گزرتا جا رہا
ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ صلیبیں چُن چُن کر جھولی میں ڈالتی ہے مگر وہ
اُس کی جھولی سے گر جاتی ہیں۔ وہ لشکر کے آگے بازو پھیلا کر کھڑی ہو جاتی
ہے۔ چلا چلا کر لشکر کو روکنا چاہتی ہے مگر اس کی آواز نہیں نکلتی۔ اُس کی
آنکھ کھل جاتی ہے اور وہ اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے سینے پر رینگتا اور
صلیب کو ڈھونڈتا دیکھتی ہے۔ صلیب نہیں ملتی تو وہ انگلی سے اپنے سینے

پر صلیب بناتی ہے۔

اب خواب اُسے پریشان نہیں کرتے تھے۔ اُس نے اپنے خاوند کی اس تاویل کو ذہن سے نکال دیا تھا کہ پہلا بچہ پیٹ میں ظاہر ہوتا ہے تو ہونے والی ماں کو اُلٹے پلٹے خواب نظر آنے لگتے ہیں۔ وہ اب خوابوں کا مطلب سمجھنے لگی تھی، یا انہیں اپنے ذہن لاشعور کے مطابق مطلب دینے لگی تھی۔ اُس کا دل کہتا تھا کہ خوابوں میں تجھے ایک پیغام ملتا ہے۔ اسے سمجھو۔ سے پہچانو۔

اُس نے جب اس پیغام کو اور ان خوابوں کو قبول کر لیا تو اُس نے روحانی سکون محسوس کیا مگر اُس کا خاوند جب اُسے پیار کی نظروں سے دیکھتا تھا تو وہ سب کچھ بھول جاتی تھی۔ اپنے آپ کو اور اپنے خیالوں اور اپنی سوچوں کو بھی بھلا دیتی تھی۔ محبت کی ایسی دیوانگی کہ وہ خاوند کے جسم کا ایک حصہ بن جانے کو بے تاب ہو جاتی تھی — اور یہ وہ کیفیت تھی جو اُسے پریشان کر دیا کرتی تھی۔ شعوری طور پر وہ اس دوغلے پن کو قبول نہیں کرتی تھی مگر مذہب اُس کے خون میں شامل تھا۔ اِسے وہ خون سے اور اپنے ذہن لاشعور سے نکال نہ سکی۔

*

اُس کا خاوند قرطبہ کے نظامِ جاسوسی کا رُکن تھا۔ وہ اکثر گھر سے غائب رہتا تھا۔ اُس کا کام ہی ایسا تھا۔ اُس کی موجودگی میں اُس کی نومسلم بیوی نماز پڑھتی تھی اور اُس سے قرآن کا سبق بھی لیتی تھی لیکن اُس کی

غیر حاضری میں وہ عیسائیت کی عبادت کرنے لگی۔ اُس کے گھر سے تھوڑی ہی دُور ایک گرجا تھا۔ اس کے گھڑیال کی آواز اُسے سُنائی دیا کرتی تھی جب گھڑیال بجتا تو وہ کھڑکی میں جا کھڑی ہوتی اور آنکھیں بند کر کے تصور میں گرجے میں چلی جاتی۔

اُس کے خاوند کے پاس اب دو گھوڑے تھے۔ ایک پہلے ہی تھا۔ دُوسرا اُن تین گھوڑوں میں سے ایک تھا جس کے سواروں کو اُس نے قتل کر کے اس لڑکی کو ان سے چھڑایا تھا۔ یہ گھوڑے اُس کا اپنا مالِ غنیمت تھا۔ دو اس نے قرطبہ لا کر بیچ دیئے تھے اور ایک جو بڑی اچھی نسل کا تھا، اُس نے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔

ایک روز وہ باہر جانے لگا تو اُسے یاد آیا کہ ایک گھوڑے کی نعل بندی ہونے والی ہے۔ اُس نے اپنی بیوی سے کہا کہ وہ چند دن قرطبہ سے غیر حاضر رہے گا اور وہ (بیوی) گھوڑے کو نئے نعل لگوا لے۔ خاوند کے جانے کے بعد وہ گھوڑے پر سوار ہو کر کسی نعل بند کی تلاش میں نکل گئی۔ کسی نے اُسے بتایا کہ ہاشم لوہار بہترین نعل بند ہے۔ وہ اُس کے پاس چلی گئی۔ ہاشم اپنے گھر میں لوہاروں کا کام کرتا تھا۔ تلواریں، خنجر اور برچھیوں کی انیاں بھی بناتا تھا۔ وہ ادھیڑ عمر خوبرو اور گٹھے ہوئے جسم کا آدمی تھا۔ اُس کی زبان میں چاشنی تھی اور وہ شہریوں کے ہر حلقے میں مقبول تھا۔

اس جواں سال لڑکی کو ہاشم نے دیکھا تو اُس سے یہ پوچھنے کی

بجائے کہ وہ کیوں آئی ہے، اُسے دیکھتا ہی رہا۔ لڑکی کے ہونٹوں پر تبسم آگیا۔ ہاشم نے دبے ہوئے سے لہجے میں سوالیہ انداز سے کہا — "عیسائی؟"

لڑکی نے فوراً نہ کہا — "نہیں" — اُس نے ذرا جھجک کر جواب دیا — "نہیں"۔

"تو مسلم؟"

"ہاں" — لڑکی نے جواب دیا۔

ہاشم مسکرایا اور پوچھا کہ وہ کیوں آئی ہے۔

ہاشم کام چھوڑ کر اُٹھا اور باہر جاکر اُس کے گھوڑے کے پرانے نعل اُتارنے لگا۔ وہ کام کے ساتھ ساتھ باتیں بھی کر رہا تھا۔ لڑکی نے دیکھا کہ ہاتھوں کی بجائے اُس کی زبان زیادہ چلتی تھی۔ لڑکی اُس کی باتوں میں دلچسپی لینے لگی۔ کچھ دیر بعد لڑکی نے محسوس کیا جیسے وہ اس لوہار کے اثر تلے آتی جا رہی ہے یا جیسے اسے بہت عرصے سے جانتی ہے۔ بعض لوگوں کا بولنے اور دوسروں میں دلچسپی لینے کا انداز ایسا ہوتا ہے کہ پتھر بھی پگھل جائیں۔ لڑکی اپنے اندر پہلے ہی اضطراب سا محسوس کرتی رہتی تھی جو خاوند اور اپنے پہلے مذہب کی محبت کو بیک وقت سینے سے لگائے رکھنے کا نتیجہ تھا۔ وہ ہاشم لوہار سے اتنی متاثر ہوئی کہ اُس کے ہونٹوں پر آگئی کہ اسے کہے کہ وہ دو محبتوں میں کٹ رہی ہے مگر اُس نے ہونٹ جکڑ لئے کیونکہ ہاشم مسلمان تھا۔

"تم اٹھارہ سال عیسائی رہی ہو" — ہاشم نے کہا — "ایک متضاد مذہب کو قبول کر کے تم نے کیا محسوس کیا تھا؟ فوراً اسلام قبول کر لیا تھا؟"

"ہاں کیوں نہیں؟"

"مَیں تم سے کوئی بھید نہیں لے رہا لڑکی!" — ہاشم نے کہا — "میرے سامنے میرا اپنا تجربہ آگیا تھا۔ مَیں بھی پہلے عیسائی ہوا کرتا تھا۔ ایک وجہ تھی کہ مَیں مسلمان ہوگیا۔ یہ بہت عرصہ پہلے کی بات ہے۔ مَیں مسلمان تو ہوگیا لیکن عیسائیت دل سے اُترتی نہیں تھی۔ بڑی ہی مشکل سے نئے مذہب کو دل پر حاوی کیا۔ رات سوتے ہوئے گرجے کی گھنٹیاں میرے کانوں میں بجتی رہتی تھیں۔"

"مَیں اس تجربے میں سے گزر رہی ہوں" — لڑکی نے کہا — "میرے لئے پریشانی یہ ہے کہ اپنے پہلے مذہب کی محبت دل سے نکل نہیں رہی۔"

ہاشم نے کام چھوڑ دیا اور اُس سے اُس کے خاوند کے متعلق پوچھا۔ لڑکی ناتجربہ کار تھی۔ خاوند نے اُسے بتایا ہی نہیں تھا کہ اُس کے کام اور فرائض کے متعلق کسی کو نہ بتائے۔ وہ مخبر اور جاسوس تھا مگر لوگ اسے منشی سمجھتے تھے۔ لڑکی نے ہاشم کو بتا دیا کہ وہ سرکاری جاسوس ہے۔

"کتلونیہ میں عیسائیوں کی بغاوت کی جاسوسی میرے خاوند نے کی تھی" — لڑکی نے کہا — "اُسے امیرِ اندلس نے بہت انعام دیا ہے۔"

"یوں کیوں نہیں کہتیں کہ کنتونیہ میں عیسائیوں کا قتلِ عام اور آتش زنی تمہارے خاوند نے کرائی ہے" — ہاشم نے کہا۔

"وہ تو ہونی ہی تھی" — لڑکی نے کہا — "عیسائی فوج کے مقابلے پر اُتر آئے تھے۔ ہم جو عورتیں تھیں چھتوں پر چڑھ گئی تھیں اور مسلمان فوجیوں پر جلتی ہوئی لکڑیاں، دہکتے ہوئے انگارے اور پتھر پھینکے تھے۔ فوجی بھی ہمارے ہاتھوں مرے تھے، پھر فوجی کیوں نہ شہریوں کو مارتے؟"

"کیا اُس وقت بھی تمہارے خیالات اور جذبات ایسے ہی تھے؟" ہاشم نے کہا — "تم مسلمانوں کی حمایت کی بات کر رہی ہو۔"

"ہاں" — لڑکی نے کہا — "میں مسلمانوں کے خلاف بات نہیں کر سکتی کیونکہ تم مسلمان ہو، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ میرا جو خاوند ہے اُس نے مجھے تین انسانی درندوں سے بچایا تھا" — اُس نے ہاشم کو سارا واقعہ سُنا کر کہا — "اُس نے میری عصمت پر جان کی بازی لگا دی اور جب میں نے اسے اپنی عصمت پیش کی تو اس نے قبول نہ کی۔ کہنے لگا کہ تم مجبور اور خوفزدہ ہو۔ میرے ساتھ چلنا چاہتی ہو تو میں تمہیں اپنے عقد میں لے لوں گا۔ میں نے اسے دل و جان سے قبول کر لیا۔"

"وہ تمہیں اپنی لونڈی سمجھتا ہو گا۔"

"نہیں" — لڑکی نے کہا — "اپنے دل کی ملکہ۔ میں خوابوں میں ڈر جاتی ہوں نا، تو وہ مجھے اس طرح سینے سے لگا لیتا ہے جس طرح میں بچپن میں کبھی ڈر جایا کرتی تھی تو ماں مجھے اپنی آغوش میں چھپا لیا کرتی تھی۔"

"خواب میں کیوں ڈر جاتی ہو؟" — ہاشم نے پوچھا — "میں بھی نیا نیا مسلمان ہوا تھا تو خواب میں ڈر جایا کرتا تھا۔ ابتدا میں ایسے ہوتا ہے انسان دو مذہبوں کے درمیان بھٹکتا رہتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم اسی کیفیت میں سے گزر رہی ہو۔"

"ہاں میں اسی کیفیت میں سے گزر رہی ہوں۔"

"میرے ساتھ بات کرنے سے نہ ڈرو" — ہاشم نے کہا — "بیشک میں مسلمان ہوں لیکن انسان ہوں۔ دِلوں کا حال تو ہر کسی کا ایک جیسا ہوتا ہے۔ خواہ وہ مسلمان ہو یا عیسائی۔ مجھے اگر تم صرف لوہار نہ سمجھو تو دِل کی بات میرے ساتھ کر لو۔ میں تمہیں اپنے متعلق کچھ بتا دوں تو تم مجھ پر اعتبار کرو گی۔ گھر تمہارا بھی جلا تھا اور گھر میرا بھی جلا تھا۔ میں اُس وقت مسلمان ہو چکا تھا۔ یہ طلیطہ کا واقعہ ہے! میں وہیں کا رہنے والا ہوں۔ اُس وقت امیرِ اُندلس موجودہ امیر کے والد الحکم تھے۔ یہ ۸۱۳ء کا واقعہ ہے۔ طلیطہ کے عیسائیوں نے بغاوت کر دی تھی۔ امیرِ اُندلس الحکم نے بڑا ہی سخت حکم دیا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ شہر کو آگ لگا دو۔ وہی جو تمہارے ساتھ کنتونیہ میں ہوا ہے ....

"مسلمان فوج نے عیسائیوں کے گھروں کو نذرِ آتش کرنا شروع کیا تو میرے گھر میں بھی آ گئے۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں مسلمان ہوں۔ نو مسلم ہوں۔ انہوں نے کہا کہ تم مؤلّد ہو۔ .. مؤلّد کے معنی جانتی ہو نا؟ یہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں دوغلا، یعنی وہ شخص جو ایک مذہب چھوڑ

کر دوسرا مذہب قبول کرے لیکن درپردہ وفاداری پہلے مذہب
کے ساتھ رکھے.....

"میں نے فوجیوں سے کہا کہ میرے گھر کی تلاشی لے لو۔ یہاں
تمہیں قرآنِ کریم کے سوا کسی اور مذہب کا نشان نہیں ملے گا لیکن انہوں
نے مجھے اس وجہ سے مولّد سمجھ لیا کہ بہت سے عیسائی ظاہری مسلمان
تھے لیکن اندر سے عیسائی تھے اور بغاوت انہوں نے ہی کی تھی۔ مسلمانوں
نے میرا بھی گھر جلا دیا۔ میری بیوی تھی۔ دو بچے تھے۔ وہ باہر کو بھاگے
تو بھاگتے دوڑتے گھوڑوں کے قدموں میں روندے اور کچلے گئے۔
میرا واویلا کسی نے نہ سنا۔ میں بے گھر ہو گیا۔ تنہا رہ گیا۔ میں قرطبہ اس
امید سے آیا تھا کہ کسی حاکم سے ملوں گا۔ امیرِ اندلس تک پہنچوں گا اور اس
تک اپنی فریاد پہنچاؤں گا اور اسے کہوں گا کہ مجھ پر ظلم ہوا ہے۔ اس کا
ازالہ کیا جائے۔ کچھ معاوضہ دیا جائے مگر محل تک میری رسائی نہ ہوئی۔
الحکم عیاش بادشاہ تھا اس کا دربار خوشامدیوں سے بھرا رہتا تھا۔ گوّیے
گاتے تو اسی کے گیت گاتے تھے۔ شاعر نظمیں کہتے تو اسے خدا کے
بعد کا درجہ دیتے تھے۔ رعایا مرے یا جیئے۔ اسے پرواہ نہیں تھی۔
مجھے زندہ رہنا تھا۔ لوہاروں کا کام آتا تھا۔ یہی شروع کر دیا۔"

"اب خوش ہو؟" — لڑکی نے پوچھا — "اب مطمئن ہو؟"

"دیکھو لڑکی!" — ہاشم نے کہا — "مجھ سے میرے متعلق اور کچھ
نہ پوچھو۔ تم ایک جاسوس کی بیوی ہو۔ تم نے اپنے خاوند سے ہلکا سا ذکر

بھی کر دیا کہ میں مسلمانوں سے نالاں ہوں تو پکڑا جاؤں گا۔ ہر طرف سازشیں
اور بغاوتیں ہو رہی ہیں۔ جس کسی پر ذرا سا شک ہوتا ہے اسے پکڑ
لیتے ہیں..... ایک بات کا خیال رکھو۔ تم نے مجھے یہ بتا کر غلطی کی ہے
کہ تمہارا خاوند جاسوس ہے۔ جاسوس اپنے اوپر پردہ ڈالے رکھتے
ہیں۔ اب اسے یہ نہ بتانا کہ تم نے مجھے اس کے متعلق بتایا ہے۔ کسی اور
کو پتہ نہ چلنے دینا کہ تمہارا خاوند جاسوس ہے..... میں تمہیں کہہ رہا تھا
کہ دل کی جو بات اپنے خاوند کے ساتھ نہ کر سکو وہ میرے ساتھ کر لیا
کرو۔ میں تمہیں اپنی بیٹی بھی سمجھوں گا بہن بھی۔ میں خود زخم خوردہ ہوں۔
تمہارے دل کا حال صرف میں جانتا ہوں۔"

"کہیں تم میرے خاوند کو تو نہیں بتا دو گے کہ میں نے اس کے
متعلق تمہیں کچھ بتایا تھا؟"

"میں تمہیں دھوکہ نہیں دوں گا" — ہاشم نے کہا — "میں تمہیں
مشورہ دیتا ہوں کہ میرے پاس آتی رہا کرو۔ میں اکیلا رہتا ہوں۔ دنیا
میں میرا کوئی نہیں۔ سچ پوچھو تو میرا مذہب بھی کوئی نہیں۔ مسلمانوں نے
میرے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس سے میں بیزار ہو گیا ہوں۔ مذہب
کی پابندیاں صرف رعایا کے لیے ہیں۔ حکمران اپنے آپ کو ان پابندیوں
سے آزاد رکھتے ہیں۔ مسلمانوں میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔ اندلس فتح کرنے
والوں نے کہا تھا کہ اسلام کو سارے یورپ میں پھیلا دیں گے لیکن یہ
لوگ اندلس میں بھی نہیں ٹھہر سکیں گے۔"

یہ نومسلم لڑکی جب وہاں سے گھر گئی تو وہ محسوس کر رہی تھی کہ ہاشم واقعی صرف لوہار نہیں۔ اس کی شخصیت میں کوئی تاثر ایسا ہے جو کبھی عام آدمی میں نہیں ہوتا۔

*

ہاشم کا ذکر تاریخوں میں آیا ہے۔ وہ واقعی اوسط درجہ انسانوں سے بلند دماغ انسان تھا۔ وہ مولد نہیں تھا لیکن مسلمانوں کے غیر اسلامی سلوک نے اسے اسلام سے بیزار کر دیا تھا۔ اُس کے پاس گھوڑوں کی نعل بندی کے لئے لوگ آتے ہی رہتے تھے۔ ان میں عیسائی بھی ہوتے تھے مسلمان بھی۔ اُس نے عیسائیوں میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ چند ایک رازدان مل گئے تو اُس نے عیسائیوں کی ایک خفیہ جماعت بنالی جو تحریک مولدین کا ایک بازو بننے لگی۔ ہاشم نے اپنی جماعت کے ہر رکن کو فلورا کے مسلمان باپ کے متعلق بتا دیا کہ اُس سے بچ کے رہیں، وہ جاسوس اور مخبر ہے۔

فلورا کی ماں اس کے پاس جاتی رہی اور اسے پیروں کی طرح ماننے لگی۔ اُس نے ہاشم کو اپنے دل کا حال بتا دیا اور یہ بھی کہ وہ کوشش کے باوجود اسلام کو دل میں نہیں بٹھا سکی۔

"میرے خواب محض خواب نہیں" — اُس نے ہاشم سے کہا — "یہ بڑے واضح اشارے ہیں۔"

"ہاں، یہ اشارے ہیں" — ہاشم نے اُسے کہا — "لیکن اپنے

خاوند کو پتہ نہ چلنے دینا کہ تمہارے دل میں اسلام کی محبت نہیں —

پھر ایک اور ملاقات میں ہاشم نے اسے کہا — "تم اب اس خاوند سے آزاد نہیں ہو سکتیں۔ آزاد ہونے کی کوشش کرو گی تو قتل ہو جاؤ گی۔"

"میں اس خاوند سے آزاد نہیں ہونا چاہتی" — لڑکی نے کہا — "اس شخص کے ساتھ مجھے اتنی ہی محبت ہے، جتنی عیسائیت کے ساتھ میں اس کے ساتھ رہ کر عیسائیت کی نجات کے لئے کچھ کرنا چاہتی ہوں ورنہ یہ خواب مجھے پاگل کر دیں گے۔"

"تم پہلے بچے کو جنم دینے والی ہو۔ یہ لڑکا ہو یا لڑکی، اسے خاوند سے چوری چھپے عیسائیت کی تعلیم و تربیت دینا" — ہاشم نے اُسے کہا — "اس کے دل میں مسلمانوں کی نفرت پیدا کر دینا اور اسے اس کے حال پہ چھوڑ دینا۔ اس کے بعد پیدا ہونے والے بچوں کے ساتھ یہ خطرہ مول نہ لینا، ورنہ ان کے باپ کو پتہ چل جائے گا جو تمہارے لئے بہت بُرا ہو گا۔ جس بچے کو تم عیسائیت کی تعلیم و تربیت دو گی، وہ اپنا راستہ خود بنائے گا اور تمہاری رُوح کو تسکین ہو جائے گی۔ .... تم عیسائیت کے لئے ایک کام کر سکتی ہو۔ تمہارا خاوند سرکاری جاسوس ہے۔ تم اس کی جاسوسی کرو۔ اُس کی رازدان بن جاؤ۔ اس سے پوچھتی رہا کرو کہ اُس نے کوئی نئی بات یا عیسائیوں کا کوئی نیا راز معلوم کیا ہے؟ اگر اُس کی مخبری میں ہمارا ذکر آجائے تو ہمیں قبل از وقت اطلاع دے دینا۔"

ہاشم کی ان باتوں سے وہ روحانی تسکین محسوس کرنے لگی۔ اس

کا خاوند جو تجربہ کار جاسوس تھا اور جس کی نظریں زمین کے نیچے بھی چلی جاتی تھیں، اُسے شک تک نہ ہُوا کہ اُس کے اپنے گھر میں اس کی محبت کے پردے میں اسلام کے خلاف فتنہ سر اُٹھا رہا ہے۔

*

فلورا پیدا ہوئی۔ کسی بھی تاریخ میں اُس کا وہ اسلامی نام نہیں ملتا جو اُس کے باپ نے رکھا تھا۔ فلورا کا جب شعور بیدار ہُوا تو ماں نے اُسے بتانا شروع کر دیا کہ سچّا مذہب یسوع مسیح کا ہے اور اسلام کوئی مذہب نہیں۔

فلورا ایک سال کی تھی تو اُس کا ایک بھائی پیدا ہُوا اور اس کے دو سال بعد ایک اور بچّی پیدا ہوئی۔ بھائی کا نام بدر تھا۔ اس نے بچپن سے ہی اپنے باپ کا اثر قبول کرنا شروع کر دیا۔ ماں نے زیادہ تر توجہ فلورا پر مرکوز رکھی۔

تیرہ چودہ سال کی عمر میں فلورا کے دل میں مُسلمانوں کے خلاف اتنی نفرت بھر چکی تھی کہ اس نے اپنے باپ کو باپ اور بھائی کو بھائی سمجھنا چھوڑ دیا تھا۔ ماں اُسے مُسلمانوں کے ظلم و تشدّد کی کہانیاں سُنایا کرتی تھی جو وہ عیسائیوں پر کرتے چلے آرہے تھے۔ اُسے وہ اپنے خواب بھی سنایا کرتی تھی جو اُس نے مسلمان ہو کر دیکھے تھے۔ فلورا کو وہ باہر نہیں جانے دیتی تھی۔ اُسے ڈر تھا کہ وہ ماں کا راز فاش کر دے گی۔ اڑوس پڑوس کے لوگ فلورا کے کُنبے کو مسلمان سمجھتے تھے۔

اب وہ فلورا اٹھارہ برس کی خوبصورت لڑکی بن چکی تھی۔ وہ کھڑکی میں کھڑی امیرِ اندلس عبدالرحمٰن اور اس کی فوج کو نیچے گذرتا دیکھ رہی تھی اور بہت سے لوگوں کی نظریں اُس کے حسین چہرے پر رُک کر جم جاتی تھیں۔ اُس کے چہرے پر نفرت اور غصّے کے تاثرات گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ ماں اُسے کہہ رہی تھی کہ وہ بھی فوج پر پھول پھینکے اور ہاتھ ہلائے جس طرح دُور سے دوسری عورتیں فوج کی بلائیں لے رہی ہیں۔ ماں نے اُسے کہا کہ اُس کا باپ کہیں نیچے ہوگا۔ اُس نے دیکھ لیا تو قیامت کھڑی کر دے گا لیکن فلورا ماں پر برس پڑی اور بولی کہ میں ان پر اس لئے پھول نچھاور کروں کہ یہ مریدہ میں عیسائیوں کا قتلِ عام کر کے آئے ہیں؟

ماں اُسے کہہ رہی تھی کہ وہ اپنے غصّے پر قابو پائے لیکن جو آگ ماں نے اپنے ہاتھوں لگائی تھی اسے وہ بجھا نہیں سکتی تھی۔ نفرت جو ابلیس نے خود اس کے خون میں شامل کی تھی اسے وہ دبانے سے قاصر تھی۔

"ماں!" — فلورا نے کھڑکی بند کر کے ماں سے کہا — "میں اب اس گھر میں نہیں رہ سکتی۔"

"اری بیوقوف!" — ماں نے کہا — "تو جائے گی کہاں؟"

"کسی گرجے میں چلی جاؤں گی" — فلورا نے جواب دیا — "اگر میں اس گھر میں رہی تو اپنے باپ کو اور اپنے بھائی کو قتل کر دوں گی۔"

ماں نے اُس کے منہ پر بڑی زور سے تھپڑ مارا اور کہا — "کیا میں نے عیسائیت کی تعلیم تجھے اس لئے دی تھی کہ تو اپنے باپ اور بھائی کو قتل کرنے کی باتیں کرے۔"

"ہاں، ہاں" — فلورا نے بھڑک کر کہا — "یہ تعلیم بھی مجھے تم نے ہی دی تھی کہ مسلمان درندے اور لٹیرے ہیں اور وہ عیسائیوں کے دشمن ہیں۔"

ماں کے آنسو نکل آئے۔ اُسے اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا۔

"میں نے تجھے عیسائی اس لئے بنایا تھا کہ درپردہ تجھے کسی عیسائی کے ساتھ بھگا دوں گی اور تو اُس کے ساتھ شادی کرے گی" — ماں نے کہا — "میں اپنی ایک نسل کو عیسائیت کے راستے پر ڈالنے کا ارادہ کئے ہوئے تھی۔ تو مجھے اپنے باپ سے طلاق دلائے گی۔"

"میں عیسائی ہوں ماں! میں عیسائی ہوں" — فلورا نے کہا — "یہ مسلمانوں کا گھر ہے۔ مجھے اس گھر سے نفرت ہے۔"

کمرے میں ایک مرد کی گرج سنائی دی — "کیا کہا تو نے؟ تو عیسائی ہے؟"

ماں بیٹی نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہاں فلورا کا چھوٹا بھائی بدر کھڑا پھنکار رہا تھا۔ ماں بیٹی کو پتہ نہ چل سکا تھا کہ وہ اُوپر آرہا ہے۔ اُس نے ماں کی کوئی بات نہیں سُنی تھی۔ وہ فلورا کی یہ بات کہ میں عیسائی ہوں، سُن کر گرجا تھا۔ اُس کی عمر سترہ سال ہوگئی تھی اور وہ اس عمر میں بڑا خوبرو جوان ہوگیا تھا۔ ماں دونوں کے درمیان آگئی۔

"یہ کسی اور کی بات کر رہی ہے بیٹا!" — ماں نے بدر سے کہا — "میں تجھے بتاتی ہوں ...."

"اسے میں بتاتی ہوں" — فلورا نے کہا — "تم جھوٹ بولو گی ماں!" — اُس نے بدر سے مخاطب ہو کر کہا — "میں عیسائی ہوں۔ میں اپنے مذہب کے قاتلوں کا مذہب اختیار نہیں کر سکتی" — اُس نے اسلام کے خلاف بڑے ہی توہین آمیز الفاظ کہہ ڈالے۔

بدر نے بڑھ کر اُس کے منہ پر اس قدر زور سے تھپڑ مارا کہ وہ دیوار سے جا لگی اور تیورا کر گری۔ وہ عورتوں کی طرح روئی نہیں۔ وہ فوراً اُٹھی اور دوسرے کمرے کی طرف دوڑی۔ اُس کمرے میں ایک تلوار اور دو برچھیاں رکھی تھیں۔ بدر اُس کے پیچھے گیا۔ فلورا تلوار نیام سے نکال رہی تھی۔ بدر نے اُس کے ہاتھ سے تلوار اور نیام چھین کر اُسے اتنا پیٹا کہ وہ پلنگ پر گر پڑی۔ ماں اور فلورا کی چھوٹی بہن جس کی عمر پندرہ سال تھی، بدر پر قابو نہ پا سکیں۔ فلورا نیم بیہوش پڑی تھی۔ ماں اُس کے اُوپر گر پڑی۔

*

بدر نے ماں کو ساتھ لیا۔ اس کمرے کے دروازے کی باہر سے زنجیر چڑھا دی اور ماں کو اپنے سامنے بٹھا لیا۔

"ماں!" — اُس نے کہا — "اس کے دل میں عیسائیت کی اتنی شدید محبت کہاں سے آئی ہے؟ تم ضرور جانتی ہو ماں! ماں اپنی بیٹی کی رازدار ہوتی ہے" — اُس نے اپنی بہن سے پوچھا — "تم کچھ بتا سکتی ہو؟"

بہن نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ ماں نے بھی ایسا ہی جواب دیا کہ اسے معلوم نہیں۔

"کیا میرے باپ کو اتنے سے جواب سے راضی کر لو گی کہ تمہیں کچھ بھی معلوم نہیں؟"۔ بدر نے کہا۔ "اس کی درپردہ ملاقاتیں کسی عیسائی سے ہوتی ہیں۔ اگر اس کی محبت کسی مسلمان سے ہوتی تو وہ اسے بتاتا کہ عیسائیوں کا قتلِ عام کیوں ہوتا ہے، اور یہ قتلِ عام نہیں ہوتا اسے لڑائی کہتے ہیں۔ وہ اپنے مذہب کے لئے لڑتے ہیں ہم اپنے مذہب کے لئے لڑتے ہیں۔ جیسے ہتھیار اُن کے پاس ہیں ویسے ہماری فوج کے پاس ہیں۔ مریدہ میں کیا ہوا تھا؟ تم نے مجھے اپنے آبائی قصبے کنکونیہ کی کہانی سنائی تھی۔ وہاں لڑائی کس نے شروع کی تھی؟ اس سے پہلے طلیطلہ میں کیا ہوا تھا؟.... ہم مسلمان ہیں ماں! مسلمان کا فرض ہے کہ اسلام کو پھیلائے۔ مسلمان کو قرآن نے حکم دیا ہے کہ کفر کا فتنہ ختم کرنے کے لئے لڑو اور اس وقت تک لڑو جب تک یہ فتنہ زندہ ہے۔"

ماں نے رونے کے سوا کوئی جواب نہ دیا۔

"باپ کل صبح واپس آ جائے گا"۔ بدر نے ماں سے کہا۔ "اس کے آنے تک اسے اندر ہی بند رہنے دو۔"

اُسی رات کا واقعہ ہے۔ فلورا اسی کمرے میں بند تھی۔ شام کو چھوٹی بہن اس کے لئے کھانا لے کر گئی تھی جو اُس نے یہ کہہ کر واپس کر دیا تھا کہ اس گھر کے پانی کو بھی وہ حرام سمجھتی ہے۔ اُس نے ماں کے ہاتھ سے

بھی کھانا قبول نہیں کیا تھا۔ وہ سو بھی نہیں سکی تھی۔ رات آدھی گذری تو فلورا پلنگ سے اُٹھی۔ اس نے بند دروازے کے ساتھ کان لگا دیئے۔ دوسرے کمرے میں اُس کی ماں، بھائی اور بہن گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔

اُس نے کھڑکی کھولی۔ یہ دوسری منزل کی کھڑکی تھی۔ وہاں سے نیچے اُترنا اُس کے لئے بہت ہی مشکل تھا۔ کھڑکی کے نیچے منڈیر سی کچھ بڑھی ہوئی تھی۔ جس پر بمشکل پاؤں ٹک سکتا تھا۔ فلورا کو مرنے کا ڈر نہیں تھا۔ وہ عہد کر چکی تھی کہ مسلمانوں کے خلاف موت سے کھیل جائے گی۔ اُس نے پاؤں منڈیر کے ذرا ذرا بڑھے ہوئے پتھروں پر رکھے اور دیوار کے ساتھ چپکی ہوئی ایک طرف چل دی۔ دیوار کے پتھروں کے درمیان انگلیاں پھنسا پھنسا کر وہ سرکتی گئی۔ ساتھ کے مکان کی ایک ہی منزل تھی۔ وہ اس کی چھت پر پہنچ گئی۔ اب یہاں سے اُترنے کا مسئلہ تھا۔

اُس نے اُوپر سے صحن میں دیکھا۔ لکڑی کی ایک سیڑھی موجود تھی۔ چاندنی پُورے چاند کی تھی۔ فلورا کو معلوم تھا کہ ساتھ والے مکان میں کون رہتا ہے۔ ایک ضعیف العمر عربی مسلمان، اس کا جوان بیٹا اور اس کی بیوی رہتے تھے۔ فلورا کو ڈر اس جوان آدمی کا تھا۔ وہ اپنے کپڑوں کے نیچے ایک لمبا خنجر اُڑس لائی تھی لیکن اُس کے لئے اس جوان آدمی کا مقابلہ خطرناک تھا۔

یہ خطرہ اچانک اور غیر متوقع طور پر سامنے آ گیا۔ یہ جوان آدمی شاید چھت پر کسی کے قدموں کی آہٹ پر جاگ اٹھا تھا، یا ویسے ہی اسے باہر نکلنا تھا۔ وہ صحن میں آ گیا اور اس نے اُوپر دیکھا۔ پیشتر اس کے کہ فلورا پیچھے

ہنسی اس جوان نے اُسے دیکھ لیا اور یہ بھی دیکھ لیا کہ وہ مرد نہیں کوئی عورت
ہے۔ وہ سیڑھی پر چڑھنے لگا۔ فلورا چکرا گئی۔ بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔
اچانک ایک خیال نے اُسے حوصلہ دیا۔ وہ آدمی سیڑھی چڑھ رہا تھا۔
فلورا دبے پاؤں تیز تیز سیڑھی کی طرف گئی۔ گھٹنے منڈیر پر رکھ کر جھکی اور
ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اس آدمی کو سرگوشی میں کہا ـــ "اونچی آواز نہ نکالنا۔
میں فلورا ہوں۔"

"فلورا؟" ـــ وہ جہاں تھا وہیں رُک گیا ـــ "تم اس وقت یہاں کیا
کر رہی ہو؟"

"اوپر آجا بیوقوف!" ـــ فلورا نے کہا ـــ "منہ بند رکھ۔"

فلورا کو یاد آگیا تھا کہ وہ غیر معمولی طور پر حسین لڑکی ہے اور اس
جیسے جوان اسے گھور گھور کر دیکھتے رہتے ہیں۔ اُس نے اسے بھی دیکھا
تھا کہ وہ اُسے بھوکی پیاسی نظروں سے دیکھا کرتا تھا۔ اب آدھی رات کو فلورا
اس کے رحم وکرم پر تھی۔ وہ اوپر آگیا۔

"کیوں آئی ہو؟"

"تم سے ملنے" ـــ فلورا نے کہا اور اس کا ایک ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں
میں لے کر چوم لیا، پھر جذباتی لہجے میں بولی ـــ "اپنے دل پر بہت پتھر رکھے
ہیں لیکن تمہاری محبت کو دبا نہ سکی۔ ابھی ابھی خواب میں تمہیں دیکھا ہے۔ آنکھ
کھلی تو دل سخت گھبرایا ہوا تھا۔ معلوم نہیں وہ کیا چیز تھی جس نے مجھے اٹھا کر
تمہاری چھت پر کھڑا کر دیا ہے ..... آؤ، میرے قریب آجاؤ۔"

فلورا کی جوانی اور اس کا حسن معمولی سا نہیں تھا۔ اس جوان آدمی کی عقل
اُس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ اُس نے فلورا کو بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا۔
فلورا نے اپنا سر اس کے سینے سے لگا لیا۔ جوان مرد کے گالوں نے جب فلورا
کے ریشم جیسے بالوں کا لمس محسوس کیا تو وہ ہوش وحواس کھو بیٹھا۔ فلورا نے
اسے کہا کہ چلو باہر چلیں، میرے گھر کا کوئی فرد جاگ اٹھا تو مصیبت آجائے گی۔
دونوں سیڑھی سے اُتر گئے۔

*

اس جوان مسلمان نے نہایت احتیاط سے دروازہ کھولا۔ اس کے
بوڑھے باپ اور اس کی جوان بیوی کو خبر تک نہ ہوئی۔ وہ آگے آگے باہر نکلا۔
فلورا بعد میں نکلی اور اس نے کواڑ بند کر دیئے۔ باہر ہُو کا عالم تھا۔ دونوں اپنے
مکانوں سے دُور نکل گئے۔ آگے کچھ علاقہ غیر آباد تھا۔

"کہاں چلیں؟" ـــ اُس نے فلورا سے پوچھا۔

"اُس طرف" ـــ فلورا نے ایک طرف اشارہ کیا۔

وہ اُس طرف چل پڑا۔ فلورا ایک دو قدم پیچھے تھی۔ اُس نے نیفے سے
خنجر نکالا اور آگے بڑھ کر اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اُسے اپنی طرف گھمایا۔
وہ گھوما ہی تھا کہ فلورا کا خنجر اُس کے دل میں اُتر گیا۔ وار اتنی زور سے کیا گیا تھا
کہ فلورا کو خنجر باہر نکالنے کے لئے پورا زور لگانا پڑا۔ اس جوان کی آواز بھی نہ
نکل سکی۔ اس نے زخم پر ہاتھ رکھا۔ دوہرا ہوا اور گر پڑا۔

"مجھے تم سے نفرت ہے ..... نفرت ..... نفرت" ـــ فلورا نے خون آلود

خنجر کپڑوں کے نیچے نیفے میں اُڑس کر اُس کی لاش کو ٹھوکر ماری اور تیز تیز چل پڑی۔

امیرِ اُندلس کے محل میں آدھی رات کو بھی رات نہیں آئی تھی۔ اندر رنگ برنگے فانوسوں نے اور باہر چراغاں نے رات کو دن بنا رکھا تھا۔ سب سے پہلے تین چار شاعروں نے باری باری امیر عبدالرحمٰن کے قصیدے پڑھے اور اُسے ہفت اقلیم کا شہنشاہ کہا۔ اُس کی تلوار کو حضرت علیؓ کی تلوار سے جا ملایا اور کہا کہ یہودی اور نصرانی تیرے سامنے کیڑے ہیں اور تو انہیں کچلتا اور مسلتا ہوا گذر رہا ہے۔ ایک نے کہا کہ جس نے سر اُٹھایا، وہ سرتن سے جدا ہو گیا۔ تو اگر بُت ہوتا تو ہم تیری عبادت کرتے۔

پھر خوشامدیوں نے قطار میں آ کر تحفے پیش کئے۔ اُس کے ہاتھ چومے اور بعض نے اُس کے جوتوں کو چوم لیا۔ اس کے بعد نیم عُریاں لڑکیوں نے رقص پیش کیا۔ ان کے صرف ستر ڈھانپے ہوئے تھے۔ باقی جسم اگر ڈھانپے ہوئے تھے تو وہ اُن کے کھلے ہوئے بالوں نے ڈھانپ رکھے تھے۔ اُن کے جسم، اُن کے بال اور اُن کا رقص فطرت کو گناہ کی طرف مائل کرتا تھا۔ موسیقی زریاب کی تھی۔

عبدالرحمٰن کے دائیں ہاتھ سُلطانہ اور بائیں مدثرہ بیٹھی تھی۔ اُن کے ساتھ دوسری بیویاں اور حرم کی منتخب عورتیں بیٹھی تھیں۔ جشن کی اس محفل میں تمام سالار موجود تھے اور وہ اپنے امیر کو دیکھ رہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ عبدالرحمٰن کوئی اور ہو۔

"اس شخص کو ہم محاذ پر ہی رکھا کریں"۔ سالار عبدالرؤف نے اپنے ساتھی سالاروں سے کہا۔

"اس کے پاس اتنی عیاشی اور ان خرافات کا وقت ہی نہیں ہونا چاہیئے" — سالار عبید اللہ بن عبداللہ نے کہا — "یہ شاعر اور یہ چاپلوس لوگ اس ایک شخص پر اپنے الفاظ کا جادو طاری کر کے تمام تر عالمِ اسلام کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔ ہمارا دشمن بھی ہماری طرح جاگ رہا ہے لیکن وہ عیش و عشرت کی بجائے یہ سوچ رہا ہے کہ اب وہ کس طرف سے وار کریں"۔

"مجھے شک ہے اب طلیطلہ میں عیسائی اٹھیں گے"۔ سالارِ موسیٰ بن موسیٰ نے کہا — "ہمیں سوچنا پڑے گا کہ بغاوتوں کے اس سلسلے کو کس طرح ختم کیا جائے"۔

"علاج ایک ہی ہے"۔ سالارِ اعلیٰ عبید اللہ نے کہا — "فرانس پر حملہ، شاہ لُوئی کی سرکوبی۔ وہ اُندلس کے لوگوں کو در پردہ مدد دے رہا ہے۔ وہ اُندلس کے ٹکڑے الگ الگ کر کے ہمیں ختم کرتے چلے جا رہے ہیں۔ انہیں ایک جگہ دباتے ہیں تو یہ کسی دوسری جگہ سر اُٹھاتے ہیں"۔

*

اُس وقت جب امیرِ اُندلس ناچنے والیوں کے نیم عریاں اور بل کھاتے، تھرکتے جسموں میں کھو گیا اور اس کے اندر حیوانی جذبات بیدار ہو گئے اور اس کی ذات کا مردِ مجاہد سو گیا تھا، اُس وقت ہاشم لوہار کے دروازے پر دستک ہوئی۔ ہاشم کے جسم میں اب وہ دم نہیں رہا تھا جو اُس وقت ہُوا کرتا تھا

جب فلورا کی ماں پہلی بار اس کے گھر اپنے گھوڑے کی نعل بندی کے لئے گئی تھی۔ اُس وقت فلورا ماں کے پیٹ میں تھی۔ اٹھارہ سال گذر گئے تھے۔ اب ہاشم کی عمر پچپن اور ساٹھ کے درمیان گئی تھی مگر اس کا دماغ پہلے سے زیادہ تیز ہو گیا تھا۔ اس کی خفیہ جماعت کی جڑیں دُور تک پھیل گئی تھیں۔ مریدہ کی بغاوت فرد ہوئی تو اُس نے فوراً معلوم کرا لیا تھا کہ اب کہاں سے وار کیا جائے۔ اُس کی نظر مریدہ جیسے ایک اور قصبے طلیطلہ پر لگ گئی تھی۔

اُس کے دروازے پر دستک ہوئی تو وہ اُچھل کر اُٹھا۔ تکئے کے نیچے سے اُس نے خنجر نکالا اور جا کر دروازہ کھولا۔ ایک عورت کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔

"فلورا ہوں ہاشم" — فلورا نے کہا اور فوراً اندر جا کر دروازہ بند کر دیا — "ایک پڑوسی مسلمان کو قتل کر کے آئی ہوں۔ گھر سے بھاگ آئی ہوں۔ اب بتاؤ کیا کروں" — اس نے ہاشم کو سارا واقعہ سُنا دیا اور یہ بھی بتایا کہ وہ کس طرح گھر سے نکلی ہے اور کس طرح اِسے ایک جوان آدمی کو قتل کرنا پڑا۔

فلورا پہلے کئی بار ماں کے ساتھ ہاشم کے پاس آ چکی تھی، اور ہاشم نے اُسے اسلام کے خلاف سراپا آگ بنا دیا تھا۔ اتنی خوبصورت لڑکی میں انتہائی نکروہ نفرت بھر دی گئی تھی۔ اُس کے اندر جیسے اور کوئی جذبات رہے ہی نہیں تھے۔ محبت کے نام سے وہ واقف نہیں تھی۔ عیسائیت کے ساتھ اُسے محبت نہیں جنون کی حد تک عشق تھا۔

"میں تمہیں اپنے پاس نہیں رکھوں گا" — ہاشم نے اسے کہا — "صبح ہوتے ہی یہاں کام والے لوگ آنا شروع ہو جائیں گے۔ تمہیں ایک پادری کے پاس لے چلتا ہوں۔"

اس پادری کے دروازے پر دستک ہوئی تو وہ پریشان ہو گیا۔ اس وقت کون آ سکتا تھا؟ مریدہ کی بغاوت کی وجہ سے ہر سرکردہ عیسائی کو گرفتاری کا ڈر محسوس ہونے لگا تھا۔ پادری نے دروازہ کھولا۔ ہاشم کو دیکھ کر اُس کی جان میں جان آئی لیکن اُس کے ساتھ ایک خوبصورت اور نوجوان لڑکا تھا۔ اُسے پادری نہ پہچان سکا۔ اندر جا کر فلورا نے مردانہ چغہ جو اُسے ہاشم نے پہنایا تھا، اتار دیا اور سر پر مردانہ ٹوپی اور اس پر جو کپڑا ڈالا ہوا تھا وہ بھی اتار دیا۔

"یہ فلورا ہے" — ہاشم نے کہا — "اسی کے متعلق میں آپ کو بتایا کرتا تھا۔ اس کی ماں تو آپ سے کئی بار مِل چکی ہے۔ یہ لڑکی آج گھر سے بھاگ آئی ہے" — ہاشم نے پادری کو سارا واقعہ سنا دیا۔

بوڑھا پادری فلورا کے حسن میں جیسے کھو گیا تھا۔

"تم بہت ہی خوبصورت ہو فلورا" — پادری نے کہا — "اُندلس کے ان مسلمان بادشاہوں کی تباہی میں تم بڑا ہی کارگر کردار ادا کر سکتی ہو۔ تم سالاروں کو ایک دوسرے کا دشمن بنا سکتی ہو۔ تمہاری ایک مسکراہٹ ایک مسلمان سالار کو میدانِ جنگ میں اندھا کر کے ہمارا قیدی بنا سکتی ہے۔ موجودہ شاہِ اُندلس عبدالرحمٰن تم جیسی حسین لڑکی کو دیکھ کر سارے اُندلس کو دل سے اتار دیتا ہے۔ یہ اس کی کمزوری ہے۔ تم اس کے اور اس کے سالاروں

کے مابین رقابت پیدا کر سکتی ہو، لیکن تمہیں اپنی ....."

"عصمت قربان کرنی پڑے گی" — فلورا نے پادری کی بات پوری کر دی اور کہا — "میں کنواری رہنا چاہتی ہوں۔ میں کنواری مریم کی داسی ہوں میں جانتی ہوں کہ مسلمان اُمراء، روساء اور وزراء میں یہ بہت بڑی خامی ہے کہ عورت کی خاطر اپنے فرائض بھول جاتے ہیں، لیکن میں کسی مسلمان کی بُو بھی برداشت نہیں کر سکتی۔"

"ہمیں سوچنے دو فلورا!" — پادری نے کہا — "یہاں تم محفوظ رہو گی۔ اپنے آپ کو ٹھنڈا کرو۔ جذبات کا اُبال اچھا نہیں ہوتا" — اُس نے ہاشم سے پوچھا — "اور کوئی خبر؟"

"لوہا گرم ہے" — ہاشم نے کہا — "میں لوہار ہوں۔ میں لوہے کے ٹھنڈا ہونے کا انتظار نہیں کیا کرتا۔ گرم ہو تو اسے جو شکل دینا چاہو دے سکتے ہو۔ مریدہ سے بہت سے لوگ بھاگ کر طلیطہ پہنچ گئے ہیں۔ میرے آدمی وہاں چلے گئے ہیں۔ وہ لوگ اپنی قیادت مجھے دینا چاہتے ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں۔"

"مت سوچو ہاشم!" — پادری نے کہا — "منصوبہ تمہارا ہے تو قیادت بھی تمہاری ہونی چاہیئے۔ میں جانتا ہوں کہ تم جنگی قیادت نہیں کر سکتے لیکن جو عقل تم میں ہے وہ اور کسی میں نہیں۔ لوگوں کے جذبے اور حوصلے میں جس طرح تم جان ڈال سکتے ہو، یہ کمال کسی اور میں مجھے نظر نہیں آتا۔ تم طلیطہ سے ہو آؤ۔ تمہیں ایلوگیتس اور ایلیار وہاں کسی نہ کسی بھیس اور بہروپ

میں مل جائیں گے۔"

"کچھ دیر پہلے مجھے اطلاع ملی ہے کہ امیرِ اُندلس جشن میں بدمست ہو رہا ہے" — پادری نے کہا — "اور سلطانہ آج رات ایک نئے شربت میں اُسے پہلی بار شراب پلا رہی ہے۔ امیرِ اُندلس عیاشی کا رسیا ہے لیکن شراب نہیں پیتا۔ مجھے اطلاع مل چکی ہے کہ امیرِ اُندلس کو اس کی ایک بیوی مدثرہ نے اپنے اثر میں لے لیا ہے۔ سُلطانہ آج رات اس اثر کو شربت میں شراب پلا کر اُتار دے گی۔"

"ہمیں اس امیر کا کوئی ڈر نہیں" — ہاشم نے کہا — "ڈر ان سالاروں کا ہے۔ یہ سب سالار ایسے ہیں کہ ان کے سامنے سونے کے ڈھیر لگا دو۔ فلورا جیسی لڑکیاں ان کی خواب گاہوں میں داخل کر دو۔ وہ کم بخت پتھر کے پتھر رہتے ہیں۔ وہ بڑے فخر سے مردانِ حُر کہلاتے ہیں۔ حریّت کو وہ اپنا ایمان بنائے ہوئے ہیں۔"

"اگر ان سالاروں میں تخت و تاج کی ہوس پیدا کر دی جائے تو اُن کی فوج کو بیکار کیا جا سکتا ہے" — پادری نے کہا — "سالار جب تخت پر بیٹھ جاتا ہے تو وہ پورا بادشاہ بن جاتا ہے۔ اپنی بادشاہی کو قائم رکھنے کے لئے وہ دشمن کو بھی دوست سمجھ لیتا ہے اور ناروا حرکت کر گذرتا ہے۔ پھر اس کا کوئی مذہب نہیں رہتا۔ کسی بھی قوم کو تباہ کرنا ہو تو اس کے سربراہوں، سرداروں اور پیشواؤں میں حکومت کی ہوس پیدا کر دو۔ وہ ایک دوسرے کو قتل کرنے پر اُتر آئیں گے۔ قوم بھوکی مرے، اخلاقی

پستی میں جا گرے، بے وقار ہو جاتے، انہیں پرواہ نہیں ہوتی۔"

"اِدھر بھی توجہ دیں گے" — ہاشم نے کہا — "فی الحال ہمیں طلیطلہ کے لوہے کو اور زیادہ گرم کرنا ہے۔ آپ اس لڑکی کو سنبھالیں۔ میں جا رہا ہوں۔"

*

اُس رات جب قصرِ امارت میں جشن منایا جا رہا تھا اور امیرِ اندلس شربت میں شراب پی کر جھوم رہا تھا اور سلطانہ اُسے حقیقت سے اُڑا کر کہکشاں کے راستے پرے لے گئی اور اِدھر عیسائی اندلس کی اسلامی مملکت کی بنیادوں میں اُتر جانے کے منصوبے بنا رہے تھے، اُس رات کی صبح طلوع ہوئی۔ فلورا اور اس کے پڑوسی کے گھر سب پریشان پریشان پھرنے لگے۔ اِدھر فلورا لاپتہ تھی اُدھر ایک بوڑھے کا جوان بیٹا اور ایک نوجوان بیوی کا خاوند غائب تھا۔ وہ تو مرد تھا۔ باپ اور بیوی کو یہ امید بہلاوا دیتی تھی کہ کہیں نکل گیا ہوگا، آجائے گا مگر فلورا بند کمرے سے بھاگ گئی تھی۔ وہ کھڑکی کے راستے ہی فرار ہو سکتی تھی جو ممکن نظر نہیں آتا تھا۔

فلورا کا جوان پڑوسی تو گھر آگیا لیکن وہ زندہ نہیں تھا۔ اُس کی لاش آبادی کے درمیان ایک خالی جگہ پڑی تھی۔ گہرا زخم اُس کے دل کے مقام پر تھا۔ اسے کسی نے پہچان لیا اور لاش اُس کے گھر پہنچا دی۔ ایسا شک تو کوئی بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اُسے فلورا نے قتل کیا ہے۔

فلورا کا باپ آگیا۔ اُسے اُس کے بیٹے بدر نے بتایا کہ اُس کی

غیر حاضری میں فلورا اپنی ماں سے کہہ رہی تھی کہ وہ عیسائی ہے اور مسلمانوں سے اُسے نفرت ہے۔ اسے مار پیٹ کر بند کیا تو وہ رات کہیں بھاگ گئی ہے۔

"اُس کی گمراہی اور فرار میں تمہارا ہاتھ ضرور ہوگا" — فلورا کے باپ نے اُس کی ماں سے کہا — "تم مؤلد معلوم ہوتی ہو۔ تم بیس سال سے مجھے دھوکہ دیتی رہی ہو۔"

"نہیں" — وہ ہاتھ جوڑ کر خاوند کے قدموں میں گر پڑی — "مجھ پر الزام نہ لگاؤ۔ میں تمہیں دھوکہ نہیں دے سکتی۔ مجھے اپنے ہاتھوں قتل کر دو۔ میری محبت پر شک نہ کرو۔ وہ شاید عیسائی لڑکیوں کے ساتھ اٹھتی بیٹھتی رہی ہے اور انہوں نے اس کا دماغ خراب کیا ہے۔ اس کے بھاگنے کی وجہ یہ ہے کہ بدر نے اسے ظالموں کی طرح مارا پیٹا تھا۔ وہ دریا میں ڈوب نہ مری ہو۔"

"میں فلورا کو ایک عرصے سے دیکھ رہا تھا" — باپ نے کہا — "وہ میرے ان دونوں بچوں سے مختلف تھی۔ میں نے اُسے کبھی کبھار نماز پڑھتے نہیں دیکھا تھا" — وہ سوچ میں پڑ گیا اور بولا — "میں جاسوس ہوں۔ میں جانتا ہوں وہ کہاں گئی ہوگی۔"

اُس نے اپنے بیٹے کو ساتھ لیا۔ دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور چلے گئے۔ انہوں نے فوج کے چار آدمی ساتھ لئے اور ایک گرجے میں جا دھمکے۔ وہاں کے پادری سے کہا — "رات ایک جوان لڑکی تمہارے پاس آئی ہے۔ اسے فوراً باہر لاؤ۔"

"آپ گرجے کی اور میرے گھر کی تلاشی لے لیں"۔ پادری نے التجا
کے لہجے میں کہا ۔۔۔ "میرا کسی جوان لڑکی سے کیا کام؟"
فوجیوں نے اس پادری کو حراست میں لے لیا اور دوسرے گرجے
میں گئے۔ اُس وقت قرطبہ میں یہ دو ہی گرجے تھے۔ اس کے بوڑھے پادری
سے فلورا کے متعلق پوچھا تو اُس نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔
"ہم جانتے ہیں یہ گرجے سازشوں کے اڈے بنے ہوئے ہیں"۔۔۔
فلورا کے باپ نے کہا۔
"لیکن میرا کسی لڑکی کے ساتھ کوئی متعلق نہیں"۔۔۔ پادری نے کہا۔
"اُسے گھسیٹ کر لے چلو"۔۔۔ ایک فوجی کماندار نے کہا۔
اُسے فوجیوں نے گھسیٹ لیا۔ دوسرا پادری بھی ساتھ تھا۔ جب
دونوں کو دھکے دے کر کہا گیا کہ چلو، اُس وقت ایک نسوانی آواز آئی ۔۔۔
"میرے مذہبی پیشواؤں کو چھوڑ دو۔ مجھے پکڑ لو"۔
سب نے دیکھا وہ فلورا تھی۔ کہہ رہی تھی ۔۔۔ "میں ان کی توہین برداشت
نہیں کر سکتی۔ میں خود یہاں آئی تھی"۔
بدر اُس پر ٹوٹ پڑا اور اُسے مار مار کر اَدھ مُوا کر دیا۔ وہ روتی
نہیں تھی، چیختی نہیں تھی۔ یہی کہتی تھی ۔۔۔ "میں عیسائی ہوں۔ میں کنواری
مریم کی داسی ہوں" ۔۔۔ اور وہ اسلام کے خلاف توہین آمیز کلمے کہتی تھی۔
"رُک جاؤ" ۔۔۔ فوجیوں کے کمانڈر نے کہا ۔۔۔ "مذہب اس کا ذاتی
معاملہ ہے اس کی اسے سزا نہیں دی جا سکتی۔ اسلام کی توہین جرم ہے۔

اُسے ہم قاضی کی عدالت میں لے جائیں گے"۔
اُسے جب قاضی کی عدالت میں لے گئے تو اُس نے چلا چلا کر اسلام
کے خلاف واہی تباہی بکنی شروع کر دی۔ قاضی نے کہا ۔۔۔ "تم سزائے موت
کی حقدار ہو۔ تم اتنی خوبصورت ہو کہ تمہیں آزاد کر دیا گیا تو بہت بڑے
فتنے کا باعث بنو گی"۔
اُس وقت باپ کے دل میں رحم کی لہر آئی۔ وہ آخر اُس کی بیٹی تھی۔
اس نے قاضی سے عرض کی ۔۔۔ "اگر عدالت اسے اب کے معاف کر سکے
تو میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ یہ میری بچی ہے۔ میں اسے راستے
پر لے آؤں گا"۔
"عدالت درخواست قبول کرتی ہے"۔ قاضی نے کہا ۔۔۔ "لیکن ایک
سال کے لئے اسے ایسے گھر میں بند رکھا جائے جہاں عورتوں کا پہرہ
ہو اور اس کی تربیت کی جائے"۔
فلورا کو ایک مکان میں رکھا گیا اور اس کے ساتھ تین عورتیں رکھی
گئیں جنہیں اس پر ہر وقت نظر رکھنی تھی۔ فلورا نے خاموشی اختیار کر لی۔
اور ان عورتوں کو اور اس مکان کو دیکھنے لگی کہ فرار کی کوئی صورت پیدا
کی جا سکتی ہے یا نہیں۔

* *

باپ کو فلورا کے ساتھ محبت تھی۔ وہ اُس کی بیٹی تھی اور یہ بیٹی غیر معمولی طور پر خوبصورت تھی لیکن فلورا نے ویسی محبت کا کبھی اظہار نہیں کیا تھا جو بچیاں اپنے باپ کے ساتھ کیا کرتی ہیں۔ باپ اسے فلورا کی جھینپ سمجھا کرتا اور اپنی بیوی سے کہا کرتا تھا کہ یہ بچی شرمیلی ہے، مجھ سے بھی حجاب کرتی ہے۔ باپ کو معلوم نہ تھا کہ ماں اس بچی کے دل میں مسلمانوں کے خلاف نفرت اور عیسائیت کی محبت پیدا کر رہی ہے۔

اب قاضی نے فلورا کو سزائے موت سنائی تو باپ یوں تڑپ اُٹھا جیسے ایک تیر اُس کے دل میں اُتر گیا ہو۔ اُسے ایک صدمہ تو یہ ہُوا کہ جس بچی کو وہ شرمیلی اور معصوم سمجھتا اور اپنے دوسرے بچوں کی نسبت اس سے زیادہ پیار کرتا تھا وہ اُس کے لئے اور اسلام کے لئے سراپا نفرت نکلی۔ وہ ایک بڑی ہی حسین اور دلکش ناگن کو اپنی آغوش میں پالتا رہا تھا۔ دوسرا صدمہ یہ کہ فلورا اُس کی بیٹی تھی، اُس کا خون تھا اور اُسے سزائے موت کا حکم ہو گیا تھا۔

اُس کا دماغ چکرا گیا۔ اسی کیفیت میں اس نے قاضی سے درخواست کی تھی کہ اُس کی بیٹی کو ایک موقع دیا جائے، وہ راہِ راست پر آجائے گی۔

قاضی نے سزائے موت منسوخ کر کے یہ حکم دیا تھا کہ لڑکی کو ایک سال کے لئے الگ مکان میں نظر بند رکھا جائے جہاں عورتوں کا پہرہ ہو اور لڑکی کو مذہبی تعلیم دی جائے۔ فلورا کے باپ نے قاضی کو تحریری طور پر یقین دلایا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کی شخصی ضمانت دیتا ہے اور اُس کے اخلاق اور ذہنی کیفیت کی پوری ذمہ داری لیتا ہے۔

قاضی کے حکم کے مطابق فلورا کو الگ ایک مکان میں لے گئے اور تین عورتوں کو جو فلورا کے باپ کی نگاہ میں قابلِ اعتماد تھیں، اس مکان میں بھیج دیا گیا۔ باپ اس صدمے کو بھی برداشت نہ کر سکا کہ اُس کی اتنی پیاری بیٹی کو قید میں ڈال دیا گیا ہے۔ وہ گھر آیا اُسے خون کی قے آئی۔ پیشتر اس کے کہ معالج پہنچتا، وہ مر گیا۔ فلورا کا بھائی بدر غصے کے عالم میں فلورا کے پاس گیا اور اُسے بتایا کہ باپ اُس کے صدمے سے مر گیا ہے۔

"صدمے سے اور بھی بہت سے لوگ مرے ہیں"۔۔۔ فلورا نے بے رُخی سے کہا۔۔۔ "مجھے اُس کے مرنے کا اس لئے افسوس ہے کہ وہ میرا باپ تھا۔ لیکن یہ افسوس اُس وقت ختم ہو جاتا ہے جب میں سوچتی ہوں کہ وہ مسلمان تھا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم سیدھی راہ پر نہیں آؤ گی"۔۔۔ بدر نے غصے میں کہا۔

"میں سیدھی راہ پر جا رہی ہوں" — فلورا نے کہا — "تم لوگ ایک سال انتظار نہ کرو۔ ایک سال بعد بھی تم میری زبان سے یہی سنو گے جو آج سُن رہے ہو۔ اپنے قاضی سے کہو کہ مجھے جلّاد کے حوالے کر دے میرے پیغمبر صلیب پر لٹکائے گئے تھے۔ میں خوش قسمت ہوں گی کہ پھانسی پر لٹکائی جاؤں۔ میں راہِ راست کی موت کے لئے بے تاب ہوں۔"

"تم زندہ رہو گی فلورا!" — بدر نے طنزیہ کہا — "تمہیں وہ موت نہیں ملے گی جس کی تم خواہش کرتی ہو۔ تمہاری عمر اب قید میں گزرے گی۔ تم باقی عمر جہنم میں گزارو گی۔ میں تمہارا بھائی ہوں۔ اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اپنی بہن کو اچھی طرح ذہن نشین کرا دوں کہ باطل کو سینے میں ڈال کر تم دُنیا میں بھی سزا پاؤ گی اور آخرت میں بھی۔"

"دُنیا کی سزا مجھے آخرت کی سزا سے بچائے گی" — فلورا نے کہا اور اُس نے اُن عورتوں کو بلایا جنہیں اُس کی نگرانی پر اس مکان میں رکھا گیا تھا۔ ان سے اُس نے کہا — "کیا تمہیں حکم نہیں ملا کہ اس مکان میں کوئی نہیں آسکتا؟ ..... یہ کیوں آگیا ہے؟"

"یہ تمہارا بھائی ہے لڑکی!" — ایک عورت نے کہا۔

"میرے لئے یہ غیر مرد ہے" — فلورا نے کہا — "کوئی مسلمان کسی عیسائی کا بھائی نہیں ہو سکتا۔ اِسے اس گھر سے نکال دو۔"

بدر وہاں سے نکل آیا۔

*

"ماں!" — بدر نے گھر آ کر اپنی ماں سے کہا — "مجھے شک ہے کہ فلورا کا دماغ تم نے خراب کیا ہے۔ مجھے باپ نے بتایا تھا کہ تم اُسے دھوکہ دیتی رہی ہو۔"

"سُن میرے بیٹے!" — ماں نے کہا — "میں نے تمہارے باپ کو کوئی دھوکہ نہیں دیا۔ اُس نے مجھے انسانی درندوں سے بچایا تھا۔ میرا کوئی ٹھکانا اور کوئی سہارا نہ تھا۔ تمہارے باپ نے مجھے اپنی پناہ میں لے لیا۔ میں اُس کی ہو کے رہ گئی۔ ایک طرف اُس کی محبت تھی دوسری طرف اپنے مذہب کی محبت۔ میں نے دونوں کی محبت زندہ رکھی اور ان میں ایک محبت اپنی بیٹی فلورا کے سینے میں ڈال دی۔ یہ مذہب کی محبت تھی ..... اب تمہارا باپ مر گیا ہے۔ میرا اب اس گھر میں کچھ نہیں رہا۔ میں تمہاری دوسری چھوٹی بہن بالدی گوتھ کو اپنے ساتھ لے جا رہی ہوں۔"

"کیا کوئی ماں اپنے بیٹے کو یوں چھوڑ کر جا سکتی ہے جس طرح تم جا رہی ہو؟" — بدر نے کہا — "کیا تمہارے جذبات مر گئے ہیں؟"

"اگر میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو میرے مذہب میں آ جاؤ" — ماں نے کہا — "میں اپنے مذہب پر اپنا بیٹا قربان کر سکتی ہوں۔"

"اور میں اپنے مذہب پر اپنی ماں اور اپنی دونوں بہنیں قربان کر سکتا ہوں" — بدر نے کہا — "چلی جاؤ یہاں سے۔ میں اپنے گھر میں ناگنیں نہیں پال سکتا۔ میں تم دونوں کی صورت نہیں دیکھنا چاہتا۔"

بدر باہر نکل گیا۔ وہ شام کے بعد گھر آیا۔ اُس کی ماں اور بہن بالدی گوتھ جو فلورا سے چھوٹی تھی، گھر سے جا چکی تھیں۔

مکان کی نظربندی میں فلورا خاموش رہتی تھی۔ تینوں عورتیں مطمئن تھیں
کہ فلورا انہیں پریشان نہیں کر رہی۔ انہیں اس لڑکی کے متعلق ایسی باتیں بتائی
گئی تھیں جیسے وہ بڑی خطرناک قسم کی پاگل ہو اور کسی کے قابو میں نہ آتی ہو۔

"تم نے کیا جرم کیا ہے فلورا؟" — ایک روز عورتوں نے اُس سے پوچھا

"میرا باپ مجھے ایک بوڑھے کے ساتھ بیاہنا چاہتا تھا" — فلورا نے
کہا — "یہ آدمی صرف بوڑھا ہی نہیں بلکہ شرابی اور عیاش بھی ہے۔ میرے باپ
نے سودا کر لیا تھا۔ مَیں نے انکار کر دیا۔ کیا تم میں سے کوئی برداشت کر سکتی
ہے کہ اسے کسی بوڑھے کی بیوی بنا دیا جائے؟ .... میں نے انکار کیا تو میرے
اس بھائی نے مجھے مارا پیٹا، پھر باپ نے بھی مجھے مارا۔ مَیں نے دونوں کو گالی
گلوچ کی۔ باپ مجھے پکڑ کر قاضی کے پاس لے گیا اور کہا کہ یہ میری بیٹی ہے اور
مذہب کی توہین کرتی ہے۔ مجھے غصّہ آ گیا۔ اگر تم میری جگہ ہوتیں تو کیا تمہیں غصّہ
نہ آتا؟ .... ہاں، کوئی بھی عورت ہوتی اسے غصّہ آتا۔ مجھے غصّہ آیا تو مَیں نے
قاضی کو بھی سُنا دیں اور اپنے باپ کو بھی۔ قاضی نے فیصلہ دے دیا کہ لڑکی
زبان دراز ہے، اسے قید خانے کی بجائے الگ مکان میں رکھو جہاں عورتیں
اس کی رکھوالی کریں اور اسے نیک و بد کی تمیز سکھائیں۔"

"تمہارا باپ مر گیا ہے" — ایک عورت نے کہا — "تمہارا بھائی کیوں
آیا تھا؟"

"یہی کہنے کہ مَیں اُس قریب المرگ بوڑھے کے ساتھ شادی کر لوں" —
فلورا نے کہا۔ "میرے بھائی نے مجھے لالچ دیا ہے کہ مَیں مان جاؤں تو

مجھے فوراً رہا کرا لیا جائے گا۔"

"کیا قاضی القضاۃ اپنا فیصلہ واپس لے لیں گے؟" — دوسری عورت نے
کہا — "تمہیں انہوں نے اس جرم میں نظربند کیا ہے کیا تم نے اسلام کی
توہین کی تھی۔"

فلورا کو موقع مل گیا۔ اس نے قاضی القضاۃ کو بدنام کرنا شروع کر دیا۔
کہنے لگی — "تم ان قاضیوں کو فرشتے سمجھتی ہو گی۔ قاضی نے مجھے جن نظروں
سے دیکھا تھا ان نظروں کو ہر عورت فوراً سمجھ جاتی ہے۔ اگر مَیں قاضی کی
نظروں کا جواب ویسی ہی نظروں سے دے دیتی تو وہ میرے باپ کی ایک
نہ سنتا اور مجھے یہ سزائے قید نہ دیتا۔ کیا قاضی اور کیا امیرِ اندلس، سب
اسلام کے پردے میں عورت اور شراب میں بدمست ہیں۔ سزا ہمارے
لئے ہے اور جزا اُن کے لئے۔"

"حسین عورت کا حُسن اُس کی بدبختی بن جاتا ہے" — تیسری عورت
نے کہا — "تمہاری بھی یہی بدبختی ہے کہ تم نوجوان ہو اور بہت ہی خوبصورت
ہو۔ تمہیں شاہِ اندلس نے دیکھ لیا تو فوراً اپنے حرم میں بلوا لے گا۔"

"اور وہ میری زندگی کا آخری دن ہو گا" — فلورا نے کہا۔

"تم نے اپنے متعلق کیا سوچا ہے؟" — ایک عورت نے اُس سے
پوچھا — "قید سے نکل کر کہاں جاؤ گی؟"

"میں تمہیں یہ یقین دلا دیتی ہوں کہ مَیں قید سے بھاگنے کی کوشش
نہیں کروں گی" — فلورا نے کہا — "مَیں تمہیں دھوکہ نہیں دوں گی۔ اگر مَیں

بھاگی تو سزا تمہیں ملے گی۔ عورت عورت کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔ اگر تم تینوں کچھ دیر کے لئے یہاں سے چلی جاؤ تو بھی مجھے یہیں پاؤ گی.... باقی رہا یہ کہ مَیں قید کے بعد کہاں جاؤں گی، یہ میں قید سے آزاد ہو کر سوچوں گی۔ سب سے پہلے تو مَیں تم تینوں سے کہوں گی کہ تم میں سے کوئی مجھے اپنی پناہ میں لے لے۔"

*

یہ عورتیں فلورا سے مطمئن ہو گئیں۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ چُپ چاپ پڑی رہتی ہے اور ایسا کوئی امکان نہیں کہ وہ بھاگنے کی کوشش کرے گی، چنانچہ وہ اُس کی طرف سے لاپرواہ ہو گئیں۔ فلورا کو خُدا نے عام انسانوں کی نسبت کچھ زیادہ ہی عقل دی تھی۔ اُس نے ان عورتوں کو اپنی مظلومیت کی باتیں سُنا سُنا کر اُن کے دلوں میں اپنی ہمدردی پیدا کر لی۔

قید کے پانچویں چھٹے روز ایک آدمی آیا جس کی عمر پینتیس سال کے لگ بھگ تھی۔ اُس کے چہرے پر جوانی کی رونق ابھی باقی تھی۔ داڑھی سلیقے سے تراشی ہوئی اُس کے چہرے پر بھلی لگتی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں چمک تھی۔ اُس کے سر پر عمامہ تھا اور اُس نے سبز چُغہ پہن رکھا تھا۔ وہ چال ڈھال اور لباس سے عالم لگتا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں۔ اُس نے اس مکان کے دروازے پر دستک دی۔ ایک نگران عورت نے دروازہ کھولا۔ اس آدمی نے اسے سرکاری پروانہ دکھایا جس پر لکھا تھا کہ یہ عالم فلورا کو مذہبی تعلیم دے گا اور اس کی تربیت بھی کرے گا۔

اُسے اندر بلا کر دروازہ بند کر دیا گیا اور عالم کو فلورا کے کمرے میں داخل کر دیا گیا۔ فلورا نے اُسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اُس کے چہرے پر نفرت کا تاثر آ گیا لیکن وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور مسکرائی۔

"سُنا ہے تم نے اپنے رسولؐ اور مذہب کی توہین کی ہے" — عالم نے کہا — "تمہیں اس کی سزا نہیں ملنی چاہیئے تھی۔ اصل مجرم تمہارا باپ تھا پھر تمہاری ماں.... بیٹھ جاؤ اور اپنے دل سے قید کا بوجھ اتار دو۔ تم کمسن ہو تمہاری عمر ایسی ہے کہ خُدا کو ٹیڑھی آنکھ سے دیکھتی ہے۔ مجھے صرف یہ شک ہے کہ تمہیں اپنی جوانی اور اپنے حُسن پر شاید اتنا ناز ہے کہ مذہب کو تم کچھ بھی نہیں سمجھتیں۔ کیا میرا شک صحیح ہے؟"

"نہیں" — فلورا نے اپنی نفرت کو مسکراہٹ میں چُھپا کر جواب دیا — "مَیں پہلا مرد دیکھ رہی ہوں جس نے مجھے میرے حُسن کا احساس دلایا ہے۔ میں کھلنڈری لڑکی ہوں۔ ابھی اپنے آپ کو جوان نہیں سمجھا۔ کیا آپ مجھے بچی نہیں سمجھتے؟"

"ہاں، تم بچی ہو" عالم نے کہا — "اسی لئے میں نے پہلے ہی کہا ہے کہ تمہارا گناہ قابلِ معافی تھا۔ قاضی کو تمہاری عمر دیکھ کر سزا نہیں دینی چاہیئے تھی.... خیر۔ جو ہُوا سو ہُوا۔ مجھے حکم ملا ہے کہ تمہاری تعلیم و تربیت مذہب کی روشنی میں کر دوں.... کیا تم دل سے مذہب کو قبول کرو گی؟"

فلورا ذہنی طور پر بالغ تھی بلکہ جسم سے زیادہ اس کا ذہن بالغ تھا۔ اُس نے اپنے پڑوسی پر تجربہ کیا تھا۔ اُس نے اُس مرد میں بڑی جلدی کمزوری

پیدا کر لی تھی۔ اُس نے فلورا کو فرار میں مدد دی اور اُس کے ہاتھوں قتل ہو
گیا تھا۔ اب یہ دوسرا مرد اُس کے راستے میں آیا تھا مگر یہ تو عالمِ دین تھا جس
کے بولنے کا انداز بتا رہا تھا کہ اس کی رگ رگ میں مذہب سمویا ہُوا ہے۔ تاہم
فلورا نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور ہونٹوں پر ایسا تبسّم لے آئی
جو مردوں کے وجود میں لرزش سی پیدا کر دیتا ہے۔

"کیا مَیں مذہب کو دل سے قبول کروں گی یا نہیں، اس کا انحصار اس
پر ہے کہ قبول کرانے والا قابلِ قبول ہے یا نہیں" — فلورا نے تبسّم سے کہا۔

عالم کچھ بے چین سا ہُوا جیسے یہ سوال غیر متوقع تھا۔

"اگر آپ ہی ہر روز آتے رہے تو جو کہیں گے وہ قبول کر لوں گی" —
فلورا نے کہا — "شرط یہ ہے کہ مجھے خشک اور روکھی پھیکی باتوں سے بچائے
رکھیں۔ یہ نہ بھولیں کہ مَیں قید میں ہوں۔ اُس پرندے کی مانند ہوں جو کھلی
فضاؤں میں اُڑتا اور چہچہاتا تھا اور اسے پنجرے میں بند کر دیا گیا۔ ان حالات
میں میرے دل میں ناپسندیدگی جلدی پیدا ہو گی۔"

"کیا تم اُڑنا اور چہچہانا چاہتی ہو؟"

"نہیں۔ ہنسنا اور مسکرانا چاہتی ہوں۔ گھٹن سے گھبراتی ہوں" — فلورا
نے کہا — "اگر مذہب جذبات کو مار دینے کا حکم دیتا ہے تو مَیں شاید اس
مذہب کی تعلیم کو قبول نہیں کر سکوں گی۔"

"کیا تم میرے ساتھ ہنسنا کھیلنا چاہتی ہو؟"

"اگر آپ میری یہ ضرورت پوری کر دیں گے تو مجھے اپنی لونڈی بنا لیں گے۔"

فلورا نے کہا — "اور آپ کی تعلیم میرے خون میں شامل ہو جائے گی۔"

عالم کی ہنسی نکل گئی۔ کہنے لگا — "تم بڑی ذہین بچی ہو۔ مَیں تمہارے بچپن
کی ضرورت بھی پوری کروں گا لیکن تمہیں میری تعلیم کا ایک ایک لفظ دل میں
بٹھانا ہو گا ..... میرے سامنے بیٹھ جاؤ۔"

*

امیرِ اُندلس عبدالرحمٰن ثانی کا طبیب اُس دَور کا ایک مشہور ماہرِ طب
حرّانی تھا۔ کسی بھی تاریخ میں اس کا مکمل نام نہیں ملتا۔ صرف حرّانی لکھا گیا ہے۔
اور یہ بھی کہ وہ شام کا رہنے والا تھا۔ اُندلس کی کشش پیدا ہو گئی تو حرّانی جوانی
میں قرطبہ چلا گیا اور وہاں اس نے طبابت پڑھی۔ اس میں اُس نے اتنی محنت کی
کہ بہت جلد شہرت حاصل کر لی۔ جڑی بوٹیوں کی پہچان اور ان سے دوائیاں
بنانے کے فن میں اُس نے اتنی مہارت حاصل کر لی کہ اُس کا نام دربار تک پہنچا
اور اسے شاہی طبیب کا رتبہ مل گیا۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ وہ عالم فاضل بھی
تھا لیکن عبدالرحمٰن اُسے صرف طبیب سمجھتا تھا۔ اُس کے علم و فضل سے وہ
بھی متاثر نہ ہُوا۔

ایک روز وہ پریشانی کے عالم میں زریاب سے ملا۔ جیسا کہ پہلے بتایا
جا چکا ہے کہ امیرِ اُندلس تک کوئی عرضی یا شکایت پہنچانے کے لئے زریاب کی
خوشنودی لازمی سمجھی جاتی ہے۔ اُس کی سفارش سے امیرِ اُندلس سے جو چاہو
منوایا جا سکتا تھا۔ شاہی طبیب حرّانی کو براہِ راست امیرِ اُندلس سے بات کرنی
تھی لیکن اُس نے زریاب کا سہارا لینا ضروری سمجھا۔

"میں طبیب ہوں محترم زریاب!" — حرانی نے کہا۔ "مجھے امیرِ اُندلس کے پاس چلے جانا چاہیئے تھا لیکن دربار کی بات آپ اسی طرح بہتر سمجھتے ہیں جس طرح میں طب کو آپ سے بہتر سمجھتا ہوں۔ مجھے مشورہ دیں اور میری دستگیری کریں۔ میں بہت پریشان ہوں۔"

"اگر مسیحا پریشان ہو جائے تو مریض جاں بلب ہو جائیں" — زریاب نے کہا — "فرمایئے۔ میں آپ کی پریشانی کس طرح رفع کر سکتا ہوں؟"

"سلطانہ ملکہ طروب نے مجھے کہا ہے کہ میں امیرِ اُندلس کو اس وہم میں مبتلا کر دوں کہ وہ روز بروز کمزور ہوتے جا رہے ہیں" — حرانی نے کہا — "ملکہ طروب چاہتی ہیں کہ امیرِ اُندلس کسی محاذ پر نہ جائیں، اور میں امیرِ اُندلس کو کسی ایسے مرض کا مریض قرار دے دوں جو نہ ہوتے ہوئے بھی محسوس ہو کہ ہے۔"

"آپ نے اُسے کیا جواب دیا ہے؟"

"میں نے ملکہ سلطانہ سے کہا کہ میرا پیشہ مقدس ہے" — حرانی نے کہا — "میں اپنے دشمن کو بھی دھوکہ نہیں دے سکتا۔ میں اُن مریضوں کے ساتھ بھی غلط بات نہیں کر سکتا جو میرے مریض نہیں ہیں۔ یہ تو امیرِ اُندلس ہیں۔ ایک تو ان کی اطاعت مجھ پر فرض ہے دوسرے میں ان کا طبیب ہوں۔ میں نے ملکہ سے کہا کہ میں یہ گناہ نہیں کر سکتا۔۔۔ اُنہوں نے کہا کہ اگر یہ گناہ ہی ہے تو اس میں ایک نیکی ہے جو یہ ہے کہ امیر عبدالرحمٰن بڑے قیمتی انسان ہیں، اگر وہ محاذوں پر فوجوں کی کمان کرتے اور لڑتے رہے تو زخمی ہو کر نہ مارے گئے تو مسلسل تھکن اور شب بیداری سے بیمار ہو کر وقت سے پہلے ختم ہو جائیں گے،

پھر اُندلس کو اس قسم کا قابل حکمران نہیں ملے گا۔ میں نے ملکہ سلطانہ سے کہا کہ میں انہیں یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ جنگ و جدل سے بچیں اور اپنے آرام کا زیادہ خیال رکھیں لیکن میں غلط بات نہیں کہوں گا۔"

"کیا آپ امیر عبدالرحمٰن سے سلطانہ کی شکایت کرنا چاہتے ہیں؟" — زریاب نے پوچھا۔

"یہی تو مجھے آپ سے پوچھنا ہے" — حرانی نے کہا — "بات یہیں پر ختم نہیں ہوئی۔ میرے انکار پر سلطانہ بگڑ گئیں۔ اُنہوں نے کہا — 'محترم طبیب! امیرِ اُندلس کو طبیب کوئی اور بھی مل جائے گا، دوسری سلطانہ نہیں ملے گی۔ ان پر جو اثر میرا ہے وہ آپ کا نہیں۔ میں ایک اشارے سے آپ کو امیرِ اُندلس کی نظروں سے گرا سکتی ہوں۔ اگر آپ نے میرے عتاب کو چھیڑ دیا تو لوگ کہا کریں گے کہ یہاں حُرانی نام کا ایک طبیب ہوا کرتا تھا۔ میں آپ سے جو کہتی ہوں وہ کریں۔ اگر آپ یہ کام کر دیں گے تو جو انعام آپ مانگیں گے دوں گی'۔۔۔۔

"محترم زریاب! مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ امیرِ اُندلس کی نظروں میں میری اتنی وقعت نہیں جتنی سلطانہ کی ہے۔ طبیب بہت ہیں، سلطانہ یہی ایک ہے لیکن میں اپنے ضمیر کو ناراض نہیں کر سکتا۔"

"محترم حرانی!" — زریاب نے کہا — "آپ کو وہ کرنا پڑے گا جو سلطانہ نے کہا ہے۔ اگر آپ نہیں کریں گے تو میں بتا نہیں سکتا کہ آپ کا انجام کیا ہو گا۔ وہ آپ کو امیر کی نظروں میں صرف گرا ہی نہیں سکتی بلکہ آپ پر بڑا ہی گھناؤنا الزام عائد کر کے آپ کو اُن قیدیوں کے ساتھ قید میں ڈلوا سکتی ہے جن کے

جسم پھوڑے پھنسیوں سے گل سڑ رہے ہیں اور وہ نہ مرتے ہیں نہ جیتے ہیں۔ آپ بات بچ کر کہہ سکتے ہیں۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ جس طرح امیر عبدالرحمٰن کو دوسری سلطانہ نہیں ملے گی اسی طرح اُندلس کو بلکہ خلافت کو دوسرا امیر نہیں ملے گا۔ مملکتِ اُندلس کی بہتری کی خاطر بلکہ سلطنتِ اسلامیہ کی بقا کی خاطر آپ کو جھوٹ بولنا پڑے گا۔"

حرّانی پر خاموشی طاری ہو گئی۔

"مجھے کچھ اور بھی کہنا تھا"— حرّانی نے دکھ زدہ آواز میں کہا— "مگر نہیں کہوں گا۔ مجھے وہ کرنا پڑے گا جو مجھے نہیں کرنا چاہیئے۔"

*

"وہ جھوٹ نہیں بولنا چاہتا تھا"— زریاب سلطانہ سے کہہ رہا تھا— "میں نے اُسے قائل کر لیا ہے۔"

"وہ آ رہا ہو گا"— سلطانہ نے کہا— "میں نے اُسے بلوا بھیجا ہے۔ شاہِ اُندلس سے بھی کہہ آئی ہوں کہ آپ کے چہرے پر زردی آ گئی ہے اور آپ کی آنکھوں کی چمک بجھتی جا رہی ہے۔ میں نے اسے کہا ہے کہ میں طبیب کو بلاتی ہوں۔"

"تمہارے کتنے دن باقی ہیں؟"— زریاب نے پوچھا۔

"ایک مہینے سے کچھ کم"— سلطانہ نے جواب دیا— "مجھے امید ہے کہ میں لڑکے کو جنم دوں گی اور یہ لڑکا عبدالرحمٰن کا جانشین ہو گا۔ مجھے بیٹے کو ولی عہد بنانا ہے۔ اب مجھے عیسائیوں کی مدد کی زیادہ ضرورت ہے..... اور

تمہاری مدد کی بھی۔"

اتنے میں اسے اطلاع ملی کہ طبیب حرّانی آ گیا ہے۔ سلطانہ اور زریاب حرّانی کو اپنے کمرے میں لے گئے اور ایک بار پھر بتانے لگے کہ اسے امیر سے کیا کہنا ہے۔

اُس وقت امیر عبدالرحمٰن کے پاس مدثرہ جا بیٹھی تھی۔ عبدالرحمٰن اس سے بہت متاثر تھا۔ مدثرہ اسے فلورا کا واقعہ سنا رہی تھی۔

"ایسی لڑکی کو سزائے موت ہی ملنی چاہیئے تھی"— عبدالرحمٰن نے کہا۔

"آپ کس کس کو سزائے موت دیں گے؟"— مدثرہ نے کہا— "صلیب کے پجاریوں کا فتنہ بڑھتا جا رہا ہے۔ آپ کو یہ مسئلہ اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہیئے۔ سالار محاذوں پر لڑ سکتے ہیں لیکن فیصلے آپ کو کرنے ہیں۔ آپ کو فرانس پر فوج کشی کرنی پڑے گی۔ باغیوں کو شہ اور مدد وہیں سے ملتی ہے۔"

"میری جنگی تیاریاں اسی مقصد کے لیے ہیں"— امیر عبدالرحمٰن نے کہا۔

"میں نے دیکھا ہے کہ آپ محاذ پر جاتے ہیں تو آپ کی صحت بہتر ہو جاتی ہے"— مدثرہ نے ہنستے ہوئے کہا— "یہاں پڑے رہنا آپ کی فطرت کے خلاف ہے۔"

"یہ مسلمان کی فطرت کے خلاف ہے کہ دشمن کسی بھی اسلامی مُلک کی تباہی کی تیاری کر رہا ہو اور مسلمان چپ سادھ کے بیٹھا رہے۔ میں محاذ پر جان دینا چاہتا ہوں۔ ضعیفی سے جب میرے ہاتھ کانپنے لگیں گے تو بھی میرے ہاتھ میں تلوار ہو گی اور میں گھوڑے کی پیٹھ پر ہوں گا۔"

مدثرہ حسین اور جوان عورت تھی۔ عبدالرحمٰن کو جسمانی لحاظ سے اُس کے بال، اُس کی آنکھیں، اُس کے ہونٹوں پر ہر وقت رہنے والا تبسم اور اُس کے جسم کی ساخت بہت پسند تھی، لیکن اُس کا حُسن صرف جسمانی نہیں تھا۔ اُس کے انداز میں اور اُس کے چہرے مُہرے میں کوئی ایسی بات تھی جو دیکھنے والوں پر سحر سا طاری کر دیا کرتی تھی۔ یہ روح کا حُسن تھا۔

"تم میں اور سلطانہ میں کوئی فرق ہے جو میں محسوس کرتا ہوں بیان نہیں کر سکتا" — امیر عبدالرحمٰن نے مخمور سی آواز میں کہا — "تم جانتی ہو یہ فرق کیا ہے؟"

"کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی" — مدثرہ نے بچوں کی طرح ہنستے ہوئے کہا — "اور کبھی اپنے ذہن میں ایسا خیال نہیں آنے دیا کہ میں ہی میں ہوں اور آپ صرف میرے ہیں۔ سلطانہ میں اور مجھ میں وہی فرق ہے جو پھولوں میں ہوتا ہے۔ ہر پھول کا اپنا حُسن اور اپنی خوشبو ہوتی ہے۔ میں نے کبھی نہیں سوچا کہ میں وہ پھول ہوں جو گلشن میں ایک ہی ہے۔"

*

اس رومانی کیفیت میں دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ اس دستک کو عبدالرحمٰن بھی پہچانتا تھا مدثرہ بھی۔ عبدالرحمٰن نے کہا — "کیا اسے اسی وقت آنا تھا؟"

"آنے دیں" — مدثرہ نے اس سے الگ ہو کر اُٹھتے ہوئے کہا — "اسے بھی تو آنا ہے" — اُس نے دروازہ کھول دیا۔

سلطانہ تھی۔ کہنے لگی کہ طبیب حرّانی آئے ہیں۔ سلطانہ کے پیچھے زریاب اور اس کے ساتھ حرّانی اندر آئے۔ طبیب نے آتے ہی عبدالرحمٰن کی نبض پکڑ لی اور اس نے اپنے چہرے پر پریشانی کے تاثر پیدا کر لیا۔ اس کے بعد وہ عبدالرحمٰن کا پیٹ، جگر اور سینہ ہاتھوں سے دبا دبا کر دیکھنے لگا۔ زبان دیکھی۔ آنکھوں کو انگلیوں سے کھول کر دیکھا۔

"حرّانی!" — امیرِ اندلس نے کہا — "تم شاید یہ دیکھنے آتے ہو کہ میں بیمار کیوں نہیں ہوتا" — وہ ہنس پڑا اور بولا — "مجھ میں خدا نے ایک رگ فالتو رکھ دی ہے جو ہر بیماری کو میرے اندر ہی ختم کر دیتی ہے۔ آپ کو میری صحت کے متعلق کیا وہم ہو گیا ہے حرّانی!"

"ہم یہی دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہمیں وہم تو نہیں ہو گیا" — زریاب نے کہا — "خلافت اور اندلس کو صحت مند عبدالرحمٰن کی ضرورت ہے۔"

"عبدالرحمٰن تو بہت ہیں، آپ سا کوئی نہیں" — سلطانہ نے کہا — "محاذ سے واپس آتے آپ کو اتنا عرصہ گذر گیا ہے مگر آپ کے چہرے پر تھکن کے آثار ابھی تک موجود ہیں۔ میں نے محترم حرّانی سے بات کی تو انہوں نے کہا کہ شاہِ اندلس کا جگر کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ اگر انہوں نے محاذوں پر جانا نہ چھوڑا تو جگر جواب دے جائے گا۔"

"تمہاری نظروں میں اتنا فرق کیوں ہے؟" — امیر عبدالرحمٰن نے کہا — "مدثرہ کو میں صحت مند نظر آتا ہوں۔ کہتی ہے محاذ پر میری صحت بہتر ہو جاتی ہے۔ تم لوگ کہتے ہو کہ میرا جگر خراب ہو گیا ہے۔"

سلطانہ نے گھور کر مدثرہ کی طرف دیکھا۔

"امیرِ اندلس کو بڑے ہلکے آرام کی ضرورت ہے"۔ طبیب حرانی نے کہا۔ "جگر متاثر ہو رہا ہے۔ نبض بتاتی ہے کہ خون کی گردش سست ہے۔ اسے تیز ہونا چاہئے۔"

"مسلمان کا خون گھر بیٹھ کر آرام کرنے سے تیز نہیں ہوا کرتا حرانی!" — امیر اندلس نے کہا — "خون کی گردش میدان جنگ میں تیز ہوا کرتی ہے۔"

"اپنی صحت کے متعلق آپ کو سنجیدہ ہونا چاہئے شاہِ اندلس!" — سلطانہ نے کہا — "اگر کوئی خوشامدی آپ سے کہہ دیتا ہے کہ آپ کی صحت بہتر ہے تو وہ آپ کا بہی خواہ نہیں ... محترم حرانی! آپ دوا تیار کر کے بھیج دیں میں انہیں آرام کرا لوں گی۔"

"آرام اتنا بھی نہیں کہ خون کی گردش کی جو رفتار ہے وہ بھی نہ رہے"۔ — مدثرہ نے کہا — "اگر کوئی درباری ذہنیت کا انسان انہیں یہ کہہ دے کہ ان کی صحت گر رہی ہے تو اس میں بھی خوشامد کا رنگ ہوگا۔ صحیح رائے طبیب ہی دے سکتے ہیں۔"

حرانی اکھڑا اکھڑا سا تھا اور یوں بولتا تھا جیسے اس کا دماغ کہیں اور ہو۔ اس نے کہا — "میں دوا دوں گا۔ امیر محترم کو آرام کرنا چاہئے" — اور وہ اجازت لے کر چلا گیا۔

زریاب اور سلطانہ معمولی دماغ کے انسان نہیں تھے۔ انہوں نے ایسے انداز سے باتیں کیں کہ امیر عبدالرحمٰن پر یہ وہم طاری کر دیا کہ اس کا جگر خراب ہو

چکا ہے اور اسے نہ صرف آرام کی ضرورت ہے بلکہ وہ عورت سے بھی پرہیز کرے۔ سلطانہ کا مقصد یہ تھا کہ اس کے سوا کوئی عورت اس کے کمرے میں نہ آئے۔

*

تین چار دن گذرے تھے کہ مدثرہ کو طبیب حرانی کا پیغام ملا کہ وہ اسے ملنا چاہتا ہے لیکن محل میں آنے سے ڈرتا ہے۔ مدثرہ نے پیغام کا جواب دیا کہ کل اسے اطلاع ملے گی کہ مدثرہ کے پیٹ میں شدید درد ہے، لہٰذا حرانی اطلاع ملتے ہی آ جائے۔

دوسرے دن حرانی کو محل سے اطلاع گئی کہ مدثرہ کے پیٹ میں درد ہے۔ حرانی فوراً پہنچا۔ مدثرہ اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی تھی۔ اس نے خادمہ کو باہر بھیج دیا۔

"مجھے اعتماد ہے کہ میں آپ کے ساتھ بات کر سکتا ہوں" — طبیب حرانی نے کہا — "میرے ضمیر پر ایک جرم کا بوجھ ہے جو میں صرف آپ کے سامنے اتار سکتا ہوں۔"

"شاید میں جانتی ہوں وہ بوجھ کیا ہے"۔ — مدثرہ نے کہا — "امیر اندلس کے جگر میں کوئی خرابی نہیں اور آپ سے کہلوایا گیا ہے کہ ان کا جگر خراب ہے۔"

حرانی نے حیرت سے چونک کر مدثرہ کو دیکھا جیسے اسے توقع نہیں تھی کہ اس جواں سال اور دلکش عورت کی ذہانت اتنی گہرائی میں جا سکتی ہوگی۔

"کیا آپ امیرِ محترم کو بتانا پسند کریں گی؟"

"میں ان کا وہم دور کر سکتی ہوں"۔ — مدثرہ نے کہا — "یہ نہیں بتاؤں گی کہ

اُن پر یہ وہم سلطانہ اور زریاب طاری کر رہے ہیں اور وہ انہیں مفلوج کر دینا چاہتے ہیں۔ وہ دشمن کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں۔ مَیں امیرِ اُندلس کو نہیں بتاؤں گی۔ اگر بتاؤں گی تو وہ اُن سے پوچھیں گے پھر وہ دونوں مجھ پر کسی اور طرف سے کسی اور طریقے سے حملہ کریں گے، پھر میں بھی اس جنگ کی ایک فریق بن جاؤں گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ میرا ذہن بھی سازشیں ہی سوچے گا۔ میں اپنی نظر اور اپنے ذہن کو محدود نہیں کرنا چاہتی۔ آپ نے اپنے ضمیر سے بوجھ اتار دیا ہے۔ اچھا کیا ہے، اور آپ نے سلطانہ کی بات مان کر بھی اچھا کیا ہے۔ اگر نہ کرتے تو وہ نہ جانے آپ کے خلاف کیا طوفان کھڑا کر دیتی۔"

"قابلِ صد احترام خاتون!" حرّانی نے کہا۔ "آپ نے میرے ضمیر کا اور میرے دل کا بوجھ واقعی اُتار پھینکا ہے۔ مجھے ایک بات اور کہنی ہے"۔ حرّانی خاموش ہوگیا۔ اِدھر اُدھر دیکھا اور رازداری سے بولا۔ "میں اپنے ایک اور گناہ کو آپ کے قدموں میں پھینک رہا ہوں ..... کل رات کسی وقت آپ کی ایک خادمہ آپ کو دودھ پیش کرے گی اور کہے گی کہ اس میں مصر کا وہ شہد ملایا گیا ہے جو کسی قسمت والے کو ہی ملتا ہے۔ یہ شہد انسان کو سدا جوان رکھتا ہے اور خون میں ایسا اثر کرتا ہے کہ چہرے کا حُسن نکھر آتا ہے۔ وہ آپ کو بتائے گی کہ یہ شہد اُس نے کہاں سے حاصل کیا ہے۔ آپ یہ دُودھ امیرِ محترم کے پاس لے جائیں اور انہیں کہیں کہ اس دُودھ کا صرف ایک گھونٹ اصطبل کے سب سے زیادہ طاقتور گھوڑے کے منہ میں ڈال دیں۔"

"یہ زہر میرے لئے سلطانہ کی طرف سے آرہا ہے؟"

"اور کس کی طرف سے آسکتا ہے؟" حرّانی نے کہا۔ "اور اُس نے مجھے کہا تھا کہ تم میرا یہ کام نہیں کرو گے تو تمہارے پاس جو سب سے زیادہ تیز زہر ہے وہ تمہیں اپنے ہاتھوں پینا پڑے گا ..... کیا آپ اب بھی امیرِ اُندلس کو نہیں بتائیں گی؟"

"نہیں" مدثرہ نے مسکرا کر کہا۔ "ورنہ اُندلس کی یہ ناگن آپ کو ڈس لے گی۔ آپ اس عورت کو پوری طرح نہیں سمجھ سکے۔ اس کے حُسن، ناز و انداز اور اُس کی زبان کی چاشنی میں وہ زہر ہے جو آپ کے اس زہر سے کہیں زیادہ تیز ہے جو اصطبل کے سب سے زیادہ طاقتور گھوڑے کو مار دیتا ہے ..... کیا آپ نے اُسے وہ زہر دے دیا ہے؟"

"دے دیا ہے" حرّانی نے کہا اور وہ مدثرہ سے اتنا زیادہ متاثر ہوا کہ اس نے لپک کر مدثرہ کے کُرتے کا پلّو پکڑ لیا اور اسے چُوم کر بولا۔ "پھر امیرِ محترم کو یہ بتا دیں کہ طبیب حرّانی نے دودھ میں زہر ملا کر میرے لئے بھیجا ہے۔ میں اب یہی چاہوں گا کہ مجھے جلّاد کے حوالے کر دیا جائے۔ میں زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ خدا نے یہ فن عطا کیا ہے کہ میں اُس کے بندوں کو درد اور روگ سے بچائے رکھوں مگر اُس کے بندے مجھے ایک دوسرے کی موت کا ذریعہ بنا رہے ہیں"۔ اور وہ زیادہ پریشان ہوگیا۔ رندھی ہوئی آواز میں بولا۔ "میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ میں یہاں نہیں رہ سکتا۔"

"آپ نہیں جائیں گے" مدثرہ نے کہا۔ "ہمیں آپ کی ضرورت ہے۔ مجھے وہ وقت نظر آرہا ہے جب یہی زہر آپ کے ہاتھوں دُودھ یا شربت میں

ڈلوایا جائے گا اور امیرِ اُندلس کو پیش کیا جائے گا۔ آپ نے جس طرح مجھے بتا دیا ہے اسی طرح آپ امیرِ اُندلس کو بھی قبل از وقت خبردار کر دیں گے۔"

"کبھی ارادہ کرتا ہوں کہ یہی زہر سلطانہ کو پلا دوں" — حرّانی نے کہا — "لیکن میں مسیحا ہوں ملک الموت نہیں۔"

"آپ مطمئن رہیں" — مدثرہ نے کہا — "سلطانہ کے اعتماد میں رہیں۔"

"میں حیران ہوں کہ وہ اسلام کے دشمنوں کا ساتھ دے رہی ہے۔"

"نہیں" — مدثرہ نے کہا — "ناگن کسی کی بھی ہمدرد نہیں ہوا کرتی۔ وہ جو کچھ کر رہی ہے اپنی ذات کے لئے کر رہی ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ اُمید سے ہے اور یہ اُمید بھی لگائے ہوئے ہے کہ وہ ولی عہد کو جنم دے گی۔ عیسائیوں کے ساتھ دوستانہ گانٹھ کر وہ ایک ریاست کی ملکہ بننے کے خواب دیکھ رہی ہے ور امیرِ اُندلس کی وفادار لونڈی بن کر وہ اپنے ہونے والے بچے کو ولی عہد بنانے کا ارادہ کئے ہوئے ہیں — اور امیرِ اُندلس کی زندہ دلی کا یہ عالم ہے کہ وہ اس عورت کی نیت اور ذہنیت کو سمجھنا ہی نہیں چاہتے۔ میں انہیں کسی اور طریقے سے سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں .... آپ نے مجھ پر جو کرم کیا ہے اس کا میں آپ کو صلہ دوں گی۔ آپ خاموش اور مطمئن رہیں۔"

حرّانی خاموشی سے چلا گیا لیکن اس کے چہرے پر اور چال ڈھال میں اطمینان نظر نہیں آتا تھا۔

*

اگلی شام حرم کی ایک خاص خادمہ جسے مدثرہ بہت اچھی طرح جانتی تھی،

مدثرہ سے ملی۔ یہ عورت غیر معمولی طور پر چالاک اور پھرتیلی تھی۔ اُس نے مدثرہ سے کہا کہ اس کا ایک بھائی مصر سے آیا ہے اور ایسا شہد لایا ہے جو وہاں کے ایک خاص علاقے میں ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ شہد فرعونوں کے زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ یہ صرف ان کی شہزادیوں کو یا فرعونوں کی نوجوان بیویوں کو دیا جاتا تھا۔ اس کی خوبی یہ دیکھی گئی تھی کہ عورت کے حُسن کو تروتازہ اور خاص اعضا کو نوجوانی جیسا رکھتا تھا۔ یہ شہد اب بھی فرعونوں کے وقت کے کھنڈرات میں کہیں کہیں ملتا ہے۔

"اگر آپ پسند فرمائیں تو دُودھ میں ڈال کر لے آؤں!" — اُس نے کہا — "بہت تھوڑا ہے لیکن دُودھ میں ایک ہی بار تھوڑا سا لے لو تو پُورا اثر کرتا ہے۔"

"لے آؤ" — مدثرہ نے کہا — "ابھی لے آؤ۔"

وہ گئی اور ایک پیالے میں دودھ لے آئی۔ مدثرہ نے اس کے ہاتھ سے پیالہ لیا اور اس سے پوچھا — "سلطانہ نے تمہیں یہ دُودھ دے کر کیا کہا تھا کہ مجھے دُودھ پلا کر بھاگ آنا یا کھڑی دیکھتی رہنا کہ دُودھ کا اثر کیا ہوتا ہے؟"

خادمہ نے گھبراہٹ کو چھپاتے ہوئے کہا — "آپ کیا کہہ رہی ہیں؟.... ملکہ طروب کا اس دُودھ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔"

"کیا تم نے انعام لے لیا ہے یا اس دُودھ کے اثر کے بعد وصول کرو گی؟"

وہ کتنی ہی چالاک کیوں نہ ہوتی آخر خادمہ تھی اور وہ امیرِ اُندلس کی بیوی کو زہر دے رہی تھی۔ جب دیکھا کہ مدثرہ کو کسی طرح معلوم ہو گیا ہے یا شک ہو گیا ہے کہ دُودھ میں زہر ہے تو خوف سے وہ کانپنے لگی۔ مدثرہ ہنس پڑی۔

"مت ڈرو" — مدثرہ نے اُسے کہا — "یہ بتا دو کہ یہ زہر تمہیں سلطانہ نے دیا تھا نا؟"

"انہوں نے ہی دیا تھا" خادمہ نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا اور آگے بڑھ کر بولی — "یہ مجھے دے دیں۔ میں پی لوں گی۔ میں اُس سزا سے ڈرتی ہوں جو مجھے ملے گی۔ اس اذیت سے بہتر ہے کہ میں فوراً مر جاؤں" — وہ رونے لگی اور بولی — "اُن کا حکم نہ مانتی تو بھی میرے لئے سزا تھی۔ حکم مانا تو اس سے بڑی سزا ملے گی" — وہ مدثرہ کے پاؤں پر گر پڑی اور ماتھا اُس کے پاؤں پر رگڑتے ہوئے بولی — "میرے بچوں پر کرم کریں۔ مجھے یہاں سے بھاگ جانے کی اجازت دے دیں۔ محل سے ہمیشہ کے لئے چلی جاؤں گی۔ قرطبہ سے نکل جاؤں گی"

"تم محل میں رہو گی" مدثرہ نے کہا "تمہیں کوئی سزا نہیں ملے گی.... باہر ٹھہرو اور میری واپسی تک یہیں کھڑی رہو۔ کسی کے ساتھ کوئی بات نہ کرنا"

مدثرہ نے دُودھ کا پیالہ اٹھایا اور خادمہ کو خوف سے تھر تھر کانپتا چھوڑ کر چلی گئی۔

*

سلطانہ بناؤ سنگار میں مصروف آئینے میں اپنے حسن کی دلکشی کا جائزہ لے رہی تھی۔ محل کی ان خاص عورتوں اور حرم میں زندگی گذارنے والیوں کا دن سورج غروب ہونے کے بعد شروع ہوتا تھا۔ سلطانہ بھی رات کو چھپانے والا پنچھی تھی۔ اُس کے کمرے میں ایسے عطروں کی مہک تھی جو عام لوگوں کے تصور میں بھی نہیں آ سکتے۔ کمرے میں کئی رنگوں کے فانوس روشن تھے۔

مدثرہ دبے پاؤں اُس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ سلطانہ نے آئینے میں اُسے دیکھا تو وہ چونک کر پیچھے کو مڑی۔ مدثرہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"کیسے آئیں مدثرہ!" — سلطانہ نے اُٹھ کر اس کی طرف آتے ہوئے پوچھا — "یہ پیالہ کیسا ہے؟"

"تمہارے لئے دودھ میں وہ شہد ملا کر لائی ہوں جو صرف مصر میں ملتا ہے اور وہ بھی فرعونوں کے کسی کسی کھنڈر میں" مدثرہ نے پیالہ ایک بڑی خوشنما تپائی پر رکھتے ہوئے کہا — "اس شہد میں یہ خوبی ہے کہ تھوڑا سا دُودھ میں ملا کر عورت پی لے تو اُس کا حسن نکھر آتا ہے اور عورت کا جسم نوجوان لڑکیوں کی طرح رہتا ہے۔ حرم کی ایک خادمہ کا بھائی مصر سے آیا ہے۔ وہ یہ شہد لایا ہے۔ وہ خادمہ میرے لئے دُودھ میں ڈال کر لائی تھی۔ میں نے نہیں پیا۔ تمہارے لئے لے آئی ہوں۔ امیر اندلس کو تمہارے حسن اور تمہارے جسم کے ساتھ جو عشق ہے وہ میں چاہتی ہوں ہمیشہ قائم رہے۔ میں اپنے خاوند کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔ لو، یہ تم پی لو۔ مجھے اپنے جسم کے ساتھ تو ذرا سی بھی دلچسپی نہیں۔"

سلطانہ کی بھی عقل تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ بھانڈہ پھوٹ گیا ہے۔ اُس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ اُس نے کچھ کہنا چاہا مگر زبان جواب دے گئی۔ اُس کا حسن ماند پڑ گیا۔ اُس نے معمولی قسم کا جرم نہیں کیا تھا۔

"سلطانہ!" — مدثرہ نے کہا — "رقابت، لالچ اور حسد ایک نہ ایک دن انسان کو اس مقام پر لے آتے ہیں جہاں اس وقت تم کھڑی ہو.... اور تمہارے

چہرے پر لکھا ہے کہ زہر کا یہ پیالہ تم خود پی جانا چاہتی ہو۔ کیا تم نے اب بھی
اپنی حیثیت کو نہیں پہچانا؟ میں امیرِ اندلس کی بیوی ہوں اور تم ان کی داشتہ ہو،
اور اب تم ایک ایسے جرم کی مجرم ہو جس نے تمہارے خوابوں پر، تمہاری قسمت
پر اور تمہارے ہونے والے بچے کے مستقبل پر سیاہ کالی مہر ثبت کر دی ہے۔"

سلطانہ کو جیسے چکر آ گیا ہو۔ وہ کچھ بھی نہ بولی۔ دھڑام سے پلنگ پر بیٹھ گئی
اور آنکھیں پھاڑے ہوئے مدثرہ کو دیکھنے لگی۔

"کہہ دو یہ زہر تم نے نہیں بھیجا۔" مدثرہ نے کہا۔ "تم نے جس کے ہاتھ
زہر بھیجا تھا وہ ہماری خادمہ ہے۔ اُسے زندہ رہنا ہے اور اپنے بچوں کو بھی وہ
زندہ رکھنا چاہتی ہے۔ تمہارے انعام کے لالچ اور تم نے یہاں اپنی جو حیثیت
بنا رکھی ہے اُس کے خوف میں آکر وہ تمہاری بات مان گئی مگر میں نے اس کے
ساتھ پیار کی دو باتیں کیں تو اسے قید خانے کا وہ جہنم یاد آ گیا جہاں اسے
ساری عمر کے لئے پھینکا جا سکتا ہے۔ اُس کے دل میں مامتا بیدار ہو گئی۔ اُسے
اپنے بچے یاد آ گئے اور وہ زہر کا پیالہ رکھ کر میرے قدموں میں گر پڑی۔ اس
نے مجھے اس زہر کا پورا سفر سُنا دیا کہ کہاں سے چلا اور مجھ تک کس طرح پہنچا
ہے۔ مجھے نہیں اپنے آپ کو بتاؤ کہ تمہاری حیثیت کیا ہے۔ یہاں کی کوئی خادمہ
کوئی خادم کسی داشتہ کی خاطر یا حرم کی عورت کی خاطر شاہی خاندان کے کسی فرد
کو دھوکہ نہیں دے گا ... تم میں نہ سچ بولنے کی جرأت ہے نہ جھوٹ بولنے کی۔
میں فیصلہ تم پر چھوڑتی ہوں۔ کہو تو یہ رات تمہاری زندگی کی آخری رات بنا دوں۔
کہو تو جان بخشی کر دوں ... یہ حُسن تمہارے کس کام آیا؟"

سلطانہ کے چہرے پر پسینے کے قطرے پھوٹ آئے اور اتنی دل کش
آنکھیں لال سُرخ ہو گئیں، پھر اس کے آنسو بہہ نکلے۔ وہ اچانک اُٹھی اور لپک
کر زہر کا پیالہ اٹھا لیا۔ اس نے سسکنے کے انداز سے کہا۔ "میں اب زندہ نہیں
رہنا چاہتی۔" اور وہ پیالہ اپنے منہ کی طرف لے جانے لگی۔ مدثرہ نے ہاتھ لمبا
کر کے اس کے ہونٹوں پر رکھ دیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے ہاتھ سے پیالہ
لے لیا۔

"اس کا مطلب یہ ہو گا کہ میں نے تمہیں زہر پلایا ہے۔" مدثرہ نے کہا اور
پیالہ رکھ دیا۔

سلطانہ نے بے بسی کے عالم میں مدثرہ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں
میں پکڑ لیے اور اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔

"اگر تم شاہی خاندان کی عورت ہو اور اپنے آپ کو مجھ سے برتر سمجھتی
ہو تو اپنی برتری کا ثبوت دو۔" سلطانہ نے بھیک مانگنے کے لہجے میں کہا۔
"میرا یہ گناہ بخش دو۔ میں نے تمہیں زہر دینے کی کوشش کی ہے۔ اگر تم نے
شاہِ اندلس کو بتا دیا تو کیا وہ مجھے زندہ رہنے دیں گے؟"

"ہاں۔" مدثرہ نے کہا۔ "وہ تمہیں زندہ رہنے دیں گے لیکن قید خانے
میں ... قید خانے کے اُس حصے میں جہاں رات کو نکلنے والے کیڑے مکوڑے
قیدیوں کو سونے نہیں دیتے۔"

سُلطانہ مدثرہ کی ٹانگوں سے لپٹ گئی اور گڑگڑانے لگی۔

"لیکن میں تمہیں اسی محفل میں زندہ رکھوں گی۔" مدثرہ نے کہا۔ "امیرِ اندلس

کو تمہاری ضرورت ہے۔ میں جانتی ہوں میرا مذہب اسے گناہ کہتا ہے جو میں کہہ رہی ہوں لیکن میرا دماغ صرف میری ذات کا فائدہ نہیں سوچا کرتا۔ میری نظر میں وسعت اور میرے دل میں گہرائی ہے۔ میں اپنا نہیں اُندلس کا مفاد سوچا کرتی ہوں .... اُٹھو اور پلنگ پر بیٹھ جاؤ۔" وہ سدھائے ہوئے جانور کی طرح پلنگ پر بیٹھ گئی تو مدثرہ نے کہا۔ "غور سے سنو سلطانہ! یہ پیالہ ٹوٹ جائے گا۔ یہ دودھ زمین میں جذب ہو جائے گا، پھر وقت گذرتا چلا جائے گا اور برسوں گذر جائیں گے لیکن تمہارا یہ جرم نہ مٹی میں جذب ہو سکے گا نہ وقت اسے بھولی بسری بات بننے دے گا۔ زہر کا یہ پیالہ ہر وقت تمہارے ہونٹوں کے ساتھ لگا رہے گا۔ جہاں تم نے احتیاط کو نظر انداز کیا غیب کا ایک ہاتھ یہ زہر تمہارے حلق میں انڈیل دے گا....

"میں تمہارے اس جرم کو ہضم کر لوں گی مگر میری شرطیں سن لو۔ عمر کے کسی بھی حصے میں جا کر تم نے کسی ایک بھی شرط سے انحراف کیا تو اپنا انجام سوچ لو.... پہلی شرط یہ ہے کہ نصرانیوں سے قطع تعلق کر لو۔ جاسوس میرے بھی ہیں جو مجھے ہر طرح کی اطلاع دیتے ہیں۔ اگر تم یہ خواب دیکھ رہی ہو کہ یہ نصرانی، صلیب کے یہ پرستار تمہیں کسی خطے کی ملکہ بنا دیں گے تو تصوروں سے اس خواب کو خارج کر دو۔ ان کفار کے کسی بھی سرغنہ کے ساتھ تمہارا ذرا سا بھی رابطہ نہ رہے۔ اُیلوگیئس اور ایلیارو کو ذہن سے اتار دو.... ہاں! اگر انہیں دھوکہ دے سکتی ہو یا انہیں گرفتار کرا سکتی ہو تو یہ اقدام تمہارے لئے بہتر ہوگا۔"

"میں تمہاری ہر شرط مان لوں گی۔" سلطانہ نے التجا کی۔ "مجھے بخش دو۔ شاہ اُندلس کو نہ بتانا۔"

"نہیں بتاؤں گی۔" مدثرہ نے کہا۔ "طبیب حرانی کے ساتھ تمہاری کوئی بات نہ ہو اور آئندہ امیر سے یہ نہ کہنا کہ اُن کے چہرے پر تھکن ہے.... اور انہیں یہ نیا شربت پلانا چھوڑ دو۔ سلطنت کے امور میں اور امیرِ سلطنت کے فیصلوں میں کبھی دخل نہ دینا۔ اپنی حیثیت صرف ایک داشتہ تک محدود رکھو۔ اپنے مذہب میں واپس آنے کی کوشش کرو۔ زریاب کو استعمال کرنا چھوڑ دو۔"

"لیکن مدثرہ!" سلطانہ نے کہا۔ "زریاب میری محبت میں دیوانہ ہوا جا رہا ہے۔"

"اور تم اُس کی محبت میں دیوانی ہو جاؤ۔" مدثرہ نے کہا۔ "اُس کی محبت کو قبول کر کے اس کی ذات میں فنا ہو جاؤ لیکن امیرِ اُندلس کو محل کا قیدی نہ بناؤ.... سلطانہ! تمہاری نظر اپنے آج پر ہے۔ تمہارا جینے کا اصول اور مقصد یہ ہے کہ آج عیش کر لو۔ میری نظر مستقبل پر ہے۔ اپنا نہیں، ملّت کا مستقبل، میری نظر اُس تاریخ پر ہے جو مرنے کے بعد لکھی جائے گی۔ میں اُس تاریخ کو روشن کرنا چاہتی ہوں کہ جس سے ہماری آنے والی نسلیں اپنا رستہ دیکھ سکیں.... شاید میری باتیں تمہاری سمجھ سے بالا ہیں۔ عقل رکھتی ہو، انہیں سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"سمجھتی ہوں مدثرہ!" سلطانہ نے گڑگڑا کر کہا۔ "مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔"

"میں نے تمہیں یہ تو نہیں کہا کہ میرے اور میرے شوہر کے درمیان نہ آنا۔" مدثرہ نے کہا۔ "میں نے اس پرچم کے وقار کی بات کی ہے جو محل کے اُوپر لہرایا کرتا ہے اور جو فوج کے ساتھ میدانِ جنگ میں جاتا ہے.... جا سلطانہ!

میں نے تجھے بخش دیا۔"

مدثرہ نے دُودھ کا پیالہ اُٹھایا اور سُلطانہ کے کمرے سے نکل گئی — پھر یہ پیالہ رات کی تاریکی میں ٹوٹ گیا اور زہریلا دُودھ زمین نے اپنے اندر جذب کر لیا۔

سُلطانہ کی حالت اُس ناگن کی سی ہو گئی جس کا زہر ختم ہو گیا ہو۔

*

فلورا اُسی مکان میں قید تھی۔ کئی دن گزُر گئے تھے۔ عالم اُسے مذہب کی تعلیم دینے کے لئے باقاعدگی سے آ رہا تھا۔ وہ ہر روز فلورا کے ساتھ رہنے کے وقت کو بڑھاتا جا رہا تھا۔ فلورا اُس کے ساتھ کُھل گئی تھی۔ اُس نے اپنے اس اتالیق سے دو تین بار کہا تھا — "آپ کے انتظار میں میری آنکھیں تھک جاتی ہیں اور سر دُکھنے لگتا ہے۔ اگر آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میں اُس سبق میں کبھی دلچسپی نہ لیتی۔"

عالم اتالیق اب سبق کی بجائے فلورا کی ذات میں زیادہ دلچسپی لے رہا تھا۔ وہ کچھ دیر تو فلورا کے ساتھ اس طرح باتیں کرتا تھا جیسے وہ ہمجولی اور گہرے دوست ہوں۔ پھر اُسے مذہب کے سبق دیتا تھا۔ فلورا اُس کے سامنے بیٹھا کرتی تھی، پھر اس کے ساتھ بیٹھنے لگی اور دو تین دِنوں بعد اُس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔ وہ کتاب پر اِس طرح جھکی کہ اس کے بال اتالیق کے گالوں کو چھُونے لگے۔ فلورا نے اپنا ایک بازو اتالیق کے کندھے پر رکھ دیا۔ اتالیق کا بازو اُس کے ارادے کے بغیر فلورا کی کمر کے گرد لپٹ گیا۔ فلورا نے اُس کی طرف دیکھا اور ایسے انداز سے مسکرائی جیسے اُس کے گرد بازو لپیٹ کر اتالیق نے اُس کی ایک خواہش

پوری کر دی ہو۔

"آپ مجھے کہتے ہیں کہ میں دل میں خُدا کی محبت پیدا کروں" — فلورا نے کہا — "لیکن میرا دل آپ کی محبت میں تڑپتا رہتا ہے۔ یہ گناہ تو نہیں؟"

"نہیں" — اتالیق نے کہا۔

فلورا نے اپنا گال اُس کے گال کے ساتھ لگا دیا۔ اتالیق سارے سبق بھُول گیا مگر فلورا اُس سے پرے ہٹ گئی۔ اُس نے چنگاری سلگا دی تھی۔ اگلے تین چار دن فلورا اُس کی محبت کی دیوانگی کی اداکاری کرتی رہی اور وہ اپنے عالم فاضل اتالیق کے دل و دماغ پر طلسم کی طرح طاری ہو گئی یا جیسے کوئی نشہ عقل پر حاوی ہو جاتا ہے۔

ایک روز اُس نے اتالیق سے کہا کہ وہ دن بھر فارغ پڑی رہتی ہے اور یہ فراغت اس میں غصّہ پیدا کرتی جا رہی ہے۔ اُس نے سوچا ہے کہ ایک لمبا رسّہ مل جاتے تو اس مکان کے صحن میں جو درخت ہے اس کے ساتھ وہ پینگ ڈال لے۔ یہ ایک اچھا شغل ہو گا۔ اتالیق نے اُسے کہا کہ وہ کل رسّہ لیتا آئے گا۔

اگلے روز کے پچھلے پہر وہ آیا تو وہ ایک لمبا رسّہ لیتا آیا۔ فلورا کی نگرانی پر جو عورتیں تھیں اُنہوں نے اعتراض کیا کہ لڑکی قید میں ہے، یہ رسّے کی مدد سے فرار ہو سکتی ہے۔ اتالیق نے کہا کہ کل صبح تم اپنے ہاتھوں درخت پر چڑھ کر رسّہ باندھ دینا۔ پینگ تمہارے لئے بھی اچھا شغل رہے گا۔ عورتیں مان گئیں۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ فلورا سیدھی سادی سی لڑکی ہے۔ کوئی ایسی بات یا حرکت نہیں کرتی جس سے اس کی نیت پر شبہ کیا جائے۔

شام کو یہ عالم چلا گیا۔ اندھیرا گہرا ہو چکا تھا۔ پھر رات ہو گئی۔ دو عورتیں

دوسرے کمرے میں سو گئیں اور ایک فلورا کے کمرے میں سوئی۔ فلورا جاگتی رہی۔ باہر کا دروازہ اندر سے مقفل کر دیا جاتا تھا اور چابیاں دوسرے کمرے میں سونے والی عورتوں کے پاس ہوتی تھیں۔

فلورا آدھی رات سے ذرا پہلے اُٹھی۔ اس کے کمرے میں سونے والی عورت گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ فلورا نے اُس کے بستر پر چڑھ کر دونوں گھٹنے اُس کے سینے پر رکھ دیئے اور دونوں ہاتھوں سے اُس کا گلا گھونٹ دیا۔ وہ عورت تڑپنے لگی۔ لیکن اُس کے سینے پر فلورا گھٹنے ٹیک کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے ہاتھوں کی گرفت اور زیادہ مضبوط کر دی اور ذرا ہی دیر بعد عورت بے حس ہو گئی۔

فلورا نے رسّہ اُٹھایا اور دبے پاؤں باہر نکلی۔ صحن میں سیڑھی رکھی تھی۔ صحن کی دیواریں قلعے کی طرح بہت اُونچی تھیں۔ فلورا سیڑھی سے چھت پر چلی گئی۔ اُس نے ممٹی کے ساتھ رسّہ باندھا اور دوسرا سرا مکان سے پیچھے باہر لٹکا دیا۔ وہ رسّے کو پکڑ کر اور پاؤں دیوار کے ساتھ جماتی ہوئی اُتر گئی۔ اُسے معلوم تھا کہاں جانا ہے۔ وہ شہر کی گلیوں میں غائب ہو گئی۔

تاریخ میں اُس عیسائی کا نام نہیں ملتا جس کے دروازے پر اُس نے دستک دی۔ یہ تفصیل ملتی ہے کہ قید سے پہلے اپنی ماں کے ساتھ وہ اس گھر میں کئی دفعہ گئی تھی۔ یہ عیسائی زمین دوز جنگ لڑ رہا تھا اور اُسے لوگ بڑا بھلا آدمی سمجھا کرتے تھے۔ تاریخ میں یہ بھی ملتا ہے کہ ایلوگیئس جب بھیس بدل کر قرطبہ آیا کرتا تو اسی گھر میں ٹھہرا کرتا تھا۔

عیسائی نے دروازہ کھولا تو فلورا کو دیکھ کر حیران ہُوا۔ اُس نے فلورا کو

بازو سے پکڑ کر اندر کھینچ لیا اور دروازہ بند کر دیا۔ فلورا نے اُسے بتایا کہ وہ کس طرح فرار ہو کے آئی ہے۔

"تمہیں اب نہ جانے کتنے دن میرے گھر میں قید رہنا پڑے گا" — اُس کے میزبان نے کہا — "میں صبح پیغام بھی بھیج دوں گا۔ کوئی آئے گا اور تمہیں قرطبہ سے لے جائے گا۔"

"میری ماں کی کیا خبر ہے؟" — فلورا نے پوچھا۔

"تمہارے بھائی بدر نے اُسے اور تمہاری بہن بالدی کو گھر سے نکال دیا ہے" — اُس کے میزبان نے کہا — "دو تین روز میرے پاس رہی تھیں۔ میں نے انہیں بہت دُور بھجوا دیا ہے۔ تم قرطبہ سے نکلو گی تو وہ کہیں نہ کہیں تمہیں مل جائیں گی۔ ہمارا پیر اُستاد ایلوگیئس دو چار دنوں بعد آئے گا۔ وہ یہیں ٹھہرے گا۔ اُس کے ساتھ بھی تمہاری ملاقات ہو جائے گی۔"

"ایلوگیئس ... اوہ .... ایلوگیئس" — فلورا نے بچوں کے سے اشتیاق سے کہا — "میری ماں نے مجھے اُس کے متعلق بہت کچھ بتایا ہے۔ ماں کہتی ہے کہ ایلوگیئس نے اپنی جوانی، اپنے جذبات اور اپنی زندگی اسلام کی بیخ کنی اور عیسائیت کی بادشاہی کے لئے وقف کر رکھی ہے۔"

"ایلوگیئس بڑا خوبصورت جوان ہے" — میزبان نے کہا — "اُس نے شادی نہ کرنے کا عہد کر رکھا ہے۔ وہ تو یسوع مسیح کا دیوانہ ہے۔ امیر عبدالرحمٰن کے حرم کا ہیرا سلطانہ ملکہ طروب اور موسیقار زریاب پر بھی ایلوگیئس کا اثر ہے۔"

"اگر یہ دونوں اُس کے زیرِ اثر ہیں تو ہم بہت جلدی کامیاب ہو جائیں گے۔"

—فلورا نے کہا۔

"نہیں"۔ میزبان عیسائی نے کہا۔ "ہمیں دونوں پر اعتماد نہیں۔ ایک تو اس لئے کہ وہ مسلمان ہیں۔ دوسرے اس لئے کہ ایک موسیقار ہے اور سلطانہ محض ایک داشتہ۔ یہ لوگ درباری ہیں، خوشامدی اور مفاد پرست۔ اُن کے ساتھ ہم بچ کر بات کرتے ہیں..... میں تمہیں بتا رہا تھا کہ سلطانہ کا حسن لاجواب اور بے مثال ہے۔ ایلوگیئس اُس کی جاگیر میں اُس کے ساتھ تنہا رہا ہے لیکن سلطانہ اس پتھر کو موم نہیں کر سکی۔"

فلورا کا حُسن بھی لاجواب اور بے مثال تھا اور وہ نوخیز بھی تھی۔ یہ ایک ایسا جادو تھا جس نے ایک عالم کو اندھا کر دیا اور وہ قید سے نکل آئی تھی لیکن فلورا نے اپنے حُسن کے متعلق یہی تجربہ حاصل کیا تھا کہ اس سے مردوں کو اپنا غلام بنا کر اُن کی عقل ماری جا سکتی ہے۔ اُس نے جذباتی لحاظ سے کبھی نہیں محسوس کیا تھا کہ وہ بہت ہی حسین ہے اور اسے اپنے جیسا کوئی رفیقِ زندگی ملے۔ تمام مؤرخوں نے اس کے متعلق ایک ہی جیسی رائے لکھی ہے۔ اُس کے حُسن کے بیان پر الفاظ کا ذخیرہ کر دیا ہے لیکن وہ کسی عشقیہ ڈرامے کی ہیروئن نہ بنی۔ اُسے یسوع مسیح کی جانباز خاتون کہا گیا ہے جس پر جنون طاری تھا کہ وہ اپنے مذہب پر جان قربان کرے گی۔ ایک مسلمان تاریخ دان علامہ دوزی اپنی تصنیف "عبرت نامۂ اندلس" میں لکھتا ہے کہ فلورا اپنے آپ کو عورت سمجھتی ہی نہیں تھی۔ اُس پر اپنا مذہب ایک جنون اور ایک پاگل پن کی طرح غالب تھا۔ کبھی تو لگتا تھا جیسے وہ کسی غیر مرئی غیبی قوّت کے زیرِ اثر ہے۔

مُسلمانوں میں یہ جذبۂ جانبازی تھا تو اسلام کا پرچم صحرا سے سمندر پار تک جا پہنچا اور یورپ کے اگلے سمندر کی طرف بڑھتا گیا مگر جب اللہ کے تیغ زنوں نے عورت کو

اپنے اعصاب پر طاری کر لیا اور عورت کو احساس دلا دیا کہ وہ حرب وضرب کی نہیں حرم کی چیز ہے تو پرچم ستارہ و ہلال پر غنودگی طاری ہونے لگی اور اُسی بحرِ ظلمات میں ڈوب گیا جس میں اُس کے جانبازوں نے گھوڑے دوڑا دیئے تھے۔

*

دوسرے دن قرطبہ میں ہنگامہ بپا ہو گیا۔ قیدی لڑکی نظر بندی سے فرار ہو گئی تھی۔ اُس کے کمرے میں ایک نگران عورت کی لاش پڑی تھی اور مکان کے پچھواڑے ایک رسّہ لٹک رہا تھا۔ باقی دو نگران عورتوں کو حراست میں لے لیا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ رسّہ اتالیق لایا تھا جو لڑکی کو مذہب کی تعلیم دینے جاتا تھا۔ اِس عالم کو پکڑ لیا گیا۔ عالم کے اندر یہ احساس بیدار ہو گیا کہ فلورا جتنی حسین تھی اس سے کہیں زیادہ چالاک تھی اور وہ اُس پر عشق و محبت اور حُسن کا جادو چلا کر بھاگ گئی۔ عالم کو پچھتاوے نے اور گناہ کے احساس نے ایسا ڈنگ مارا کہ وہ اپنا دماغی توازن کھو بیٹھا۔ کبھی اپنے کپڑے پھاڑتا کبھی اپنا منہ نوچتا۔ اُسے پاگل قرار دے دیا گیا اور سرکاری طور پر یہ فیصلہ دے دیا گیا کہ قیدی لڑکی کو اسی آدمی نے بھگایا ہے اور اس کے لئے اسے ایک نگران عورت کو قتل کرنا پڑا۔ فلورا کی تلاش کو ضروری نہ سمجھا گیا۔

فلورا جس عیسائی کے گھر میں چھپی ہوئی تھی وہ ایک گمنام گھرانہ تھا اور اس آدمی کو پڑوسیوں کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ ابھی کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ دلکش اور معصوم سی لڑکی کس قدر قتل و غارت کا باعث بنے گی اور یہ تحریکِ مؤلدین کو تاریخی اہمیت دے دے گی۔ یہ تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ جو نیا پاگل شہر کی گلیوں میں عجیب بے معنی سی صدائیں لگاتا پھرتا، کبھی قہقہے لگاتا اور کبھی خاموش

کھڑا آسمان کو دیکھنے لگتا ہے۔ اسے اسی بظاہر بھولی بھالی لڑکی نے پاگل کیا ہے۔ یہ پاگل روز بروز غلیظ ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے گھر والوں نے بھی رو پیٹ کر اسے گھر سے نکال دیا تھا۔

ایک روز اسی حال حلیے کا ایک اور پاگل شہر میں نظر آیا۔ وہ کہیں رک جاتا، سورج کی طرف انگلی کرتا اور ذرا سی دیر میں بہت سے لوگ اس کے پاس رک کر سورج کی طرف دیکھنے لگتے اور پاگل وہاں سے کھسک جاتا۔ وہ شہر کی ایک گلی میں چلا گیا اور گلیوں کے موڑ مڑتا اس گھر کے دروازے پر رک گیا جہاں فلورا چھپی ہوئی تھی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور موقع دیکھ کر بغیر دستک کے اندر چلا گیا۔ اس نے اندر سے دروازے کی زنجیر چڑھا لی۔

گھر کا مالک دوڑا آیا اور بے تابی سے بازو پھیلا کر بولا — "ایلوگیئس .... اب کے بہت انتظار کرایا" — اور وہ اس سے بغل گیر ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد ایلوگیئس کا روپ بدلا ہوا تھا۔ منہ سر دھلا ہوا اور اس نے اچھے کپڑے پہن لیے تھے۔ تب میزبان نے اسے فلورا کے متعلق بتایا اور فلورا اسے ملانے سے پہلے ایلوگیئس کو اس کی تمام تر تفصیل سنا دی۔ اسے جو سزا ہوتی تھی وہ سنائی۔ اس نے قاضی کے سامنے اسلام کے خلاف جو توہین آمیز کلمے کہے تھے وہ سنائے اور اسے بتایا کہ فلورا اب کس طرح فرار ہوئی ہے۔

"مجھے فوراً اس کے پاس لے چلو" — ایلوگیئس نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا — "یہ تو کنواری مریم کی روحِ مقدس معلوم ہوتی ہے۔"

فلورا اور ایلوگیئس آمنے سامنے آتے تو دونوں کو ایک جیسا دھچکہ لگا اور

دو چار ثانیے وہ ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ فلورا آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ اس نے ایلوگیئس کے کارنامے سنے تھے۔ وہ اس کے گھٹنے چومنے کے لیے جھکی تو ایلوگیئس نے بے ساختہ اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

"تم معصوم لڑکی ہو" — ایلوگیئس نے اسے الگ کر کے اس کا حسین چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں تھام لیا اور کہا — "مریم بھی ایسی ہی معصوم تھی۔ حضرت عیسیٰ بھی بھولے بھالے تھے مگر صلیب پہ ٹانگے گئے۔ تم بھی مصلوب ہو گی۔ سولی پر لٹکائی جاؤ گی۔"

"میں اسی لیے پیدا ہوئی ہوں" — فلورا نے کہا — "اپنی معصومیت کو داغدار کیے بغیر سولی چڑھوں گی۔ کیا آپ مجھے یقین دلا سکتے ہیں کہ میری جان میرے عقیدے کے کام آسکے گی؟ کیا میرا خون عرب سے آئے ہوئے اس دشمن مذہب کی رگوں میں زہر بن کر اتر سکے گا؟"

"نیت، عزم اور جذبہ ہو تو کیا نہیں ہو سکتا" — ایلوگیئس نے اسے اپنے قریب بٹھاتے ہوئے کہا — "تم نے قاضی القضاۃ کی عدالت میں اسلام اور اس کے رسول پر دشنام طرازی کر کے مجھے ایک نیا راستہ دکھایا ہے۔ میں اپنی تحریک کو اس راستے پر چلاؤں گا۔ میں ایسے جانباز تیار کر لوں گا جو سرِ عام کھڑے ہو کر اسلام کو برا بھلا کہیں گے۔ وہ پکڑے جائیں گے اور انہیں سزا ملے گی۔ اسی روز دو تین اور آدمی چوکوں میں کھڑے ہو کر یہی حرکت کریں گے۔"

"اس سے حاصل کیا ہو گا؟" — میزبان نے پوچھا۔

"یہ لوگ جب پکڑے جائیں گے اور انہیں سزائیں ملیں گی تو دوسرے

لوگوں میں انتقام کا جذبہ پیدا ہوگا"۔ ایلوگیتس نے کہا۔ "ہم گرجوں سے یہ افواہیں اُڑائیں گے کہ عیسائیوں کو قید خانوں میں ایسی ایذائیں دی جارہی ہیں جو کوئی انسان برداشت نہیں کر سکتا۔ ہم اپنی قوم میں ایسا اشتعال پیدا کر سکیں گے جو طوفان اور سیلاب بن جائے گا۔ یہ سیلاب مُسلمانوں کے محل اور حکومت کو اپنے ساتھ بہا لے جائے گا۔ ہمیں ہر طرح کا شر اور فساد پیدا کرنا ہے۔"

"مگر حکومت سے ٹکر لینا بھی آسان نہیں"۔ فلورا نے کہا۔ "مریدہ والوں نے بغاوت کی تو دیکھو کتنی قتل و غارت ہوئی۔ عیسائیوں کے گھر بھی جلا دیئے گئے۔ کیا ہم باقاعدہ فوج بنا کر نہیں لڑ سکتے؟"

"ابھی نہیں"۔ ایلوگیتس نے کہا۔ "میں دیکھ رہا ہوں کہ ہم بہت زیادہ جانیں قربان کر رہے ہیں لیکن بغاوتوں کا سلسلہ ہم جاری رکھیں گے۔ اگر ہم نے بغاوتوں کو نقصان دہ سمجھ کر مُسلمانوں کو آرام سے سوچنے کی مہلت دے دی تو یہ فرانس پر حملہ کر کے فرانس کی طاقت کو ختم کر دیں گے، پھر اسلام کو سارے یورپ میں پھیل جانے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔ اُندلس کی تاریخ پڑھو۔ مدتوں پہلے فرانس پر فوج کشی ہو چکی ہے۔ اُس امیر کا نام بھی عبدالرحمٰن ہی تھا۔ اُس نے فرانس فتح کر لیا تھا۔ اب ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔"

"کیا آپ کو فرانس سے مدد مل رہی ہے؟"۔ فلورا نے پوچھا۔

"بغاوتیں فرانس کی مدد سے ہی ہو رہی ہیں"۔ ایلوگیتس نے کہا۔ "موجودہ امیر جو اپنے آپ کو شاہِ اُندلس کہلاتا ہے، فرانس پر فوج کشی کے لئے جا رہا تھا۔ ہم نے مریدہ میں بغاوت کرا کے اس امیر اور اس کے سالاروں کو مجبور کر دیا کہ وہ

راستے سے ہی مریدہ چلے جائیں۔ اس طرح ہم نے فرانس کو بچا لیا۔ فرانس ہماری جنگی طاقت اور ہمارے مذہب کا مرکز اور مستقر ہے۔"

"اب کیا ارادہ ہے؟"۔ میزبان نے پوچھا۔

"میں اسی سلسلے میں قرطبہ آیا ہوں"۔ ایلوگیتس نے کہا۔ "کچھ لوگوں سے ملنا ہے۔ اب ہم طلیطلہ میں بغاوت کرا رہے ہیں بلکہ ہماری باغیانہ جنگی کارروائیاں شروع ہو چکی ہیں۔ جہاں ہمارے جانباز قرطبہ کی فوج کی کوئی ٹولی دیکھتے ہیں تو اس پر شبخون مارتے اور جنگلوں اور وادیوں میں غائب ہو جاتے ہیں۔ وہاں کا گورنر محمد ابن وسیم ہے۔ وہ ان شبخونوں کو ابھی زیادہ اہمیت نہیں دے رہا کیونکہ انہیں وہ ڈاکو اور قزاق سمجھ رہا ہے۔ ہماری کمزوری یہ ہے کہ طلیطلہ کے شہری ابھی بغاوت کے لئے پوری طرح تیار نہیں ہو رہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مریدہ کی بغاوت کو دبانے کے لئے جو فوج آئی تھی اُس نے عیسائیوں کو باہر گھسیٹ گھسیٹ کر قتل کیا تھا۔ بغاوت کے جو سرغنے تھے، اُن کے گھر جلا دیئے گئے تھے۔ وہاں سے لوگ بھاگے تو کچھ طلیطلہ چلے گئے۔ انہوں نے وہاں کے لوگوں کو بڑی ہی دہشت ناک خبریں سنائیں۔ یہاں تک کہا کہ اور جو گناہ کرنا چاہو کر لینا بغاوت نہ کرنا۔۔

"لوگوں کے اس رویّے نے ہمارے لئے مشکل پیدا کر دی ہے۔ ہمارے ساتھ تھوڑے سے آدمی ہیں۔ یہی فوج کی گشتی ٹولیوں اور چھوٹی چھوٹی چوکیوں پر شبخون مار رہے ہیں۔ ضرورت یہ ہے کہ مریدہ کی طرح ایک ہی بار ساری آبادی اُٹھ کھڑی ہو۔ لگان اور ٹیکس وغیرہ دینے سے انکار کر دے اور گورنر محمد ابن وسیم کی قیام گاہ پر حملہ کر کے اسے گرفتار کرے اور شہر کا نظم و نسق عیسائی اپنے ہاتھ میں

لے لیں۔ شاہ لوئی نے کہا ہے کہ وہ شہریوں کے بھیس میں اپنی فوج طلیطلہ بھیج دے گا لیکن اُسے یقین دلایا جائے کہ مریدہ والوں کی طرح باغی ہتھیار نہیں ڈال دیں گے۔ میرے لئے یہی مشکل ہے کہ میں شاہ لوئی کو طلیطلہ کے لوگوں کی وفاداری کی ضمانت نہیں دے سکتا۔"

"ہاشم لوہار وہاں چلا گیا ہے" — میزبان نے کہا — "کیا وہ بھی لوگوں کو قائل نہیں کر سکا؟"

"یہ اُسی کا کمال ہے کہ اُس نے ایک گروہ بنا لیا ہے" — ایلوگیتس نے کہا — "میں نے اسے نام تبدیل نہیں کرنے دیا۔ اسے کہا ہے کہ جو اُسے مسلمان سمجھتے ہیں ان کے آگے وہ مسلمان ہی بنا رہے اور عیسائیوں کو تو معلوم ہو ہی چکا ہے کہ وہ عیسائی ہے اور صرف نام کا مسلمان..... میں اب یہاں کسی اور مقصد کے لئے آیا ہوں لیکن فلورا نے مجھے ایک نئی راہ دکھا دی ہے۔ میں اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ فائدہ یہ ہوگا کہ قرطبہ کے حاکم اسی صورت حال میں اُلجھے رہیں گے جو میں پیدا کر دوں گا۔"

شام کے بعد اس مکان میں ایک ایک کر کے تین آدمی آئے اور ایلوگیتس کے ساتھ بہت دیر تک بات چیت کر کے اور ایک نیا منصوبہ بنا کر ایک ایک کر کے چلے گئے۔

*

یہ خاصا بڑا مکان تھا۔ میزبان نے ایک کمرہ ایلوگیتس کے لئے اور ایک فلورا کے لئے الگ کر دیا تھا۔ میزبان جا کے سو گیا۔ ایلوگیتس اور فلورا بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ دونوں اپنے مذہب کے پرستار تھے اور اپنی جانیں مذہب کے لئے

بلکہ اسلام کو اُندلس سے نکالنے کے لئے وقف کر چکے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے ذاتی باتیں بھی پوچھیں۔ فلورا نے ایلوگیتس سے پوچھا کہ اُس نے شادی اپنے مشن کی وجہ سے نہیں کی یا اُسے اپنی پسند کی لڑکی نہیں ملی۔

"میں انسان ہوں فلورا!" — ایلوگیتس نے کہا — "کوئی انسان دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اُس نے اپنے جذبات کو مار دیا ہے اور وہ آزاد ہو گیا ہے۔ میں بھی یہی دعویٰ کیا کرتا ہوں مگر یہ دعویٰ سچا نہیں۔ تم ابھی نوخیز ہو فلورا! ابھی تم میری بات نہیں سمجھ سکو گی۔ اپنی جان قربان کی جا سکتی ہے، جذبات کی قربانی کوئی کوئی دے سکتا ہے۔ میں مذہب کا ایسا دیوانہ ہوں کہ دُنیا کی کوئی چیز اچھی نہیں لگتی۔ میں نے اسی دیوانگی میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ شادی نہیں کروں گا۔ تین لڑکیوں نے مجھے شادی کے لئے کہا لیکن میں نے انہیں یوں دیکھا جیسے یہ زنجیریں ہیں جو مجھے قید کر لیں گی اور میں اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکوں گا۔"

فلورا اُسے ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھی جن میں عقیدت مندی تھی، رحم تھا اور کچھ ایسا تاثر بھی تھا جیسے وہ ایلوگیتس کی ذات میں جذب ہو جانا چاہتی ہو۔

"میں اپنا رونا نہیں رو رہا فلورا!" — ایلوگیتس نے کہا — "میں یہ بتا رہا ہوں کہ اپنے مقصد پر ایسی ایسی قربانیاں دینی پڑتی ہیں جو تم کہو گی کہ کوئی انسان نہیں دے سکتا۔ انگارے نگلنے پڑتے ہیں، زہر پینا پڑتا ہے اور اپنا گلا اپنے ہاتھوں گھونٹنا پڑتا ہے۔ میں نے یہ سبق مُسلمانوں سے لیا ہے اور عبرت بھی انہی سے حاصل کی ہے۔ میں نے ان کا قرآن پڑھا اور ان کے مفکروں کی تفسیریں پڑھی ہیں۔ میں اس قدر متاثر ہوا کہ میں نے مُسلمان ہو جانے کا فیصلہ کر لیا لیکن خُدا نے

مجھ سے کوئی اور کام لینا تھا۔ میں اسلام کے خلاف ہوگیا ....

"میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ جب تک مسلمان اپنے مذہب کے پابند رہے ان کا مذہب پھیلتا چلا گیا اور وہ جس ملک میں گئے وہاں کے لوگ ان کے کردار سے متاثر ہو کر ان کا مذہب قبول کرتے گئے۔ ہمارے آباؤ اجداد نے کسی دور میں انہیں نسوانی حسن کا طلسم دکھا دیا پھر ان میں خزانوں اور حکمرانی کا لالچ پیدا کر دیا۔ یہاں سے ان کا زوال شروع ہوگیا۔ اسلام صرف اس لئے یہاں موجود ہے کہ ابھی اس پر جانیں اور جذبات قربان کرنے والے لوگ موجود ہیں۔ مثلاً قرطبہ کی فوج کے سالار اور عرب سے آئی ہوئی بعض عورتیں اپنے مذہب کی جانباز ہیں، ورنہ ان کے سلطانوں، امراء اور شاہی خاندانوں نے تو اسلام کی سلطنت کی جڑیں کھوکھلی کر دی تھیں۔ میں نے ان سے سبق سیکھا ہے کہ جان اور جذبات کی قربانی دو تو کامیابی تمہارے قدم چومے گی ....

"میرے جذبات پیاسے ہیں فلورا! میرے ماں باپ بچپن میں ہی مر گئے تھے۔ میں پیار کے کیف سے آشنا نہیں۔ کبھی کبھی جب تھکا ہوا یا تنہا ہوتا ہوں تو میں عجیب قسم کی پیاس محسوس کرتا ہوں۔ یہ شاید روح کی پیاس ہے۔ میں عالم سے ایک عام سا انسان بن جاتا ہوں اور پریشان ہونے لگتا ہوں کہ مجھے کسی ایسی چیز کی ضرورت ہے جو میں نہیں جانتا کیا ہے۔ کبھی بے خیالی میں لیٹے لیٹے بستر پر ہاتھ پھیرنے اور ٹٹولنے لگتا ہوں، اور پھر اپنے آپ سے لڑ جھگڑ کر اپنے اوپر قابو پا لیتا ہوں اور سوچنے لگتا ہوں کہ اسلامی حکومت کی جڑیں کس طرح کھوکھلی کر سکتا ہوں .... اوہ فلورا! تمہیں نیند آ رہی ہو گی۔ اٹھو اور کمرے میں جا کے سو جاؤ۔"

فلورا خاموشی سے اٹھ کر چلی گئی۔

*

ایلوگیتس کی آنکھ لگ گئی۔ فلورا نہ سو سکی۔ اس کے ذہن میں ایلوگیتس کی ٹھہری ٹھہری اور جذبات سے جھومتی ہوئی آواز ابھی تک گونج رہی تھی — "یہ شخص پیاسا ہے بکھر چلا جا رہا ہے۔ کتنی بڑی قربانی دے رہا ہے یہ شخص۔ پیار سے ناآشنا ہے اور پیار کو ٹھکرا رہا ہے۔"

فلورا اٹھ کے بیٹھ گئی اور اندھیرے خلا میں گھورنے لگی۔ اس کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔ اس کے اندر ایسا احساس کبھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ وہ اٹھ کر اندھیرے میں ایلوگیتس کے کمرے کی طرف چل پڑی۔ کمرہ ساتھ ہی تھا۔ اس نے دروازے پر ہاتھ رکھا تو کواڑ پیچھے ہٹ گئے۔ وہ دہلیز پھلانگ کر اور پاؤں پر سرکتی اس طرف بڑھنے لگی جس طرف ایلوگیتس کی چارپائی تھی۔

وہ چارپائی سے ٹکرائی اور آگے کو گری۔ اس کے ہاتھ ایلوگیتس پر جا پڑے۔ ایلوگیتس ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ فلورا نے دونوں ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ ٹٹولا اور اس کے دونوں گالوں کو ہاتھوں میں لے لیا۔

"کون؟" — ایلوگیتس نے سرگوشی کی — "فلورا؟"

"ہاں۔ میں فلورا ہوں۔"

"کیوں آئی ہو؟"

"تمہاری قربان گاہ پر اپنے جذبات کی قربانی دینے" — فلورا نے والہانہ انداز سے کہا — "تمہیں پیاسا نہیں مرنے دوں گی، ایلوگیتس! میں جو ہوں۔ پیار

کے لئے نہ ترسو۔ میں تمہارے پاؤں کی زنجیر نہیں بنوں گی۔ اپنا غلام نہیں بناؤں گی تمہیں۔ مجھے عارضی سی منزل سمجھ کر ذرا سستا لو۔"

ایلوگیئس نے اُسے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ تب اُس نے محسوس کیا کہ جس چیز کو وہ خیالوں میں ٹٹولتا اور ڈھونڈتا رہتا ہے وہ گوشت پوست کا یہی حسین پیکر تھا۔ اُس نے فلورا کو بازوؤں سے آزاد کر دیا اور بولا — "ٹھہرو ذرا۔ مجھے روشنی کر لینے دو۔ میں تمہیں اچھی طرح دیکھنا چاہتا ہوں۔"

کمرہ دیئے کی لَو سے روشن ہو گیا۔

ایک انگریز تاریخ دان ایس۔ پی سکاٹ نے دو مؤرخوں، الرازی اور کونڈے کے حوالے سے لکھا ہے — "ایلوگیئس اور نازک اندام فلورا ایک ہی گھر میں پہلی بار ملے اور پہلی ملاقات میں ہی فلورا نے اپنا آپ ایلوگیئس کے حوالے کر دیا۔ وہ ایک قربانی دینے کی نیت سے ایلوگیئس کی خوابگاہ میں گئی تھی لیکن اُن کے دلوں میں ایسی محبت پیدا ہو گئی جس کی مثال اُس دَور میں کم ہی ملتی ہے۔ اُنہوں نے شادی نہ کی لیکن ایک دوسرے کو دیکھ کر جیتے تھے۔"

فلورا نے اپنی جان، اپنی جوانی، اپنی عصمت اور اپنا آپ عیسائیت اور ایلوگیئس کے لئے وقف کر دیا۔

دونوں تین چار دن اس مکان میں رہے۔ کچھ سرکردہ عیسائی اور پادری ایلوگیئس سے ملنے آتے رہے اور اُنہوں نے ایک نیا منصوبہ تیار کر لیا۔ ایلوگیئس اور فلورا ایک روز بھیس بدل کر قرطبہ سے نکل گئے۔

*

اس کے بعد پہلے اتوار عیسائی گرجوں میں گئے تو پادریوں نے ایک ہی موضوع پر وعظ دیا۔ اُنہوں نے کہا کہ حضرت عیسٰےؑ کو صلیب پر لٹکایا گیا تھا، اب یہاں ہر عیسائی کو مصلوب کرنے کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ فلورا نام کی ایک نوجوان اور خوبصورت عیسائی لڑکی کو اس جرم میں سزائے قید دی گئی کہ وہ عیسائی ہے۔ اُس نے قاضی کی عدالت میں اسلام کو بُرا بھلا کہا اور اسے قید خانے کی بجائے کسی مکان میں قید کر دیا گیا۔ معلوم ہوا ہے کہ یہ لڑکی لاپتہ ہے۔ کسی کو معلوم نہیں اسے کہاں غائب کر دیا گیا ہے۔

اس وعظ پر مذہبی رنگ چڑھایا گیا اور گرجے میں جو لوگ عبادت کے لئے آئے تھے انہیں مشتعل کر دیا گیا۔ پادری نے کہا کہ ہر عیسائی کا فرض ہے کہ وہ فلورا کے نقشِ قدم پر چلے اور وہی جرم کرے جس پر فلورا کو سزائے قید دی گئی تھی۔ احتجاج کا اور اپنے مذہبی جذبات کے اظہار کا یہی طریقہ ہو سکتا ہے۔

گرجوں میں ہی افواہیں اُٹھنے لگیں جو سچی اور مستند خبروں کی طرح سارے شہر میں پھیل گئیں۔ ایک یہ تھی کہ جس مکان میں فلورا کو رکھا گیا تھا وہاں ہر رات بڑے بڑے حاکم جایا کرتے تھے۔ ایک افواہ یہ بھی اُڑائی گئی کہ فلورا کو امیرِ اندلس نے اپنے حرم میں رکھ لیا ہے۔

یہ افواہیں تحریک مولدین کی سرگرمیوں کا ایک حصہ تھیں۔ قرطبہ کے ہر عیسائی گھر میں یہ افواہیں پہنچائی گئیں۔ اس کے بعد تحریک کی اگلی کارروائی ایک پادری پرفیکٹس نے شروع کی۔ وہ بازار میں خرید و فروخت کے لئے گیا۔ فلورا کے متعلق افواہیں مسلمانوں نے بھی سُنی تھیں۔ دو چار مسلمانوں نے پادری پرفیکٹس سے ان

بے بُنیاد افواہوں کا ذکر کیا اور اُسے کہا کہ اسلام میں کسی عورت کو ایسی سزا نہیں دی جاتی کہ اُسے الگ مکان میں رکھ کر حاکم اُس کے پاس جائیں۔

پادری نے عیسائیت کی تبلیغ اور اسلام کی توہین شروع کر دی۔ مؤرخوں کے مطابق اس کے الفاظ یہ تھے — "حضرت عیسےٰ کو ہم خُدا اور خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں اور حضرت عیسےٰ نے کہا تھا کہ میرے بعد جتنے نبی آئیں گے وہ سب (نعوذ باللہ) جھوٹے ہوں گے" — اس پادری نے رُسولِ اکرم صلعم کی شانِ اقدس میں بھی بڑے بیہودہ کلمات کہے۔

مسلمان اس پر ٹوٹ پڑے لیکن کسی بزرگ کے کہنے پر کہ جرم و سزا کا قانون اپنے ہاتھ میں نہ لو، اسے قاضی کی عدالت میں لے چلو، چنانچہ اُسے لے گئے۔ قاضی نے اُس سے پوچھا کہ وہ اپنی صفائی میں جو کچھ بھی کہنا چاہے کہہ سکتا ہے۔ اُس نے صاف جھوٹ بول دیا کہ اُس نے کوئی ایسی بات نہیں کہی لیکن گواہوں نے اُس کا جرم ثابت کر دیا۔ قاضی نے اُسے سزائے موت دے دی — ۱۷ اپریل ۸۵۰ء بروز عید الفطر نمازِ عید کے بعد اسی میدان میں جہاں نماز پڑھی گئی تھی، پادری پرفیکٹس کو پھانسی دے دی گئی۔

*

ایک ہی روز بعد جان نام کے ایک تاجر نے یہی حرکت کی۔ وہ بازار میں رُسولؐ اور قرآن کی قسمیں کھا رہا تھا۔ مُسلمانوں نے اسے روکا کہ چونکہ وہ مسلمان نہیں اس لئے وہ رُسولؐ اور قرآن کی قسمیں نہ کھائے۔ اُس نے کہا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے اس لئے (نعوذ باللہ) جھوٹے مذہب کی قسمیں کھا رہا ہے۔ مُسلمانوں نے اُسے

بُرا بھلا کہا تو اُس نے معافی مانگ لی لیکن اُسے قاضی کی عدالت میں لے گئے۔ قاضی سے بھی اس نے معافی مانگ لی، اس لئے اسے چند مہینوں کی سزائے قید دی گئی۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ ایلوگیئس اسے ملنے کے لئے قید خانے میں گیا۔ اس نے یہ افواہ اُڑا دی کہ قید خانے میں جان کو زنجیروں میں باندھ کر رکھا ہوا ہے اور اُسے مارا پیٹا جاتا ہے۔ ایلوگیئس نے گرجوں میں بھی یہی پروپیگنڈہ کرایا۔ عیسائی مشتعل ہو گئے۔ ایک اور پادری جس کا نام اسحاق تھا، اسی راستے پر چلنے کے لئے تیار ہو گیا۔ اُس نے قاضی کی عدالت میں جا کہ قاضی سے کہا کہ اگر اُسے قائل کر لیا جائے کہ اسلام سچا اور بہترین مذہب ہے تو میں مُسلمان ہو جاؤں گا۔

قاضی نے اُسے دلائل دینے شروع کر دیئے۔ جب قاضی خاموش ہوا تو اسحاق نے اسلام کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اسی مقصد کے لئے وہ قاضی کے پاس گیا تھا۔ قاضی نے اُسے گرفتار کر لیا لیکن سزا نہ سنائی۔ قاضی امیر عبدالرحمٰن سے ملنے چلا گیا۔ اور اسے بتایا کہ عیسائیوں راہبوں اور پادریوں نے اسلام کی توہین کا نیا سلسلہ شروع کیا ہے۔ کیا ان سب کو لمبی سزائے قید دی جائے یا سزائے موت؟

"سزائے موت" — امیر عبدالرحمٰن نے حکم دیا — "ایسا جرم کوئی بھی کرے اسے سرِ عام پھانسی دی جائے اور لاش کئی دن وہیں لٹکی رہنے دی جائے۔ پھر لاش اس کے لواحقین کو نہ دی جائے بلکہ جلا کر اس کی ہڈیاں دریا میں پھینک دی جائیں۔"

اسحاق کو پھانسی دے دی گئی لیکن یہ سلسلہ رک نہ سکا۔ دو تین دن گزرتے تو ایک اور عیسائی بازار میں اسلام کی توہین کرتا پکڑا جاتا اور اُسے سرِ عام پھانسی

دے دی جاتی۔ دو مہینوں میں گیارہ پادریوں نے یہ جرم کیا اور سزا پائی۔

*

سلطانہ ملکۂ طروب نے بچے کو جنم دیا۔

"شاہِ اندلس کو ایک اور بیٹا مبارک ہو"۔ زریاب نے امیر عبدالرحمٰن کو مبارک دیتے ہوئے کہا۔ "بچہ آپ کی تصویر ہے اور اپنی ماں کا حسن لے کر دنیا میں آیا ہے۔ کیا جشن کی تیاری کی جائے؟ جشن بے مثال ہونا چاہیئے۔ ملکہ طروب کی بھی خواہش ہے کہ اس کے پہلے بیٹے کی خوشی کو اندلس کے لوگ ہمیشہ یاد رکھیں"۔

"ہونا چاہیئے"۔ امیر عبدالرحمٰن نے کہا۔ "میں ذرا سوچ کر بتاؤں گا"۔

"میں تیاری شروع کر دیتا ہوں"۔ زریاب نے کہا۔

محل میں خبر پھیل گئی کہ سلطانہ کے بیٹے کی پیدائش کا جشن منایا جائے گا۔ محل کے جشن اپنی مثال آپ ہوا کرتے تھے۔ انعام و اکرام یوں دیئے جاتے جیسے خزانہ باہر لا کر ناچنے گانے والیوں، سازندوں اور طرح طرح کے کرتب دکھانے والوں کے آگے پھینک دیا گیا ہو۔ شربت میں شراب چلتی تھی۔ امارت کا کاروبار کئی دن رکا رہتا تھا۔

مدثرہ نے سالارِ اعلٰے عبیداللہ بن عبداللہ اور وزیر حاجب عبدالکریم کو بلایا۔

"اگر میں امیر سے بات کرتی ہوں تو وہ سمجھیں گے کہ حسد کرتی ہوں"۔ مدثرہ نے دونوں سے کہا۔ "آپ نے سن لیا ہو گا کہ سلطانہ کے بیٹے کی پیدائش کا جشن منایا جا رہا ہے۔ کیا آپ پسند کریں گے کہ امیر سے آپ بات کریں اور انہیں جشن

انے سے روکیں؟"

"ہم آپس میں بات کر چکے ہیں"۔ سالارِ اعلیٰ نے کہا۔ "ہم میں سے کوئی ی جشن کے حق میں نہیں"۔

"اور جشن منانے کا وقت بھی نہیں"۔ حاجب عبدالکریم نے کہا۔ "شہر میں بدامنی اور بے اطمینانی پھیلی ہوئی ہے۔ آئے دن ایک عیسائی کی لاش میدان میں لٹکی ہوئی ہوتی ہے"۔

"اگر آپ نے بات کر لی ہے تو ہم یہاں کیوں وقت ضائع کریں"۔ مدثرہ نے کہا۔ "آپ ابھی امیرِ اندلس کے پاس چلے جائیں"۔

سالارِ اعلیٰ عبیداللہ بن عبداللہ اور حاجب عبدالکریم جب امیر عبدالرحمٰن کے کمرے میں داخل ہوئے اس وقت زریاب اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اسے بتا رہا تھا کہ شہر میں اب امن و امان ہے اور دوسرے صوبوں میں بھی اب خیریت ہے۔

"امیرِ محترم!"۔ سالارِ اعلیٰ نے کہا۔ "ہم اس جشن کے متعلق بات کرنے آئے ہیں جس کی تیاریاں ہو رہی ہیں"۔

"کیا فوج میں جشن کی تیاری ہو رہی ہے؟"۔ زریاب نے پوچھا۔

"فوج محاذ پر جانے کی تیاری کر رہی ہے"۔ حاجب عبدالکریم نے کہا۔ "شہر میں جو بدنظمی پھیل رہی ہے فوج کی نظر اس پر ہے۔ بغاوت کی چنگاری یہاں بھی سلگنے لگی ہے"۔

"امیرِ محترم!"۔ سالارِ اعلیٰ نے کہا۔ "ہم یہی حکم لینے آئے ہیں کہ فوج

جشن کی تیاری کرے یا طلیطلہ جانے کی۔ آج نہیں تو کل وہاں سے پیغام آئے گا کہ کمک بھیجو۔"

"لیکن جشن میں کتنا عرصہ لگتا ہے"۔ زریاب نے کہا۔ "چند دنوں کی تیاری اور ایک رات کا جشن۔"

"پرچم کو گرتے بھی کوئی وقت نہیں لگا کرتا زریاب!"۔ سالارِ اعلیٰ عبید اللہ نے کہا۔

"اور اس سلطنت کا پرچم گرتے تو کوئی وقت نہیں لگتا جس کے حکمران کے مشیر موسیقار ہوں"۔ حاجب عبدالکریم نے کہا۔ "کیا تمہیں معلوم نہیں شہر میں کیا ہو رہا ہے؟"

امیر عبدالرحمٰن کے چہرے پر تذبذب کا تاثر آگیا اور وہ بے چین ہو گیا۔

"مجھے صحیح صورتِ حال بتاؤ"۔ اُس نے قدرے غصے سے کہا۔ "زریاب نے بتایا ہے کہ حالات قابو میں ہیں۔"

"شہر میں ایک عیسائی کی لاش لٹکی رہتی ہے"۔ حاجب عبدالکریم نے کہا۔ "اسلام کی توہین ان مرنے والوں کا ذاتی فعل نہیں۔ یہ ایک سازش ہے جس پر قابو نہ پایا گیا تو بغاوت کی صورت اختیار کر لے گی۔"

"ہم بغاوت کو فوراً دبا لیں گے"۔ زریاب نے کہا۔

"بغاوتیں ناچ گانے اور جشن منانے سے نہیں روکی جا سکتیں زریاب!"۔ سالار عبید اللہ نے کہا۔ "اور تمہارا دماغ نہیں سمجھ سکتا کہ بغاوت اور تخریب کاری کے پیچھے کیا ہوتا ہے.... امیرِ محترم! ہم آپ سے مخاطب ہیں۔ اُندلس بغاوتوں

کی سرزمین بن گیا ہے۔"

"اور ان بغاوتوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم اُندلس کے اندر اُلجھے رہیں"۔ امیر عبدالرحمٰن نے کہا۔ "اور فرانس جنگی طاقت بنتا چلا جائے تا آنکہ وہ اُندلس پر یلغار کر کے ہمیں ختم کر دے۔ میرے ذہن سے نکلا نہیں کہ فرانس پر حملہ اور اس ملک کو امارتِ اُندلس میں شامل کرنا میرے اُوپر ایک قرض ہے۔ مجھے یہ قرض ادا کرنا ہے.... لیکن"۔ اُس نے ذرا سوچ کر کہا۔ "جشن منا لیا جائے تو کیا ہو جائے گا!"

"کچھ بھی نہیں ہوگا"۔ حاجب عبدالکریم نے کہا۔ "خزانے کا کچھ حصہ خالی ہو جائے گا اور لوگوں پر کچھ دن جشن کا نشہ طاری رہے گا۔ ہمیں کہنا یہ ہے کہ حرم میں بچے پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ہمیں جشن اور زالعاموں کا یہ سلسلہ لے ڈوبے گا۔ ہمیں وقت اور خزانے کی اتنی ضرورت ہے جتنی پہلے کبھی نہیں پڑی تھی۔"

"ہمیں یہ جشن زیب بھی نہیں دیتے"۔ سالارِ اعلیٰ عبید اللہ بن عبد اللہ نے کہا۔ "اور یہ جشن تو ہمارے کردار اور وقار کے لئے کسی پہلو موزوں نہیں۔ ہمیں اپنے بعد آنے والوں کے لئے وہ روایت چھوڑنی ہے جو اُندلس کی سرحدوں کو اور دُور لے جاتے مگر ہم کیا روایت چھوڑے جا رہے ہیں؟.... امیرِ محترم! یہ بیٹا اُس عورت کے بطن سے پیدا ہوا ہے جو آپ کی منکوحہ بیوی نہیں۔ چونکہ ہمارے ہاں یہ رسم ایک عرصے سے رائج ہے کہ غیر منکوحہ عورتیں بھی حرموں میں رکھی جاتی ہیں اس لئے یہ ہماری شاہی تہذیب کا جائز حصہ بن گئی ہے۔ اسے اپنے مذہب کی روشنی میں دیکھیں اور غور کریں کہ غیر مسلم کیا کہیں گے؟ یہی کہ امیرِ اُندلس اپنے ناجائز

بیٹے کا جشن منا رہا ہے۔ ہماری آنے والی نسلیں کیا کہیں گی؟"

"امیرِ محترم!"۔۔۔ حاجب عبدالکریم نے کہا ۔۔۔ "آپ کو صحیح صورتِ حال صرف ہم بتا سکتے ہیں۔ اگر آپ کو اپنے من پسند مشیروں کی باتیں اور مشورے اچھے لگتے ہوں تو آپ انہی کو اپنے پاس بٹھائے رکھیں لیکن ہمیں ہمارے فرائض آزادی سے ادا کرنے دیں۔ ہم کوتاہی نہیں کر سکتے۔ ہم اپنے ایمان سے منحرف نہیں ہو سکتے۔ ہماری حریّت کے تقاضے کچھ اور ہیں۔"

امیر عبدالرحمٰن کے چہرے پر چمک آتی جا رہی تھی۔ اس کی شخصیت دو حصّوں میں بٹی ہوئی تھی۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، وہ موسیقی اور عورت کا رسیا تھا۔ حسین عورت اس کی بہت بڑی کمزوری تھی۔ یہ کمزوری جب غالب آتی تھی وہ بھول جاتا تھا کہ اُندلس میں اسلام کس نازک دَور سے گذر رہا ہے اور دشمن کیا کر رہا ہے۔

دوسری خطرناک کمزوری خوشامد پرستی تھی جو ہر حکمران میں رہی ہے اور آج تک موجود ہے۔ جس طرح انسان حقائق کی تلخی سے گھبرا کر شراب جیسے نشے میں پناہ لیتا ہے اسی طرح حکمران ملکی مسائل اور امور سے نظریں چرانے کے لئے خوشامدیوں کی باتوں کی پناہ لیا کرتے ہیں کیونکہ ان باتوں میں بڑا ہی حسین فریب ہوتا ہے۔ ہر چیز خوبصورت نظر آتی ہے اور ان میں کوئی مسئلہ اور کوئی الجھن نہیں ہوتی۔

یہی امیر عبدالرحمٰن جب اس حسین خول سے نکلتا تھا تو لگتا تھا جیسے تلوار نیام میں سے نکل آئی ہو۔ اس کیفیت میں وہ اسلام کا مجاہد اور تاریخ ساز سالار ہوتا تھا۔ دشمن اُس کے اسی پہلو کو سُلانے کے لئے بڑے دلکش طریقے استعمال کرتا رہتا تھا۔

اب سالارِ اعلیٰ عبیداللہ اور حاجب عبدالکریم نے اُس کے ساتھ جو باتیں

کی تھیں وہ اس کے لئے نئی نہیں تھیں۔ وہ اِن دونوں سے کہیں زیادہ عالم فاضل تھا لیکن زریاب اور سُلطانہ اس کے علم و فضل اور عسکری جذبات کو سُلاتے رکھتے تھے۔ سالارِ اعلیٰ اور حاجب عبدالکریم اور دوسرے سالار بھی جان گئے تھے کہ امیر عبدالرحمٰن کو ایسی ہی کڑوی کسیلی اور جوشیلی باتوں سے جگایا جا سکتا ہے، اور وہ اس کی ذات میں سوئے ہوئے مردِ مجاہد کو جگا لیا کرتے تھے۔

انہوں نے دو چار بار اس مسئلے پر بھی سوچا تھا کہ زریاب اور سُلطانہ کو غائب کر دیا جاتے لیکن انہیں یہ خدشہ نظر آیا کہ یہ امیر کا نشہ ہے جو اسے ملتا رہنا چاہیئے، ورنہ اس کی حالت نشے سے ٹوٹے ہوئے انسان جیسی ہو جائے گی اور یہ کسی کی بات نہیں سُنے گا، اور یہ اُندلس کی تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔

امیر عبدالرحمٰن اُٹھ کھڑا ہوا اور یہ کہہ کر کمرے میں ٹہلنے لگا ۔۔۔ "طلیطلہ کی کیا خبر ہے ۔۔۔ زریاب! تم جا سکتے ہو۔ جشن نہیں ہوگا۔"

طلیطلہ کی خبر اُمید افزا نہیں تھی۔ یہ مریدہ کی طرح کا ایک شہر تھا۔ اس کا ذکر ہاشم لوہار کے ذکر کے ساتھ آچکا ہے۔ یہاں پہلے امیر عبدالرحمٰن کے والد الحکم کے دَورِ حکومت میں عیسائیوں نے بغاوت کی تھی جسے فرد کرنے کے لئے بڑا سخت حکم دیا گیا تھا۔ ہزاروں عیسائی مارے گئے تھے۔ ہاشم پہلے عیسائی تھا پھر اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ شہر میں جب باغیوں کے خلاف کارروائی شروع ہوئی تو ہاشم کا گھر بھی اس کی زد میں آگیا۔ اسے آگ لگی اور اس کے بیوی بچے باہر بھاگے تو بھاگتے دوڑتے گھوڑوں تلے کچلے گئے۔ ہاشم کی فریاد کسی نے نہ سُنی اور وہ متؤلد ہو گیا۔ وہ قرطبہ چلا گیا جہاں اُس نے لوہاروں کا کام شروع کر دیا۔ اس نے

اپنا گھر عیسائیوں کی تحریکِ مؤلدین کا خفیہ اڈہ بنالیا۔ پہلی بار فلورا کو اُسی نے پناہ دی اور ایک پادری کے حوالے کیا تھا۔ اس ہاشم میں کچھ ایسے وصف تھے کہ پتھر کو بھی موم کرلیتا تھا اور اس کی زبان میں ایسا جادو تھا کہ چاہے تو رُلا دے چاہے تو ہنسا دے۔

تاریخ میں اس کے متعلق لکھا ہے — "وہ جو ایک لوہار تھا۔ طلیطلہ کے ہزاروں باغیوں کا ایسا قائد بن گیا کہ اس کے اشارے پر عیسائی جانیں قربان کرتے تھے۔ وہ ایلوگیتیس کا دستِ راست بن گیا۔"

طلیطلہ کے عیسائی پہلے بغاوت کرچکے تھے اور انہوں نے بہت نقصان اُٹھایا تھا۔ اب ان باغیوں کی ایک نسل جوان ہوچکی تھی لیکن مریدہ کی بغاوت سے جو عیسائی بھاگ کر طلیطلہ پہنچے اُنہوں نے وہاں کے لوگوں پر قرطبہ کی فوج کی دہشت طاری کر دی، اس لئے اب وہاں کے لوگ باغی سرغنوں کا ساتھ دینے سے جھجکتے تھے۔ ہاشم لوہار قرطبہ سے طلیطلہ چلا گیا۔ اُس نے ایک گروہ تیار کرلیا جو فوج کی گشتی ٹولیوں اور چھوٹی چھوٹی چوکیوں پر شبخون مارتا تھا۔ اس گروہ میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

طلیطلہ میں ایک خبر پھیل گئی کہ قبرستان میں رات کو ایک درویش نظر آتا ہے جو صدائیں لگاتا ہے — "یسوع مسیح کے پجاریو! جاگو۔ تم پر قیامت آرہی ہے۔ طلیطلہ خون میں ڈوب جائے گا" — لوگ کہتے تھے کہ کسی راہب کی روح ہے جو کوئی پیغام دے رہی ہے۔ اس کا ذکر گرجوں میں بھی ہونے لگا۔ پادریوں نے کہا کہ اس قسم کی روح سے ڈرنا نہیں چاہیئے۔ ایسی روحیں نجات کا راستہ دکھایا کرتی ہیں۔

چند دنوں بعد خبر پھیلی کہ قبرستان میں دیئے کی لَو ہوا میں اُڑتی ہے اور آوازیں آتی ہیں — "اپنی نیندیں قربان کردو۔ جاگو اور جاگتے رہو۔ اس قیامت کو روکو جو تمہاری طرف بڑھی آرہی ہے۔"

عیسائی بدروحوں اور مرے ہوئے لوگوں کے بھوتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ اُس دَور میں یہ یقین عقیدے کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ مانتے تھے کہ بدرُوح نقصان پہنچاتی ہے اور نیک روح کام کی کوئی بات بتا جاتی ہے۔ چنانچہ وہ ٹولیوں میں رات کو قبرستان میں جانے لگے۔ قبرستان وسیع و عریض تھا اور اس میں نشیب و فراز بھی تھے اور دو ٹیکریاں بھی تھیں۔ درخت بھی تھے۔ لوگ قبرستان کے باہر کھڑے ہوکر روح کی آوازیں سنتے اور دیئے کی اُڑتی لَو بھی دیکھتے تھے۔

ایک رات بہت زیادہ لوگ جمع ہوگئے۔ اُس روز گرجے کا یہ اعلان سینہ بہ سینہ عیسائیوں تک پہنچا دیا گیا تھا کہ ایک آج رات روح اپنا پیغام دے گی۔ رات کو لوگ قبرستان میں پہنچ گئے۔ طلیطلہ کی فوج بارکوں میں سوئی ہوئی تھی اور وہاں کا حاکم (گورنر) محمد بن وسیم سرحدی چوکیوں کے دَورے پر گیا ہوا تھا۔ عیسائیوں کا یہ شعبدہ کوئی سرکاری حاکم نہ دیکھ سکا۔

قبرستان تاریکی میں رُوپوش تھا۔ قبرستان کا خوف لوگوں پر طاری تھا۔ فضا پُراسرار تھی۔ لوگوں پر خاموشی طاری تھی۔ اچانک قبرستان سے مردانہ آواز آئی — "اپنے مذہب کو اپنے سینوں میں بیدار کرو۔ تصور میں کنواری مریم کو لاؤ اور اِدھر دیکھو۔"

لوگوں نے ایک مذہبی گیت گانا شروع کردیا۔ ایک مترنم گونج تھی جس نے پُراسراریت میں اضافہ کردیا۔ قبرستان میں زمین سے شعلہ آہستہ آہستہ اُوپر اُٹھنے لگا جیسے

کسی نے آگ جلائی ہو۔ اس کے ساتھ ہی سفید دھوئیں کا ایک بادل اُٹھا جو گھنا تھا، پھر
یہ بادل ہلکا ہونے لگا۔ جُوں جُوں ہلکا ہوتا گیا، اس میں ایک عورت کا قد بُت نکھرتا گیا۔
آگ کا شعلہ ذرا اور بلند ہو گیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ جہاں دھوئیں کا بادل تھا وہاں ایک
جوان عورت کھڑی تھی جس کے سر پر رومال بندھا ہُوا تھا اور بال کندھوں پر بکھرے
ہوئے تھے۔

لوگوں پر سناٹا طاری ہو گیا۔ بعض دو زانو بیٹھ گئے اور ہاتھ جوڑ لئے۔ رُوح
نے کہا:

"گناہوں کا کفارہ ادا کرو۔ اُٹھو اور خُدا کے بیٹے کی حکومت قائم کرو۔ اگر
نہیں کرو گے تو میں ایک قہر بن کر آؤں گی۔"

یہ "کنواری روح" فلورا تھی۔

آگ بجھنے لگی اور قبرستان تاریک ہو گیا — اور اگلے ہی روز طلیطلہ میں یہ
بغاوت کی آگ بن گئی۔

* *

ستمبر ۸۲۹ء کی ایک رات تھی۔ امیر عبدالرحمٰن اپنے خاص کمرے میں
مدہوشی کے عالم میں نیم دراز تھا۔ اُس پر زریاب کی آواز اور اس کے مخصوص ساز بربط
کا سحر طاری تھا۔ زریاب نے نغمہ ہی کوئی ایسا چھیڑ رکھا تھا جس میں طلسماتی اثر تھا۔ اس
کے ساتھ زریاب کی آواز — زریاب موسیقی کا جادو جگانا جانتا تھا۔ اُس کا راگ وقت
کے مطابق ہوتا تھا۔ وہ عبدالرحمٰن کی جذباتی کمزوریوں سے بھی واقف تھا۔ رات کے
وقت اُس کے نغمے وقت اور امیر عبدالرحمٰن کے جذبات کے مطابق ہوتے تھے۔

سُلطانہ ملکہ طروب امیر عبدالرحمٰن کے پاس یُوں بیٹھی تھی جیسے اُس نے
امیر اُندلس کو اپنی آغوش میں لٹا رکھا ہو۔ امیر اُندلس جب سُلطانہ کی طرف دیکھتا تھا
تو سلطانہ کے ہونٹوں کا تبسّم اور زیادہ نشیلا ہو جاتا اور اس کی آنکھیں بھی مُسکرانے
لگتی تھیں۔ ایک بچہ جن کر سُلطانہ کے حُسن میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ خوشی سے
پہلے سے کچھ زیادہ ہی جوان ہو گئی تھی۔

دروازہ آہستہ سے کُھلا اور ریشمی پردے کو جنبش ہوئی۔ سُلطانہ نے خشمگیں

نگاہوں سے اُدھر دیکھا۔ اُسے دربان کھڑا نظر آیا۔ سُلطانہ اٹھی اور دروازے تک گئی۔

"کون ہے؟" — امیر عبدالرحمٰن نے مخمور آواز میں پوچھا۔

"دربان ہے" — سلطانہ نے کہا — "کہتا ہے طلیطلہ سے قاصد آیا ہے۔ کوئی ضروری پیغام لایا ہے۔"

نغمے کا طلسم ٹوٹ گیا۔ کمرے میں سکوت طاری ہوگیا۔ امیر عبدالرحمٰن نے انگڑائی لی۔

"امیرِ اُندلس!" — زریاب نے کہا — "قاصد صبح حاضری دے سکتا ہے۔ اگر پیغام ضروری ہے تو گھڑی دو گھڑی بعد بھی آسکتا ہے۔ امیرِ اُندلس کسی کا قیدی تو نہیں۔"

"کہہ دو صبح آئے" — امیر عبدالرحمٰن نے جھومتی ہوئی آواز سے کہا۔

"قاصد سے کہہ دو امیرِ اُندلس صبح پیغام سُنیں گے" — زریاب نے کہا۔

دربان چلا گیا۔ قاصد بھی چلا گیا۔ زریاب اور سُلطانہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ دونوں کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ آگئی۔ کمرے کی فضا میں ایک بار پھر بربط کی گونج تیرنے لگی۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ دروازہ پھر کھلا اور پردہ اُڑ کر ایک طرف ہوگیا۔ امیرِ اُندلس، زریاب اور سُلطانہ نے چونک کر اُدھر دیکھا۔ اب کے زریاب اور سُلطانہ کے چہروں کا تاثر کچھ اور تھا کیونکہ اب جو بغیر اطلاع کمرے میں آگیا تھا وہ امیر عبدالرحمٰن کا بیٹا اُمیّہ تھا۔ بیس اکیس سال کی عمر کا یہ نوجوان نائب سالار تھا۔

"میں آپ کو محترم والد کہوں یا امیرِ اُندلس کہوں؟" — اُمیّہ نے پوچھا۔

"کیا ہوگیا ہے تمہیں اُمیّہ!" — امیرِ اُندلس نے اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا — "اتنے غصے میں کیوں ہو؟"

"کیا طلیطلہ کے باغیوں کو یہ اطلاع بھجوا دی جائے کہ وہ صبح بغاوت کا آغاز کریں کیونکہ اس وقت امیرِ اُندلس نغمہ وساز کے نشے میں ہیں؟.... طلیطلہ سے قاصد آیا ہے۔ اُسے کس نے کہا ہے کہ صبح آکر پیغام دے؟"

"عرب کی سرزمین نے ایسے بدتمیز بیٹوں کو جنم نہیں دیا تھا" — امیر عبدالرحمٰن نے کہا — "کیا تم آداب بھول گئے ہو؟"

"مجھے اس وقت آداب آپ کو نہیں دکھانے" — اُمیّہ نے کہا — "اس وقت میرے سامنے وہ آداب ہیں جو مجھے دشمن کو دکھانے ہیں۔ میدانِ جنگ کے آداب.... والدِ محترم! مجھے اس کا کوئی افسوس نہیں کہ میں اپنے باپ کے ساتھ بدتمیزی سے بول رہا ہوں، لیکن میں تاریخ کے ساتھ اور اپنے جذبۂ حُریت کے ساتھ بدتمیزی نہیں کرسکتا۔ آپ کی موت کے بعد لوگ مجھ پر اُنگلیاں اُٹھا کر کہا کریں گے کہ اس شخص کا باپ سلطنتِ اُندلس کی جڑیں کمزور کر گیا ہے۔"

"تم کہنے کیا آئے ہو؟" — امیر عبدالرحمٰن نے جھنجھلا کر پوچھا۔

نوجوان اُمیّہ باہر نکل گیا۔ واپس آیا تو اس کے ساتھ ایک آدمی تھا جس کے چہرے اور کپڑوں پر گرد کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ اُس کا سر ڈول رہا تھا اور اُس کی حالت سے پتہ چلتا تھا کہ وہ تھکن سے چُور ہے۔ اُمیّہ نے زریاب اور سُلطانہ ملکۂ طرب سے کہا کہ دونوں کمرے سے نکل جائیں۔

"محترم والد!" — اُمیّہ نے کہا — "یہ قاصد طلیطلہ سے آیا ہے۔ یہ پریشانی کے

عالم میں میرے پاس آیا اور مجھے بتایا کہ امیرِ اُندلس نے ایک نہایت ضروری پیغام
سُننے سے انکار کر دیا ہے۔ یہ قاصد اتنا تیز آیا ہے کہ راتوں کو بھی گھوڑے کی پیٹھ پر
رہا۔ اُس کے نیچے ایک گھوڑا مسلسل دَوڑ دَوڑ کر آرام نہ ملنے کی وجہ سے مر گیا۔ اس
نے ایک مسافر سے گھوڑا لیا اور بھوکا پیاسا یہاں تک پہنچا ہے۔ اس کا پیغام سُنیں۔"

"طلیطلہ میں عیسائیوں نے بغاوت کر دی ہے"— قاصد نے کہا — "پہلے ہماری
فوج کی اُن چوکیوں پر جو دُور دُور ہیں اور جن میں نفری کم ہے، عیسائیوں نے شبخون
مارنے شروع کیے۔ فوجی رسد کے قافلوں پر بھی حملے ہوتے رہے اور فوج کی گشتی
ٹولیوں کو بھی گھات لگا کر نقصان پہنچایا گیا۔ اُن کے خلاف کارروائی کی گئی لیکن شبخون
اور لُوٹ مار کا یہ سلسلہ رُک نہ سکا۔ چند دن گزرے، عیسائیوں کے قبرستان میں کوئی
شعبدہ دکھایا گیا جس نے طلیطلہ کے عیسائیوں میں جیسے آگ لگا دی ہے۔ وہاں مسلح
بغاوت ہو گئی ہے لیکن دشمن کا انداز شبخون کا ہے۔ صاف پتہ چلتا ہے کہ باغیوں
کی کمان تجربہ کار فوجی حکام کے ہاتھ میں ہے۔ مریدہ کی طرح ساری آبادی اندھا
دھند اٹھ کھڑی نہیں ہوئی....

"اتنا معلوم کر لیا گیا ہے کہ ہاشم لوہار نام کا کوئی آدمی ہے جو بغاوت کی قیادت
اور ہدایت کاری کر رہا ہے لیکن یہ پتہ نہیں چلا کہ وہ کہاں ہے۔ یہ بھی پتہ چلا ہے
کہ فلورا نام کی ایک نوجوان لڑکی اس کے ساتھ ہے جسے عیسائی کنواری مریم ثانی
کہتے ہیں۔ شہر کے عیسائی باقاعدہ فوجی بن گئے ہیں۔ وہ کوئی حکم نہیں مانتے۔ فوج کو دیکھ
کر سب گھروں میں چلے جاتے ہیں اور انہیں جہاں موقع ملتا ہے فوج پر حملہ کر دیتے ہیں۔"

"کیا باغیوں نے سرکاری خزانے کو لوٹنے کی کوشش کی ہے؟"— امیر

عبدالرحمٰن نے پوچھا۔

"نہیں امیرِ اُندلس!" قاصد نے جواب دیا۔

"کیا وہ باقاعدہ فوج کی طرح منظم ہیں؟"

"نہیں امیرِ اُندلس!" قاصد نے جواب دیا — "ان کا انداز منظم ڈاکوؤں اور
رہزنوں والا ہے۔"

امیر عبدالرحمٰن نے قاصد سے کچھ اور باتیں پوچھیں اور اُسے چلے جانے
کو کہا۔ پھر اُس نے دربان کو بلا کر کہا کہ سالار عبید اللہ اور سالار حاجب عبدالکریم
کو بلا لاؤ۔

*

طلیطلہ سے دو تین میل دُور پہاڑی علاقہ تھا جہاں بڑا گھنا جنگل تھا کہیں کہیں
دلدل بھی تھی۔ اس میں پہاڑیوں میں گھرا ہوا کچھ علاقہ ایسا تھا جو دشوار گذار تھا اور وہاں
وسیع غار بھی تھے۔ ان میں سے ایک غار میں روشنی تھی۔ وہاں دیئے اور قندیلیں جل رہی
تھیں یہ ہاشم لوہار (مولّد) کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ ایک آدمی غار میں داخل ہوا اُسے دیکھ کر
اِدھر اُدھر سے کئی آدمی اکٹھے ہو گئے۔ ان میں ایک بڑی ہی خوبصورت اور نوجوان
لڑکی بھی تھی۔ وہ فلورا تھی۔

"باغیوں کے حوصلے بلند تو ہیں؟"— فلورا نے پوچھا — "کیا خبر لاتے ہو؟"

"خبر مجھے سُننے دو فلورا!"— ہاشم لوہار نے اسے کہا — "تم ابھی کمسن ہو۔
بغاوت اور جنگ میں جذبات کام نہیں کیا کرتے"— اور اُس نے آنے والے آدمی
سے کہا — "بتاؤ۔ کیا خبر لائے ہو؟"

"سب کام ٹھیک ہو رہا ہے" — اُس آدمی نے کہا — "آپ کی ہدایت اور حکم گھر گھر پہنچا دیئے گئے ہیں. تازہ خبر یہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک قاصد قرطبہ چلا گیا ہے. وہاں سے فوج آئے گی. طلیطلہ میں جو دستہ ہے اسے ہم جلدی ختم کر دیں گے لیکن قرطبہ سے فوج آگئی تو مشکل پیش آئے گی."

"ہمیں فوج کی طرح منظم ہونا پڑے گا" — ہاشم لوہار نے کہا — "ہم لوگوں تک پیغام پہنچا دیتے ہیں کہ گھروں میں ہتھیار تیار رکھیں اور حکم ملتے ہی فوج کی طرح باہر آجائیں."

ہاشم لوہار نے ان آدمیوں کو جو اس کے ساتھ غار میں تھے، کہا کہ وہ طلیطلہ کے باہر کے لوگوں کو تیار رکھیں تاکہ قرطبہ کی فوج کو طلیطلہ سے دُور ہی روکا جا سکے.

چند ہی دنوں میں طلیطلہ کے باہر ایک فوج تیار ہو گئی. طلیطلہ کے صوبے کا گورنر محمد ابنِ وسیم تھا. اس کے پاس فوج بہت تھوڑی تھی. شہر کا نظم و نسق اسی فوج کو سنبھالنا تھا اور اسی فوج کو شبخون مارنے والے عیسائیوں کو پکڑنا تھا. محمد ابنِ وسیم کا ہیڈ کوارٹر طلیطلہ کے قریب ایک خوشنما جگہ پر تھا. اُسے اطلاع ملی کہ طلیطلہ سے دو تین میل دُور عیسائیوں نے باقاعدہ فوج تیار کر لی ہے جو شاید طلیطلہ پر حملہ کرے گی. اگر ایسا ہُوا تو طلیطلہ کی عیسائی آبادی اُس کے ساتھ مل جائے گی. پھر یہ خطرہ پیدا ہو جائے گا کہ طلیطلہ پر باغیوں کا قبضہ نہ ہو جائے.

محمد ابنِ وسیم نے حکم دیا کہ فوج کا ایک دستہ فوراً تیار کیا جائے. دستہ تیار ہو گیا. محمد ابنِ وسیم نے اس کی کمان خود سنبھالی اور اُس طرف کوچ کا حکم دیا جدھر اطلاع ملی تھی کہ عیسائیوں نے باقاعدہ فوج تیار کر رکھی ہے.

محمد ابنِ وسیم اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ غیر فوجی باغیوں کی سرکوبی کے لیے جا رہا ہے. وہ جب باغیوں کے آمنے سامنے آیا تو دیکھا کہ ان کی تعداد تو بہت تھوڑی ہے. اُس نے حکم دیا کہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ جائے. اُس کے دستے نے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی. باغی کچھ دیر جم کر لڑے اور پھر پیچھے ہٹنے لگے. اچانک مسلمانوں پر ایک پہلو سے اور عقب سے ایک لشکر نے ہلّہ بول دیا. محمد ابنِ وسیم نے یہ صورتِ حال دیکھی تو اس نے حکم دیا کہ فوج پسپائی کی لڑائی لڑے.

محمد ابنِ وسیم اپنے دستے کو نکال کر تو لے آیا لیکن نفری آدھی رہ گئی تھی. باقی نصف بکھر کر نکلی. خود محمد ابنِ وسیم بڑی مشکل سے جان بچا کر نکلا.

اس خونریز جھڑپ سے پہلے وہ قرطبہ اپنا قاصد بھیج چکا تھا. اُس پیغام میں اُس نے کہا تھا کہ عیسائی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں شبخون مارتے ہیں مگر یہاں صورتِ حال بڑی مخدوش تھی.

*

مسلمانوں کے دستے کے دو سپاہی اس معرکے میں سے اس طرح نکلے کہ چار باغی اُن کے تعاقب میں تھے. قریب ہی پہاڑی علاقہ تھا. وہ دونوں اس میں چلے گئے. چاروں باغی دوڑتے گھوڑوں سے اُن پر تیر برساتے رہے تھے لیکن تمام تیر خطا گئے. مسلمان سپاہی پہاڑیوں کے اندر تو چلے گئے لیکن اُنہیں شک ہُوا کہ اس میں سے وہ نکل نہیں سکیں گے. اُنہوں نے گھوڑے چھوڑ دیئے اور پیدل اِدھر اُدھر چھپنے لگے. جنگل گھنا تھا. انہیں آوازیں سنائی دے رہی تھیں کہ باغی انہیں ڈھونڈ رہے ہیں. وہ دونوں اُوپر چلے گئے جہاں سے وہ نیچے دیکھ سکتے تھے.

تھوڑی دیر بعد اُن کے تعاقب میں آنے والے باغی اُن کے نیچے آ گئے وہ رُک رُک کر چلتے تھے۔ ایک نے کہا ـــ "اب انہیں ڈھونڈ کر مار دینا ضروری ہو گیا ہے۔ وہ کہیں اُس جگہ نہ پہنچ جائیں۔"

"دیکھو۔ دیکھو" ـــ ایک اور نے کہا ـــ "وہ آگے نہ چلے گئے ہوں۔ اگر انہوں نے وہ جگہ دیکھ لی تو بہت بُرا ہو گا۔"

مُسلمان سپاہی اپنی جانیں بچاتے پھر رہے تھے لیکن ان کے کانوں میں یہ آوازیں پڑیں تو ایک نے کہا ـــ "یہ شاید اُسی جگہ کی باتیں کر رہے ہیں جس کے متعلق پتہ چلا تھا کہ وہاں عیسائیوں کے پیشوا رہتے ہیں اور باغیوں کو ہدایت اور حکم جاری کرتے ہیں۔"

"سُنا ہے کہ اُن کی کنواری مریم جو قبرستان میں نظر آئی تھی وہ اسی جگہ ہے" ـــ دوسرے سپاہی نے کہا۔

"اپنا کماندار کہتا تھا کہ بغاوت کی کمان ہاشم لوہار نام کا ایک شخص کر رہا ہے" ـــ پہلے سپاہی نے کہا ـــ "اور اُس نے ایک بڑی خوبصورت لڑکی اپنے ساتھ رکھی ہوئی ہے۔ اس لڑکی کو وہ مقدس سمجھتے ہیں۔"

"پھر اللہ کا نام لو دوست!" ـــ دوسرے سپاہی نے کہا ـــ "وہ جگہ ڈھونڈو اگر مرنا ہی ہے تو کچھ کر کے مرو۔ اگر یہ لوگ اپنے مذہب کے لئے دھوکہ فریب کرتے ہیں تو ہم اپنے مذہب کے نام پر ان کے فریب کو ختم کریں گے ..... یہ سوار کہہ رہے تھے کہ ہم کہیں آگے نہ چلے جائیں۔"

اُن کے تعاقب میں جو عیسائی سوار تھے وہ آگے نکل گئے تھے۔ اِن

دونوں مسلمان سپاہیوں کے لئے بھاگ نکلنے کا راستہ صاف تھا لیکن وہ اُوپر ہی اُوپر اپنے اُس طرف چلے گئے جدھر باغی سوار گئے تھے۔ انہیں نیچے پھر اُن کی باتیں سنائی دینے لگیں۔ مسلمان سپاہیوں نے چھپ کر نیچے دیکھا۔ انہیں چاروں باغی نظر آ گئے۔ اِن میں سے ایک نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ چاروں اکٹھے نہ چلیں۔ ایک ایک کر کے بکھر جاؤ اور انہیں ڈھونڈو۔

وہیں سے وہ الگ الگ ہو گئے۔ وہاں وہ چٹان ختم ہو جاتی تھی جس پر مسلمان سپاہی چھپے ہوئے تھے۔ نیچے تین اطراف کو راستے جاتے تھے۔ مسلمان سپاہیوں کو نیچے اُترنا تھا۔ باغی سوار وہاں سے غائب ہوتے تو دونوں نیچے اُترے اور اگلی چٹان پر چڑھ گئے۔

انہیں پھر اُترنا پڑتا، کہیں پھر اُوپر جانا پڑا اور ایک ایسی جگہ آ گئی جہاں سے آگے اُونچا پہاڑ تھا اور نیچے کوئی راستہ نہیں تھا۔ انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ گھنی جھاڑیوں میں سے انہیں نیچے دو آدمی نظر آئے جو ایک غار میں سے نکلے تھے۔ فوراً بعد انہیں ایک بڑی ہی خوبصورت لڑکی نظر آئی۔ وہ جیسے سبزہ زار میں سے نکلی تھی۔

"یہی ہو گی" ـــ ایک سپاہی نے کہا ـــ "اس جنگل میں اور کون ہو سکتی ہے"۔

گھوڑے کے ٹاپ سنائی دینے لگے۔ ایک سوار نظر آیا۔ اُس نے دُور سے نعرہ لگایا ـــ "مبارک ہو۔ دشمن کو بھگا کر آئے ہیں۔ مسلمانوں کی آدھی نفری ختم کر دی ہے۔"

غار میں سے کچھ اور آدمی نکلے اور سب خوشی سے ناچنے لگے۔ مسلمان سپاہیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ نظروں ہی نظروں میں ایک دوسرے کی تائید

کی اور وہاں سے چل پڑے۔ سُورج غروب ہو رہا تھا۔ کچھ دُور جا کر وہ رُک گئے تاکہ اندھیرا گہرا ہو جائے تو پکڑے جانے کا خطرہ ٹل جائے۔

*

"قرطبہ سے ابھی تک کمک نہیں آئی"۔۔۔ محمد ابن وسیم اپنے مکان میں غصے سے اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔ اُس کے لئے یہ شکست ناقابلِ برداشت تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔۔۔ "ابھی قاصد بھی واپس نہیں آیا۔ وہ عیاش امیر عبدالرحمٰن زریاب کے گانے سُن رہا ہوگا۔ ملکہ مُطروب کو بغل میں لئے بیٹھا ہوگا"۔

"قرطبہ سے کمک آنے تک ہم کیوں نہ عیسائیوں کے قائدین کو بُلا کر ان کے ساتھ بات چیت کریں"۔۔۔ ایک کماندار نے کہا۔۔۔ "اُن سے پوچھیں کہ یہ کیا چاہتے ہیں"۔

"اگر وہ کہہ دیں کہ طلیطلہ کا صوبہ ہمارے حوالے کر دو تو تم ان کا یہ مطالبہ مان لو گے؟"۔۔۔ گورنر محمد ابنِ وسیم نے کہا۔۔۔ "تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں شکست کھانے کے بعد اپنے دشمن سے صلح صفائی کی بھیک مانگوں؟ قرآنِ پاک کے فرمان کے اُلٹ چلوں؟ جانتے ہو قرآنِ پاک کا فرمان کیا ہے؟ ۔۔۔۔ اُس وقت تک جہاد جاری رکھو جب تک کفر کا فتنہ موجود ہے ۔۔۔۔ میں کفر کو اجازت نہیں دے سکتا کہ اپنا فتنہ میرے گھر میں پھیلائے"۔

"میرا مقصد یہ نہیں"۔۔۔ کماندار نے کہا۔۔۔ "میں باغیوں کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہتا۔ میں اپنے لئے وقت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ کمک آنے تک ہمیں کوئی ایسی چال چلنی پڑے گی کہ باغی اپنی سرگرمیاں ذرا روک کے رکھیں"۔

"اگر ہم نے صلح سمجھوتے اور معاہدوں کی ابتدا کر دی، خواہ ہم ایک چال کے طور پر ہی کریں تو ہمارا امیر اسی کو اپنا اصول بنائے گا"۔۔۔ محمد ابن وسیم نے کہا۔۔۔ "آرام اور عیش سے حکومت کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ دشمن کو دوست کہو اور اپنی قوم کو دھوکے میں رکھو اور اپنے آپ کو اس خود فریبی میں مبتلا رکھو کہ ہم اللہ کے سپاہی اور اسلام کے شیدائی ہیں ۔۔۔۔ ایک وقت آئے گا کہ ہماری قوم دشمن کی دھمکیوں میں دبک کے زندہ رہے گی اور قوم کے بادشاہ اسلام کی شجاعت کی روایات پر جھوٹ مُوٹ کا فخر کیا کریں گے"۔

دربان نے اندر آ کر اطلاع دی کہ ایک کماندار آیا ہے۔

"تو اجازت کی کیا ضرورت ہے"۔۔۔ گورنر محمد ابن وسیم نے کہا۔۔۔ "کسی کو مت روکو۔ کوئی بھی مجھ سے ملنے آئے اُسے کہو کہ اندر چلے جاؤ۔ میں بادشاہ نہیں نہ میں اُندلس کا امیر ہوں"۔

کماندار اندر آیا۔ اُس کے کپڑوں پر خون تھا۔

"کیا تم زخمی ہو؟"۔۔۔ محمد ابنِ وسیم نے پوچھا۔

"میں اپنے زخم دکھانے نہیں آیا"۔۔۔ کماندار نے کہا۔۔۔ "میں ایک سو سپاہیوں کا جَیش لے کر ایک چوکی کی مدد کو جا رہا تھا کہ راستے میں باغیوں نے مجھے گھیرے میں لے لیا۔ اُن کی تعداد دو سَو سے کچھ زیادہ تھی۔ میرے سپاہیوں نے جو لڑائی لڑی ہے اس کی مثال یہی سپاہی پیش کر سکتے ہیں۔ میں اپنی اور اپنے سپاہیوں کی بہادری کی داستان سنانے نہیں آیا۔ میں یہ بتانے آیا ہوں کہ میرے ایک سَو میں سے اِکسٹھ سپاہی شہید ہو گئے لیکن انہوں نے دشمن کے کم از کم ایک سَو آدمی

ہلاک کر کے گھیرا توڑا اور باقی جو بچے وہ اپنے ساتھیوں کی لاشیں اور اپنے زخمیوں کو اُٹھائے بغیر اُس چوکی تک پہنچے جسے مدد کی ضرورت تھی۔"

"کیا اس چوکی کو بچا لیا گیا ہے؟"

"نہیں" — کماندار نے کہا — "چوکی میں نفری بہت تھوڑی تھی اور باغیوں کے ایک ہجوم نے چوکی کا محاصرہ کر رکھا تھا اور چوکی ختم ہو چکی تھی..... میں اطلاع یہ لایا ہوں کہ باغیوں کی تعداد بہت ہی زیادہ ہے جس کے مقابلے میں ہمارے پاس فوج بہت تھوڑی ہے۔ دوسری اطلاع یہ ہے کہ طلیطلہ سے کچھ دُور جو پہاڑی علاقہ ہے اس میں کچھ ہے۔ باغیوں کو مدد اور ہدایت وہیں سے ملتی ہیں۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ ہاشم لوہار اور ایک نوجوان لڑکی فلورا عیسائیوں کے لئے مقدس شخصیتیں بنے ہوتے ہیں۔ مجھے شک ہے کہ یہ دونوں ان پہاڑیوں میں کہیں چھپے ہوئے ہیں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ ایک جانباز جیش تیار کیا جائے جو عیسائیوں کے اس قلب کو ڈھونڈے اور ختم کر دے۔"

"میں اس پہاڑی خطے سے واقف ہوں" — محمد ابنِ وسیم نے کہا — "وہاں کسی کو تلاش کرنا ممکن نہیں۔ پہلے تو ایک دو آدمی بھیجنے پڑیں گے جو یہ دیکھیں کہ ان باغیوں کا قلب کہاں ہے۔ اگر اس کی نشاندہی ہو جائے تو میں جانباز جیش بھیج سکتا ہوں۔"

"میں گستاخی کی معافی چاہتا ہوں" — کماندار نے کہا — "آپ ممکن اور ناممکن کی زبان میں باتیں کر رہے ہیں۔ ہمیں ناممکن کو ممکن کر دکھانا ہے۔ ہم قرطبہ کی مدد کا انتظار نہیں کر سکتے۔ ہمیں اپنے جذبے پر بھروسہ کرنا ہے۔ جب تک باغیوں

کا قلب ختم نہیں ہوتا، بغاوت کمزور نہیں ہو سکے گی۔ ہمیں جانیں قربان کرنی ہیں۔ ہم جانیں قربان کریں گے۔ ہم..... آپ زیادہ انتظار....."

کماندار اس سے آگے بول نہ سکا۔ اس کا جسم ذرا سا لرزا اور وہ گر پڑا۔ محمد ابنِ وسیم اور اُس کے ساتھ جو کماندار تھے، انہوں نے گرے ہوئے کماندار کو دیکھا۔ اُس نے اپنے پیٹ پر تہہ در تہہ کپڑا لپیٹ رکھا تھا جو خون سے لال تھا۔ کماندار شہید ہو چکا تھا۔ اُس کے پیٹ سے کپڑا کھولا گیا۔ دیکھا کہ اس کا پیٹ چاک تھا اور پیٹ کے اندرونی حصّے چادر نے روک رکھے تھے۔

"یہ جانباز جب یہاں آیا اُس وقت بھی زندہ نہیں تھا" — محمد ابنِ وسیم نے کہا — "یہ اس کی روح تھی جو ہمیں اطلاع اور پیغام دے گئی ہے، لیکن....." محمد ابنِ وسیم نے آہ بھر کر کہا — "قوم کی قربانیاں اور جذبے حکمرانوں کی دہلیز پر جا کر اپنے معنی اور اپنی اہمیت کھو بیٹھتے ہیں۔ قرطبہ سے ابھی قاصد واپس نہیں آیا۔ ہمارا امیر سمجھ ہی نہیں سکا ہو گا کہ یہاں صورتِ حال کیا ہے..... وہ نہ سمجھے۔ ہم سمجھتے ہیں۔ وہ سلطنت اور امارت کا پرستار ہے، ہم حریّت کے مجاہد ہیں۔ اُندلس اُس کے باپ کی جاگیر نہیں۔ ہم جب تک زندہ ہیں اپنا فرض ادا کریں گے۔ مریں گے تو فرض پر مریں گے..... لیکن ہاشم لوہار کی نشاندہی کون کرے گا؟"

محمد ابنِ وسیم نے ہاتھ پھیلا کر آسمان کی طرف دیکھا اور گڑگڑایا — "تیرے نام پر..... تیری مدد سے..... ہمیں بھول نہ جانا خداوند!"

*

خداوند تعالیٰ تو اِن مردانِ حُر کو نہیں بھولا تھا، قرطبہ والے بھول گئے تھے

کہ تحریک مولدین اسلام کے لئے کتنا بڑا چیلنج بن گئی ہے اور کفر کا طوفان کس قدر تیز و تند ہو گیا ہے۔ وہی امیر عبدالرحمٰن جو فرانس پر حملے کے منصوبے بنا تا تھا، طلیطلہ کی بغاوت کو کوئی اہمیت نہیں دے رہا تھا۔ اُس کے بیٹے اُمیہ نے اُسے موسیقی اور عورت کے خمار سے نکال تو لیا تھا لیکن اس نے اندازہ غلط لگایا تھا۔ اُس نے اپنے سالاروں عبیداللہ بن عبداللہ اور حاجب عبدالکریم کو بلا تو لیا تھا لیکن انہیں زیادہ بولنے کا موقع نہیں دیا تھا۔

"مَیں ابن وسیم کو جانتا ہوں"۔ امیر عبدالرحمٰن نے کہا۔ "بڑی جلدی گھبرا جاتا ہے۔ طلیطلہ کے عیسائیوں میں اتنی جرأت نہیں کہ بڑے پیمانے کی بغاوت کریں۔ میرا خیال ہے کہ یہ ڈاکوؤں کے گروہ ہیں جو شبخون مارتے پھر رہے ہیں۔ کیا آپ مجھے مشورہ دیں گے کہ میں زیادہ فوج طلیطلہ بھیج دوں؟ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہاں قرطبہ میں بھی حالات ہمارے خلاف ہوتے جا رہے ہیں"۔

"اگر وہ ڈاکوؤں کے گروہ ہیں تو محمد ابنِ وسیم کو گھبرانا نہیں چاہیئے"۔ سالار عبیداللہ نے کہا۔ "لیکن ہمیں کوئی خطرہ بھی مول نہیں لینا چاہیئے۔ وہاں سے پتہ کرایا جائے کہ صحیح صورتِ حال کیا ہے"۔

محمد ابنِ وسیم کے کمرے سے شہید کماندار کی لاش اٹھائی جا چکی تھی۔ وہ اپنی قلیل نفری کو زیادہ سے زیادہ موثر طریقے سے استعمال کرنے کے طریقے سوچ رہا رہا تھا۔ اس دوران اسے تین چار اور رپورٹیں ملی تھیں جن میں سب سے زیادہ تشویشناک یہ تھی کہ طلیطلہ شہر پر عملاً باغیوں کا قبضہ ہے۔ اگر ایسے ہی تھا تو محمد ابنِ وسیم کے لئے قطعاً ممکن نہ تھا کہ طلیطلہ کو باغیوں سے آزاد کراتا۔

وہ پریشانی کے عالم میں کمرے میں ٹہل رہا تھا کہ قرطبہ سے قاصد واپس آگیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ امیرِ اندلس نے یہ جواب بھیجا۔ "کیا بات ہے کہ تم اب اتنی فوج سے ڈاکوؤں اور رہزنوں کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر چند سو باغی ان گروہوں میں شامل ہو گئے ہیں تو تم کن بزدلوں اور نکمے سپاہیوں کو ان کے خلاف بھیج رہے ہو کہ وہ قدم ہی نہیں جما سکتے؟ خود باہر نکلو اور ان قانون شکن گروہوں کو کچل ڈالو"۔

محمد ابنِ وسیم کا خون کھول اُٹھا۔ اس کی صورتِ حال تو اتنی دگرگوں تھی کہ وہ باغیوں کے آگے ہتھیار ڈال دیتا تو بھی حیران کن نہ تھا لیکن اس کے فرض کا تقاضا کچھ اور تھا۔ اُس نے اپنی زندگی کی آخری بازی لگانے کا فیصلہ کر لیا۔

عین اس وقت جب وہ مایوسی کے عالم میں آخری داؤ کھیلنے کا فیصلہ کر چکا تھا، دو سپاہی اندر آئے۔

"تم کیا خبر لائے ہو؟" اُس نے اُن سے پوچھا۔ "ہماری کتنی اور چوکیاں تباہ ہو چکی ہیں۔ باغیوں کو اور کیا کیا کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں؟"

"ہمیں کچھ خبر نہیں"۔ ان میں سے ایک سپاہی نے کہا۔ "ہم اُس روز کی لڑائی سے نکلے تو چار باغی سوار ہمارے تعاقب میں آئے۔ ہم پہاڑی علاقے میں چلے گئے۔ ہم تعاقب کرنے والوں سے چھپ رہے تھے۔ ہم ایک جگہ چھپے ہوئے تھے کہ باغی ہمارے نیچے آ رکے۔ اُن کی باتوں سے پتہ چلا کہ ان پہاڑیوں کے اندر ان کی کوئی خاص جگہ ہے۔ وہ آگے نکل گئے۔ ہم دونوں وہاں سے نکل سکتے تھے لیکن ہم نے ارادہ کر لیا کہ ان کی یہ خفیہ جگہ دیکھیں گے.... وہ ہم دیکھ آئے ہیں"۔

"وہاں کیا دیکھا ہے؟"

"وہاں ایک غار ہے جس کے اندر سے کچھ آدمی باہر آتے تھے" — ایک سپاہی نے کہا — "پھر اندر سے ایک جوان عورت نکلی۔"

"وہی ہے" — محمد ابنِ وسیم نے پرجوش لہجے میں کہا۔ "وہی ہے۔ تم نہیں جانتے کہ تم نے کتنا بڑا راز حاصل کیا ہے۔ وہ باغیوں کا دل ہے۔ میں اس دل میں خنجر اتاروں گا۔"

اُس نے اُسی وقت اپنے کمانداروں کو بلایا اور انہیں کہا کہ اُسے صرف پندرہ ایسے سپاہی درکار ہیں جن میں قومی جذبے کا جنون ہو اور جن میں ذہانت بھی ہو۔

تھوڑی ہی دیر بعد پندرہ جانباز آ گئے۔ اُس نے ہر ایک کو اچھی طرح دیکھا اور انہیں بتایا کہ یہ دو سپاہی ان کی راہنمائی کریں گے اور وہ اس پہاڑی علاقے کے اندر ایک غار میں شب خون ماریں گے۔ وہاں سے کسی کو بھاگنے نہیں دینا نہ کسی کو زندہ پکڑ کر لانا ہے، سوائے ایک جوان لڑکی کے۔ اُسے زندہ پکڑنا ہے۔ ہم عیسائیوں کو دکھائیں گے کہ یہ ہے تمہاری کنواری مریم جس کا جلوہ تم نے قبرستان میں دیکھا تھا۔

اُس نے دوسرا حکم یہ دیا کہ جتنی فوج ہے اسے ایک جگہ جمع کر لو۔ اس سے اُس کے دو مقاصد تھے۔ ایک یہ کہ باغی یہ سمجھیں کہ طلیطلہ کی فوج ہار کر بھاگ رہی ہے، اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ وہ باغی لشکر پر بڑا زوردار اور فیصلہ کُن حملہ کرنا چاہتا تھا۔

*

رات کی تاریکی میں پندرہ جانباز، دو سپاہیوں کی راہنمائی میں اُس پہاڑی علاقے میں پہنچ گئے جو ایک وسیع و عریض قلعے کی مانند تھا۔ وہ اکٹھے نہیں جا رہے تھے۔ ایک دوسرے سے فاصلہ رکھے ہوتے تھے۔

"کون ہے ادھر؟" — انہیں آواز سنائی دی۔

وہ جہاں تھے وہیں دبک گئے۔ انہیں للکارنے والا آگے آیا۔ اچانک پیچھے سے اس کی گردن ایک بازو کے شکنجے میں آ گئی اور خنجر دل میں اُتر گیا۔ چھاپہ مار جانبازوں نے اسے گھسیٹ کر ایک کھڈ میں پھینک دیا اور وہ سب ایک دوسرے سے دُور دُور آگے کو چل پڑے۔ وہ دو پہاڑیوں کے درمیان سے گزر رہے تھے تو انہیں پھر وہی للکار سنائی دی۔ سب رُک کر درختوں یا جھاڑیوں کے پیچھے ہو گئے۔ صرف دو جانباز آگے گئے۔

"تم کون ہو بھائی!" — ایک چھاپہ مار نے کہا — "میں تو زخمی ہوں۔ پانی ڈھونڈتا پھر رہا ہوں۔"

انہیں للکارنے والا آگے آیا۔ اس وقت تک ایک چھاپہ مار ایک درخت کے تنے کے ساتھ چھُپ کر کھڑا ہو گیا تھا اور ایک سامنے کھڑا رہا۔ وہ آدمی جب اس کے قریب آیا تو درخت کی اوٹ سے چھاپہ مار نے جست لگائی اور خنجر کے دو وار دل کے مقام پر کر کے اسے ختم کر دیا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ پہرے کا انتظام بہت زیادہ ہے" — چھاپہ مار جیش کے کماندار نے کہا۔

"آگے چل کر ہم راستے سے ہٹ جائیں گے" — ایک راہنما سپاہی نے کہا —

"ہمیں بڑے دشوار راستے سے جانا ہے۔ تم سب کو مکمل طور پر خاموشی اختیار کرنی ہوگی۔"

یہ جگہ ایک مضبوط اور ناقابل تسخیر قلعے سے کم نہ تھی۔ وہ ایک پہاڑی پر چڑھ گئے انہیں تھوڑی دُور روشنی نظر آئی۔ دو چھاپہ مار دبے پاؤں آگے گئے۔ وہاں دو آدمی ایک گڑھے میں آگ جلا کر سینک رہے تھے۔ چھاپہ ماروں نے انہیں بھی بے خبری میں مار ڈالا۔ اس کامیابی کے بعد کچھ اور آگے جا کر انہیں ایک پہاڑی سے اُتر کر دوسری پہاڑی پر چڑھنا پڑا۔ اس پہاڑی سے اُترے تو ان کے پاؤں دلدل میں دھنسنے لگے۔ راہنماؤں نے انہیں بتایا کہ راستہ تو کہیں اور ہے لیکن وہ اسی راستے سے واقف ہیں کیونکہ انہوں نے یہی دیکھا ہے۔

دلدل گہری ہوتی جا رہی تھی۔ انہوں نے ایک دوسرے کے بازوؤں میں بازو ڈال کر دلدل عبور کی۔ سردی سے اُن کی ٹانگیں سُن ہونے لگیں لیکن وہ چلتے گئے۔ کچھ وقت بعد انہیں باتوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ صرف ایک چھاپہ مار کہیں چھپ چھُپ کر اور کہیں رینگ رینگ کر آگے گیا۔

پس آ کر اس نے بتایا کہ وہ بڑی قریب سے باتیں سُن کر آیا ہے۔ اُس نے ان کی باتوں سے یہ بھی معلوم کر لیا کہ فلورا یہاں نہیں ہے۔ وہ شام سے پہلے شہر کے کسی گرجے میں چلی گئی تھی۔ وہ لوگ غار کے اندر بیٹھے ہوتے تھے۔ شراب کی بُو آ رہی تھی۔ اندر روشنی تھی۔ غار کا دہانہ بہت چوڑا تھا۔

کمانڈار کے کہنے پر تمام چھاپہ مار آگے چلے گئے۔ ان میں سے تین کو دہانے میں بٹھا دیا گیا۔ یہ تیر انداز تھے۔ انہیں اندر والے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وہ بغاوت

کے متعلق باتیں کر رہے تھے اور شراب بھی پی رہے تھے۔ باہر سے تین تیر آئے اور تین آدمیوں کی کربناک آوازیں سنائی دیں۔ سب اُٹھے۔ تین اور تیر آئے اور تین آدمی تڑپنے لگے۔ اندر جو آدمی تھے اُن کی تعداد بیس سے زیادہ تھی۔ غار ہموار نہ تھا۔ یہ بہت وسیع تھا۔ اس کے فرش پر دیواروں کے ساتھ بڑے بڑے پتھر تھے جن کے پیچھے ایک ایک آدمی بیٹھ کر چھُپ سکتا تھا۔ غار والے ان پتھروں کی طرف دوڑے لیکن دہانے سے آنے والے تیروں نے تین اور کو گرا دیا۔

پھر اندر سے پتھروں کے پیچھے سے تیر آنے لگے۔ اندر والوں کو اتنا ہوش نہ تھا کہ مشعلیں اور دیئے بجھا دیتے۔ کچھ دیر تیروں کا تبادلہ ہوتا رہا۔ چھاپہ ماروں نے یہ دلیری کی کہ چار جانباز پیٹ کے بل رینگتے اندر چلے گئے۔ پتھروں کے پیچھے چھُپے ہوئے باغی سامنے ہو کر ان پر تیر چلانے لگتے تھے تو باہر سے ان پر تیر آتے تھے۔

ان چار کے پیچھے چار اور چھاپہ مار اندر چلے گئے۔ پتھروں کے پیچھے سے باغی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ تلواریں اور برچھیاں ٹکرانے لگیں اور تھوڑی دیر بعد یہ معرکہ ختم ہو گیا۔ اندر کے تمام آدمی مارے گئے اور کچھ زخمی ہو گئے تھے۔ تین چھاپہ مار شہید اور دو زخمی ہوئے۔ چھاپہ ماروں کے کمانڈار نے زخمی باغیوں سے پوچھا کہ ہاشم لوہار کہاں ہے۔ اُنہوں نے ایک زخمی کی طرف اشارہ کیا لیکن وہ مر چکا تھا۔ اس کے جسم میں دو تیر اُترے ہوئے تھے۔ اس کی لاش کو گھسیٹ کر باہر لے آئے۔

فلورا کے متعلق پتہ چلا کہ جا چکی ہے۔

*

رات آدھی سے زیادہ گذر گئی تھی۔ محمد ابنِ وسیم ابھی جاگ رہا تھا اور وہ بہت بے چین تھا۔ وہ بار بار کھڑکی سے باہر دیکھتا تھا۔ اُس کے پاس تین کماندار تھے۔ باہر فوج تیاری کی حالت میں تھی۔

آخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ محمد ابنِ وسیم کو اطلاع ملی کہ چھاپہ مار آ گئے ہیں۔ وہ دوڑ کر باہر نکلا۔ باہر دس چھاپہ مار اور ان کے دو راہنما سپاہی کھڑے تھے۔ ان کے سامنے تین شہیدوں کی لاشیں اور دو زخمی جانباز پڑے تھے۔ ان سے الگ ایک اور لاش پڑی تھی۔

"کیا یہ ہاشم لوہار کی لاش ہے؟" — محمد ابنِ وسیم نے پوچھا۔

"یہی تھا ہاشم لوہار" — اُسے جواب ملا۔

"اس لاش کو شہر کے دروازے کے ساتھ لٹکا دو" — محمد ابنِ وسیم نے حکم دیا — "جہاں اسے تمام عیسائی اور مولّد دیکھیں۔ صبح طلوع ہونے سے پہلے لاش لٹکا آؤ۔ اس کے بعد ہم فلورا کو دیکھیں گے۔"

فوراً آدمی بلائے گئے۔ ہاشم لوہار کی لاش ایک گھوڑے پر ڈال دی گئی۔ اور اسے لے گئے۔ یہ آدمی جو لاش لے جا رہے تھے تجربہ کار جاسوس تھے۔ وہ عیسائیوں کے بہروپ میں تھے۔ انہیں باغیوں کو بتانا تھا کہ وہ بغاوت میں شریک ہیں اور دُور سے آئے ہیں۔ ان کا دوسرا کام یہ تھا کہ باغیوں کی فوج میں تشہیر کریں گے کہ ہاشم لوہار کی لاش دروازے کے ساتھ لٹک رہی ہے اور رات کو قرطبہ سے بڑی طاقتور فوج آگئی ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ کہاں خیمہ زن ہے۔

*

باغیوں نے جو فوج منظّم کر رکھی تھی اُس کی آدھی نفری طلیطلہ کے باہر خیمہ گاہ میں تھی اور باقی نصف شہر کے اندر۔ ایک اطلاع ملی تھی کہ اس لشکر کی جنگی قیادت کرنے کے لئے فرانس کی فوج کے کمانڈر آئے ہیں۔ اس اطلاع کو اس لئے سچ مان لیا گیا تھا کہ اس فوج کے ساتھ محمد ابن وسیم نے جو معرکہ لڑا تھا اس میں پتہ چلا تھا کہ اس فوج میں نظم و نسق ہے اور اسے کوئی قابل دماغ لڑا رہا ہے۔ اس لشکر کا حوصلہ بلند تھا کیونکہ اسے ابھی تک کامیابیاں ہی حاصل ہو رہی تھیں اور اس کے مقابلے میں فوج بہت ہی تھوڑی ہے۔

*

صبح طلوع ہو رہی تھی جب باغیوں کے لشکر میں اس خبر نے ہڑبونگ مچادی کہ ان کے روحانی پیشوا اور بغاوت کے قائد ہاشم لوہار کی لاش شہر کے دروازے کے سامنے ایک درخت کے ساتھ لٹک رہی ہے۔ لاش لٹکانے والوں نے رات کو دیکھا کہ دروازے پر باغیوں کے سنتری کھڑے تھے۔ انہوں نے لاش ایک درخت کے ساتھ لٹکا دی تھی۔ فلورا کے متعلق افواہ پھیلائی گئی کہ وہ ماری گئی ہے اور اس کی لاش ایک آدمی اُٹھا لے گیا ہے جس کے ساتھ فلورا کی آشنائی تھی۔ یہ مشہور کیا گیا کہ فلورا ایک دھوکہ تھی اور اُس نے ایک آدمی کو شادی کے بغیر اپنا خاوند بنا رکھا تھا۔ اس کی موت اس طرح بیان کی گئی کہ اُسے اُس آدمی نے قتل کیا ہے جس کے ساتھ اُس نے پہلے تعلقات قائم کر رکھے تھے۔

محمد ابنِ وسیم نے عیسائیوں کے بھیس میں کچھ اور آدمی بھیج رکھے تھے۔ صبح طلوع ہونے کے بعد ان آدمیوں نے محمد ابنِ وسیم کو اطلاع دی کہ منصوبہ کامیاب ہے

شہر کے باہر باغیوں کی جو فوج خیمہ زن ہے وہ ہاشم لوہار کی لاش دیکھنے کے لئے چلی گئی ہے اور شہر کے دروازے کے باہر یہ لشکر بے قابو ہجوم کی طرح لاش کو دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔

محمد ابن وسیم نے اپنی قلیل فوج کو تیار رکھا ہوا تھا۔ رات کو اس نے اس فوج سے خطاب کیا تھا — "تم اللہ کے سپاہی ہو۔ اپنی اور دشمن کی تعداد نہ دیکھو۔ رسول اللہ صلعم نے کبھی بھی نہیں دیکھا تھا کہ کفار کا لشکر مسلمانوں سے زیادہ ہے۔ کفار ہمیشہ زیادہ رہے اور فتح مسلمانوں کی رہی۔ آج رسول خدا کی روح مقدسہ کو اپنے سینوں میں بیدار کرو۔ یہ نہ سمجھو کہ عیسائی تم پر غالب آرہے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عیسائیت اسلام پر غالب آرہی ہے۔ مت دیکھو کہ قرطبہ کے محلات میں عیش اور آرام سے بیٹھے ہوئے حکمران کیا کر رہے ہیں۔ وہ اس دنیا کے پجاری ہیں۔ وہ اس زندگی کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں مگر تم خدا کے عزیز ہو۔ تمہاری حقیقی زندگی اس زندگی کے بعد شروع ہو گی۔ ہم نے باغیوں سے ایک شکست کھائی ہے۔ ہمیں اس شکست سے ابھر کر فتح حاصل کرنی ہے۔ طلیطلہ پر کفار کا قبضہ ہے۔ کفار نے مسلمانوں کو جس درندگی کا نشانہ بنایا ہے اس سے تم واقف ہو۔ کیا تم اپنی بے عزتی کا انتقام نہیں لو گے؟"

فوج نے نعرے لگانے شروع کر دیئے — "ہم انتقام لیں گے" — "ہم لڑیں گے۔ مریں گے" — "قرطبہ سے مدد نہ آئی تو قرطبہ کا تختہ الٹ دیں گے۔ خدا کی حکومت قائم کریں گے" — "اپنے شہیدوں کے خون کا حساب چکائیں گے۔"

اس کے بعد محمد ابن وسیم بول نہ سکا۔ جونہی اسے اطلاع ملی کہ باغی ہاشم لوہار کی لاش دیکھنے کو جمع ہو گئے ہیں، اس نے فوج کو تیز کوچ کا حکم دے دیا۔ فاصلہ بمشکل

دو میل تھا۔ اس نے فوج کو پھیلا دیا۔ اب فوج ایک میل لمبی صف کی صورت میں جا رہی تھی۔ گھوڑوں کی رفتار پیادہ سپاہیوں کے برابر رکھی گئی۔ اس حملے کی قیادت محمد ابن وسیم خود کر رہا تھا۔

فوج کے راستے میں باغی لشکر کی خیمہ گاہ آگئی جو خالی پڑی تھی۔ صبح کا وقت تھا اس لئے کھانا پکانے کے لئے آگ جل رہی تھی۔ سپاہیوں نے حکم ملنے پر خیموں اور دیگر سامان کو آگ لگا دی۔ باغی لشکر شہر کے سامنے ہجوم کئے ہوئے تھا۔ اس ہجوم میں شور اٹھا — "حملہ آرہا ہے۔ فوج آرہی ہے۔ قرطبہ کی فوج آگئی ہے" — ہجوم میں ہڑبونگ مچ گئی۔

محمد ابن وسیم نے ہلہ بولنے کا حکم دے دیا۔ فوج پھیلی ہوئی ترتیب میں سرپٹ دوڑ پڑی۔ باغی لشکر ادھر ادھر بھاگنے لگا، لیکن بھاگنے کا وقت نہیں رہا تھا اور بھاگنے کے راستے بھی فوج نے روک رکھے تھے۔ یہ کھلا اور ہموار میدان تھا جن باغیوں کے پاس ہتھیار تھے وہ مقابلے پر اتر آئے اور جو شہر کے دروازے میں داخل ہو سکے وہ اندر چلے گئے۔ ان میں سے کئی دروازے میں روندے اور کچلے گئے۔ باقی مسلمانوں کی فوج اور شہر کی دیوار کے درمیان پس گئے۔ ان میں سے جنہوں نے مقابلہ کیا جم کر کیا اور مارے گئے۔ اندر سے باغیوں نے دروازے بند کر لئے۔ اور دیوار کے اوپر سے تیروں کی بوچھاڑیں آنے لگیں۔

محمد ابن وسیم کا یہ قلیل تعداد دستہ جو خاک و خون کے طوفان کی طرح آیا تھا، طوفان کی طرح پیچھے ہٹ آیا۔ باغیوں کا آدھا لشکر مارا جا چکا تھا مگر شہر کو محاصرے میں لے کر اس پر قبضہ کرنا اس دستے کے بس سے باہر تھا۔

محمد ابن وسیم نے خدا سے گڑگڑا کر مدد مانگی تھی۔ خدا نے اُس کی دُعا سُن لی۔ تاریخ میں اسے معجزہ کہا گیا ہے۔ دوسرے دن اُسے اطلاع ملی کہ قرطبہ سے امیرِ اندلس کے بیٹے اُمیّہ کی زیرِ کمان کمک آرہی ہے۔ محمد ابن وسیم گھوڑے پر سوار ہوا اور اُمیّہ کے استقبال کو چلا گیا۔

تاریخ میں یہ سراغ نہیں ملتا کہ اُمیہ امیر عبدالرحمٰن کی کون سی بیوی کا بیٹا تھا۔ مدثرہ ابھی جوان تھی۔ اس کا بیٹا بیس اکیس سال کا نہیں ہو سکتا تھا۔

اُمیّہ نے محمد ابن وسیم کو بتایا کہ اُس نے اپنے باپ کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ اُسے کچھ فوج دے کر طلیطلہ بھیجے۔ محمد ابن وسیم نے اُسے صحیح صورت حال بتائی۔ اُسی رات طلیطلہ کو محاصرے میں لے لیا گیا۔ دروازوں پر ہلے بولے گئے لیکن باغیوں نے کوئی کوشش کامیاب نہ ہونے دی۔ دیوار کے نیچے سرنگ لگانے کی کوشش کی گئی۔ یہ بھی کامیاب نہ ہو سکی۔

محاصرہ بہت دن رہا مگر کامیاب نہ ہوا۔ اُمیّہ نے محاصرہ اُٹھا لینے کا حکم دے دیا۔ باغی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ قرطبہ کی فوج نے نہ صرف محاصرہ اُٹھایا ہے بلکہ فوج واپس جا رہی ہے۔ باغیوں کے کسی قائد نے کہا کہ اس فوج کو زندہ واپس نہ جانے دو۔ تعاقب کرو۔ فوراً دروازے کھول دیئے گئے۔ شہر سے ہزاروں گھوڑے اور پیادے یوں نکلے جیسے دریا کا بند ٹوٹ گیا ہو۔

اُس وقت قرطبہ کی فوج کالترادا نام کے پہاڑی علاقے کے قریب پہنچ چکی تھی۔ اپنے پیچھے عیسائی لشکر کو آتا دیکھ کر اُمیّہ نے اپنی فوج کو بھاگنے کا حکم دے دیا۔ فوج بھاگی اور پہاڑیوں میں داخل ہو کر بکھر گئی۔ عیسائی لشکر اور زیادہ شیر ہو گیا اور گھوڑے

سرپٹ دوڑاتا پہاڑی علاقے میں داخل ہو گیا۔ جب پورے کا پورا لشکر پہاڑیوں میں آگیا اس پر بلندیوں سے تیر برسنے لگے۔ اُمیّہ نے پہلے ہی یہ جال بچھا دیا تھا۔ اس جال کی کمان (مؤرخوں کے مطابق) ایک نومسلم میسرہ نام کے کماندار کے ہاتھ تھی۔ اُمیّہ نے منصوبہ یہی بنایا تھا کہ محاصرہ ناکام رہا تو وہ پسپائی کا تاثر دے گا۔ اگر عیسائیوں نے تعاقب کی حماقت کی تو وہ انہیں پہاڑی علاقے میں گھات کے جال میں لائے گا۔

عیسائی فتح کے نشے میں یہ حماقت کر بیٹھے اور جال میں آگئے۔ میسرہ کے تیر اندازوں نے انہیں چُن چُن کر مارنا شروع کر دیا۔ لشکر پیچھے کو مڑا تو اُمیّہ کے دستوں نے اُسے روک لیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں؛

"کالترادا کی پہاڑیوں کے اندر عیسائیوں کا خون اتنا زیادہ بہا کہ گھوڑوں کے قدموں سے چھینٹے اُڑتے تھے۔ یہ قتلِ عام تھا۔ بچ کر نکل جانے والے باغیوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ میسرہ بلندی پر کھڑا اپنے دستوں کو احکام دے رہا تھا۔ اُس نے اس قدر خون اور اتنی زیادہ لاشیں دیکھیں تو پرانا کماندار ہونے کے باوجود اُسے غشی آگئی اور وہ تین چار دنوں بعد مر گیا۔"

منصوبے کے مطابق محمد ابن وسیم اپنی قلیل فوج لے کر شہر میں داخل ہو چکا تھا جہاں اب کوئی مزاحمت نہیں تھی۔

* *

سُلطانہ ملکہ طروب کی عُمر پچاس برس ہو چکی تھی۔ امیرِ اُندلس عبدالرحمٰن کی عمر کا ساٹھواں سال گزر رہا تھا اور زریاب عمر کے سترھویں برس میں داخل ہو گیا تھا۔ سُلطانہ ملکہ طروب کا اکلوتا بیٹا عبداللہ عالمِ شباب میں تھا۔ انیس بیس برس کا ہو گیا تھا۔

عبدالرحمٰن کے خیالوں اور عادات میں انقلاب آ چکا تھا۔ زریاب وہ زریاب نہیں رہا تھا جو کبھی تھا۔ امیر تو عبدالرحمٰن تھا لیکن کچھ عرصہ حکومت زریاب نے کی تھی۔ اُس نے زبان کے جادو اور موسیقی کے طلسم سے عبدالرحمٰن کو امیر کی بجائے بادشاہ بنا دیا تھا۔ اس کے دماغ پر شہنشاہیت کا بھوت سوار کر دیا تھا۔ وہ تو کچھ مردانِ حُر اُندلس کی فوج میں تھے جنہوں نے عبدالرحمٰن کے دماغ سے شہنشاہیت کا نشہ اُتار دیا تھا، ورنہ اُندلس عبدالرحمٰن کے دورِ حکومت میں ہی نصرانیوں کے قبضے میں جا چکا ہوتا۔

زریاب غیر معمولی طور پر دانشمند انسان تھا۔ وہ کچھ عرصے بعد سمجھ گیا تھا کہ یہاں سالارِ اعلیٰ عبیداللہ بن عبداللہ، حاجب عبدالکریم، سالار عبدالرؤف، سالار موسیٰ بن موسیٰ ورفرتون اور امیر عبدالرحمٰن کے بھائی محمد جیسے حق پرست اُس کی دال نہیں

گلنے دیں گے اور محل میں اُسے جو پوزیشن حاصل ہے اس سے بھی وہ محروم ہو جائے گا۔ اُس نے اتنی اُونچی پوزیشن بنالی تھی کہ جسے چاہتا امیر کی نظروں میں چڑھا دیتا اور جسے چاہتا گرا دیتا مگر آگے چل کر اُس نے اپنے آپ کو اپنی ہی نظروں میں گرا لیا اور وہ موسیقی کے پیچ و خم میں اور اپنے ہی تخلیق کئے ہوئے نت نئے نغموں اور راگ راگنیوں میں ڈوب گیا۔ البتہ سُلطانہ کی محبت اس کے ذہن و دل سے نہیں اُتری تھی۔ یہ ایک جنون تھا۔

"میرے نغموں میں وہ وجد آفریں تاثر نہیں جو تمہارے حُسن میں ہے"۔۔۔ وہ سُلطانہ سے ہمیشہ کہا کرتا تھا۔۔۔ "میں ابھی تک تمہاری ہنسی کا تاثر اپنی موسیقی میں پیدا نہیں کر سکا"۔ سُلطانہ اس کے پاس ہوتی تھی تو اس کی عقل و دانش پر نشہ طاری ہو جاتا تھا۔ سُلطانہ نے اُسے کہنا شروع کر دیا تھا کہ وہ اب شادی کرلے۔

"میرے دل اور میری زندگی میں کوئی دوسری عورت داخل نہیں ہو سکتی"۔۔۔ زریاب نے اُسے اپنا آخری فیصلہ سُنا دیا تھا۔ یہ بیس پچیس سال پہلے کی بات تھی۔ اس نے کہا تھا۔۔۔ "تم ہو تو سب کچھ ہے"۔

"لیکن میں امیرِ اُندلس کی ہوں"۔۔۔ سُلطانہ اُسے کہا کرتی تھی۔۔۔ "آپ مجھے حرم سے نہیں نوچ سکتے۔ اگر میں آپ کے ساتھ بھاگ جاؤں تو جائیں گے کہاں؟ کسی پناہ تک پہنچنے سے پہلے ہم پکڑے جائیں گے اور ہمارا جو انجام ہوگا وہ آپ جانتے ہیں۔ آپ مجھے اپنی ملکیت میں لینے کی خواہش دل سے نکال دیں لیکن مجھے اپنا سمجھیں۔ کیا میں اپنی جاگیر پر آپ کو نہیں لے جایا کرتی؟ کیا راتوں کی تنہائیوں میں میں نے اپنے اور آپ کے جسم کے درمیان کسی اور کو کبھی رکھا ہے؟"

وہ ٹھیک کہتی تھی۔ اُس کے اور زریاب کے درمیان کچھ بھی حائل نہیں ہوتا تھا۔ لیکن سُلطانہ کی محبت میں اپنا مفاد تھا۔ وہ زریاب کو استعمال کرنے کے لئے اُس سے محبت کا اظہار کرتی اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا کرتی تھی۔ سُلطانہ کا در پردہ رابطہ عیسائیوں کے جنگجو پیشوا اور مسلمانوں کے سب سے زیادہ خطرناک دشمن ایلوگیتیس کے ساتھ بھی تھا۔ سُلطانہ نے ایلوگیتیس کو بتایا تھا کہ اُس نے زریاب کو محبت کے جال میں لا کر کچھ اور سوچا تھا لیکن وہ محسوس کر رہی ہے کہ وہ خود اس جال میں اُلجھ گئی ہے۔

اور وہ اس جال میں اُلجھ کر رہ گئی۔ وہ امیرِ اُندلس کے حرم کی عورتوں میں سے واحد عورت تھی جس پر امیرِ اُندلس جان و دِل سے فدا تھا اور اُسے اپنے اُوپر ایک سحر اور ایک نشے کی طرح طاری رکھتا تھا لیکن وہ زریاب کی تسکین کا ذریعہ بھی بن گئی تھی۔ اُسے روحانی مسرت زریاب سے حاصل ہوتی تھی۔ اس طرح وہ بیک وقت امیرِ اُندلس اور زریاب کی داشتہ بنی ہوئی تھی۔

وہ سب بدل گئے۔ اُن کی فطرت بدل گئی تھی۔ اُندلس کے دریاؤں میں سے بہت سا پانی بہہ گیا تھا اور اُندلس کی گلیوں، میدانوں اور وادیوں میں بہت سا خُون بہہ گیا تھا مگر سُلطانہ کی فطرت میں کوئی تغیر نہیں آیا تھا۔ اس کی زندگی میں صرف یہ تبدیلی آئی تھی کہ وہ ایک بچے کی ماں بن گئی تھی اور اُسے وہ امیرِ اُندلس کا بچہ کہتی تھی۔ پہلے وہ خود ملکہ بننے کے خواب دیکھتی رہتی تھی۔ اس کی یہ خواہش ایک خبط بن گیا تھا۔ اس نے عیسائی لیڈروں کے ساتھ ساز باز کی تھی۔ عبدالرحمٰن کی امارت کا تختہ اُلٹنے کی سازش کی تھی مگر کامیاب نہ ہو سکی۔

جب اُس نے اپنے پہلے اور آخری بیٹے کو جنم دیا تو اُس نے عہد کیا کہ وہ اپنے

بیٹے کو امیرِ اُندلس کا جانشین بنائے گی۔ اب اُس کی جوانی ڈھل گئی تھی اور اُس کا بیٹا عبداللہ جوان ہو گیا تھا۔ امیرِ اُندلس بوڑھا ہو گیا تھا۔ اب سُلطانہ کی یہ حالت تھی جیسے ناگن نے زہر سے بھرا ہُوا پھن پھیلا دیا ہو۔ وہ ہر اُس مرد یا عورت کو ڈس لینے کے لئے تیار رہتی تھی جس سے اُسے خطرہ تھا کہ امارتِ اُندلس اور اس کے بیٹے کے درمیان حائل ہو گی۔

زمانہ بدل گیا۔ انسان بدل گئے۔ کئی دشمن دوست بن گئے اور کئی دوست دشمن ہو گئے تھے مگر سُلطانہ ابھی تک ملکہ طروب کہلاتی تھی اور وہ ناگن کی مثال تھی جو جوانی میں بھی ناگن، بڑھاپے میں بھی ناگن تھی۔ اُس نے بڑھاپے کو قبول نہیں کیا تھا۔

*

عمر کے پچاسویں سال بھی وہ اپنے آپ کو جوان سمجھتی تھی۔ وہ غلط بھی نہیں تھی۔ جاگیردار تھی۔ امیرِ اُندلس کی منظورِ نظر تھی۔ شہزادیوں جیسی زندگی گزارتی تھی۔ کوئی غم نہیں، پریشانی نہیں۔ اس کے چہرے پر خون کی تازگی تھی۔ سَر کے بال سیاہی مائل بھورے تھے جن کی چمک ابھی بجھی نہیں تھی۔ صحت ٹھکانے تھی۔

ایک روز اُس کی خادمہ اس کے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ خادمہ نے کنگھی رکھ دی اور ایک بال اکھاڑا۔ سُلطانہ کی "سی" نکل گئی۔ خادمہ سے پوچھا، کیا ہے؟ خادمہ نے بے پرواہی سے کہا ــ "سفید بال اکھاڑ پھینکا ہے۔"

"جھوٹ" ــ سُلطانہ نے کہا ــ "ابھی سے سفید بال؟"

بوڑھی خادمہ ہنس پڑی اور اُس نے چاندی کے تار جیسا سفید بال اس کے آگے رکھ دیا۔

"ایک ہی نہیں ملکہ!"— خادمہ نے کہا۔ "اور بھی ہیں. آپ کے بالوں کا رنگ ایسا ہے کہ سفید بال اچھی طرح نظر نہیں آتے... کئی ہیں۔"

"ہیں؟"— سُلطانہ نے یوں کہا جیسے اسے کسی عزیز کی موت کی خبر سنائی گئی ہو۔

"ہاں ملکۂ طروب!"— خادمہ نے کہا۔ "کئی ہیں.... آپ اتنی گھبرا کیوں گئی ہیں. سفید بالوں کو تو آنا ہی تھا.... اور ایک دن موت کو بھی آنا ہے. میں نے بھی جوانی دیکھی ہے. حُسن ایسا کہ مجھے امیر، وزیر اور سالار رک کر دیکھا کرتے تھے. موجودہ امیرِ اُندلس کے باپ الحکم نے مجھے دیکھا تو اُس نے میرے باپ کو اپنے ذاتی اصطبل کا عربی نسل کا گھوڑا مع زین اور ایک تلوار جس کے دستے پر دو ہیرے جڑے ہوئے تھے، تحفے کے طور پر بھیجے، پھر میرے باپ کو دربارِ خاص میں رُتبہ دیا. انعام و اکرام الگ دیا اور مجھے اپنے لئے منتخب کیا. میں بھی کہا کرتی تھی کہ حُسن و جوانی لازوال ہیں. میرے سر کے پہلے سفید بال نے مجھے بھی ہلا ڈالا تھا. میں نے اس بال کو اکھاڑ کر پرے پھینک دیا تھا مگر چند دنوں بعد مجھے تسلیم کرنا پڑا کہ ان بالوں کو جنہوں نے امیرِ اُندلس کو پابہ زنجیر کر لیا تھا اب سفید ہونا ہے اور میرے چہرے سے تازگی رخصت ہو چکی ہے......

"ملکۂ طروب! میرا اب کوئی ٹھکانہ نہ تھا. مجھے حرم کے کوڑا کباڑ میں پھینک دیا گیا تھا، پھر میں نے یہ دن دیکھے کہ جس کے ارد گرد خادمائیں اور خواجہ سرا پھرا کرتے اور جس کے اشاروں پہ ناچتے تھے وہ خادمہ بنی. میری عمر پچہتر برس ہو چکی ہے. میں حرم کی ہر عورت اور ہر درباری رقاصہ اور مغنیّہ کے لئے عبرت کا سامان ہوں...

ملکہ! اس حقیقت کو قبول کر لیں کہ آپ کا وقت گزر چکا ہے. امیرِ اُندلس عبدالرحمٰن بھی بوڑھا ہو چکا ہے. اب کوئی جوان لڑکی اس کے جذبات میں وہ گرمی پیدا نہیں کر سکتی جو کبھی ہُوا کرتی تھی۔"

سُلطانہ اپنے خیالوں یا ماضی میں کھو گئی. خاموش ، اور اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی

"ملکۂ طروب!"— بوڑھی خادمہ نے کہا۔ "آپ اتنی پریشان کیوں ہو گئی ہیں؟ آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ کو امیرِ اُندلس نے اُس حیثیت سے محروم نہیں کیا جو اُس نے آپ کو جوانی میں دی تھی. میں آپ کی مونس و غمخوار ہوں. آپ نے اپنے ہر راز میں مجھے شریک کیا ہے، اسی لئے میں نے آپ کو حقیقت بتا دی ہے. میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔"

"میں جانتی ہوں"— سلطانہ نے کہا۔ "مجھے تمہاری نیت پر شک نہیں. امیرِ اُندلس نے میری حیثیت میں کمی آنے دی. لیکن ایک سال گزر گیا ہے اُنہوں نے مجھے اپنے پاس بلایا ہی نہیں۔ اگر میں کبھی ان کے پاس خود ہی چلی گئی تو انہوں نے مصروفیت کا بہانہ کر کے مجھے چلے جانے کو کہا. میں تنہائی کی زندگی گزار رہی ہوں. اگر زریاب نہ ہوتا تو میں شاید زندہ نہ رہ سکتی۔"

"آپ کا بیٹا جوان ہے ملکہ!"— خادمہ نے کہا— "خُدا آپ کے عبداللہ کو لمبی عمر عطا فرمائے. اب آپ اپنی زندگی اس کے لئے وقف کر دیں. اسے ولی عہد بنانے کی کوشش کریں. امیرِ اُندلس بوڑھا ہو چکا ہے. وہ ہر جنگ میں خود شریک ہوتا ہے. وہ کسی بھی دن مر سکتا ہے. اپنے بیٹے کے لئے کچھ کریں۔"

"یہ تو میں ضرور کروں گی"۔ سُلطانہ نے کہا ۔۔ "لیکن امیرِ اُندلس نے اُسے ولی عہد کی حیثیت دینے کی کبھی بات نہیں کی۔ وجہ یہ ہے کہ میرے بیٹے نے اپنی عادتیں بگاڑ لی ہیں۔ میں نے اسے شہزادہ بنایا تھا مگر وہ میرے ہاتھ سے نکل گیا۔ میں اسے شہسوار اور تیغ زن بنانا چاہتی تھی۔ اُسے استادوں کے پاس بھیجا لیکن وہ بھاگ گیا۔ وہ عیاش اور فضول خرچ ہو گیا ہے۔"

"وہ شہزادہ ہی کیا جو عیاش اور فضول خرچ نہ ہو"۔ خادمہ نے کہا ۔۔ "امیرِ اُندلس کے پینتالیس بیٹے ہیں۔ ان میں کونسا ہے جو عیاش اور فضول خرچ نہیں؟"

سُلطانہ آئینے کے سامنے جا بیٹھی اور خادمہ کی بات کو نظر انداز کر دیا۔ وہ اپنے کھلے ہوئے بالوں کو آگے کر کے دیکھنے لگی۔ اُسے ایک اور سفید بال نظر آ گیا۔ وہ اپنے چہرے کو آئینے کے قریب لے گئی۔ چہرہ اُداس تھا۔

"تم جاؤ"۔ اس نے خادمہ سے کہا ۔۔ "اگر زریاب کچھ کر نہ رہے ہوں تو کہنا سُلطانہ نے بلایا ہے۔"

*

خادمہ کے جانے کے بعد وہ اپنے چہرے کو اور زیادہ غور سے دیکھنے لگی۔ اُس نے اپنی آنکھیں دیکھیں۔ آنکھوں کے نیچے اسے باریک سی لکیریں دکھائی دیں اور وہاں سے کھال کچھ اور طرح ہو گئی تھی۔ اُس نے اپنے ہاتھ دیکھے، اور ہاتھوں کی اُلٹی طرف نظریں گاڑے وہ اٹھی اور دریچے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ کواڑ کھولے اور وہ باہر دیکھنے لگی۔

کچھ وقت بعد اسے کمرے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اُس نے گھوم کے

دیکھا۔ موسیقار زریاب آیا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ سُلطانہ کے ہونٹوں پر وہ مسکراہٹ نہیں تھی جو اُس کے ہونٹوں پر ہر وقت رہتی تھی۔

"پریشان نظر آتی ہو سُلطانہ!" ۔ زریاب نے کہا اور اُسے بازو سے پکڑ کر نرم و گداز پلنگ پر بٹھا دیا اور اُس کے پاس بیٹھ گیا۔ کہنے لگا ۔۔ "میرے چہرے کو اتنی غور سے کیوں دیکھ رہی ہو؟"

"میں دیکھ رہی ہوں کہ کل آپ میرے پاس آتے تھے تو میں نے آپ کے چہرے پر بڑھاپے کے آثار نہیں دیکھے تھے"۔ سُلطانہ نے کہا۔ "آج آپ بہت بوڑھے دکھائی دے رہے ہیں۔"

"مجھے تمہاری خادمہ نے بتایا ہے کہ تم آج پریشان ہو"۔ زریاب نے کہا۔ "اور اس نے پریشانی کی وجہ یہ بتائی ہے کہ تمہارے سر سے ایک سفید بال نکلا ہے۔ یہ بال سامنے آنے تک تم اپنے آپ کو اور مجھے جوان سمجھتی تھیں۔ اپنے بڑھاپے کے احساس سے تمہیں میں بھی بوڑھا نظر آنے لگا ہوں ... سُلطانہ! ہم بوڑھے ہو گئے ہیں۔ تم بڑھاپے میں داخل ہو چکی ہو۔ اس سے پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ بڑھاپا وقار میں اضافہ کرتا ہے۔ انسان کامل نہیں ہو سکتا لیکن میں بڑھاپے میں آ کر کامل ہو گیا ہوں۔"

سُلطانہ اور زیادہ پریشان اور بے چین ہو گئی۔ اس کا دماغ زریاب کے فلسفے کو قبول نہیں کر رہا تھا۔ وہ زریاب سے سننا چاہتی تھی کہ وہ ابھی بوڑھی نہیں ہوئی۔ اُسے تسکین کی ضرورت تھی۔

"کیا آپ میرے ساتھ اچھی اچھی باتیں نہیں کر سکتے؟"۔ سُلطانہ نے قدرے سٹپٹا کر کہا ۔۔ "آپ تو میرے پاس آ کر دُنیا سے بے خبر اور مدہوش ہو جایا کرتے تھے

کیا اب آپ کے دل میں میری وہ محبت نہیں رہی؟"

"پہلے سے زیادہ ہے" — زریاب نے کہا — "لیکن اُس وقت کی طرف لپکنا جو اتنی دُور چلا گیا ہے کہ اسے ہم واپس نہیں لا سکتے بہت بڑی حماقت ہے۔ تمہاری پریشانی کا باعث بھی یہی ہے کہ وقت آگے بڑھتا جا رہا ہے اور تم پیچھے کو بھاگ رہی ہو۔ ماضی کو بھول جاؤ سلطانہ! سکون اُن لمحوں سے حاصل کرو جو گزر رہے ہیں۔"

"ہاں زریاب!" سلطانہ نے کہا — "میں پیچھے کو بھاگ رہی ہوں۔ میں ماضی سے نکلنا نہیں چاہتی۔ اگر میں پہلے جیسی حسین نہیں رہی تو حسین یادوں اور تصوروں سے اپنے آپ کو حسین بنائے رکھوں گی....

"مجھے تنہائی ڈس رہی ہے۔ میرے دِل پر خوف سا طاری ہوتا جا رہا ہے۔ میرے ساتھ پرانی باتیں کریں۔ آپ کے پاس الفاظ کا ذخیرہ ہے۔ مجھے الفاظ کے پروں پر اُڑا کر ماضی میں لے جائیں.....

"آپ کے بازوؤں میں طاقت نہیں رہی زریاب؟" سلطانہ نے پوچھا — "اپنے متعلق مجھے یہ تاثر نہ دیں کہ میں ایک سوکھے پیڑ تلے بیٹھی ہوں جو چھاؤں سے محروم ہو چکا ہے۔"

"جسموں سے تم توجہ نہیں ہٹا سکتیں سلطانہ؟" — زریاب نے کہا — "اپنی رُوح کو بیدار کرو۔ جسم بوڑھا ہو جاتا ہے تو روح جوان ہو جاتی ہے۔ میں نے اپنے جسم کی قوت اپنی روح میں منتقل کر دی ہے۔"

سلطانہ ڈرے ہوئے بچے کی طرح زریاب میں سما جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ زریاب اُٹھ کھڑا ہوا۔

"تم جھوٹے سہارے ڈھونڈ رہی ہو" — زریاب نے کہا — "تم کل کے افسانوں کو یاد کر کے آج کی حقیقت سے نظریں چرانا چاہتی ہو...... دماغ کو ذرا ٹھکانے پر لاؤ۔ پھر میں تمہارے ساتھ ماضی کی باتیں کروں گا۔"

شراب کے ایک پیالے نے سلطانہ ملکۂ طروب کو پھر سے جوان کر دیا۔ اُس کا لب و لہجہ مخمور ہو گیا۔ اُس نے بانہیں زریاب کے گلے میں ڈال دیں۔

"زریاب! میں تمہاری لونڈی ہوں" — سلطانہ نے کہا — "صرف تم ہو جس نے میرے ساتھ دِلی محبت کی ہے۔ میں نے اُسے شک تک نہ ہونے دیا کہ مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ایلوگیئس کے ساتھ میرے گہرے مراسم تھے اور میں امارتِ اُندلس کا تختہ اُلٹنے کی کوشش کرتی رہی ہوں۔ مجھے تم سے یہی ایک شکوہ ہے کہ تم نے اس کام میں میرا ساتھ نہ دیا۔"

"اگر میں تمہارا ساتھ دیتا تو بھی تمہیں اور ایلوگیئس کو کامیابی نہ ہوتی" — زریاب نے کہا — "میں نے اپنا ضمیر پچیس سال پہلے صرف اس لئے صاف کر لیا تھا کہ یہ مجھے بڑھاپے میں شرمسار نہ کرے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ میں آج مطمئن ہوں۔"

زریاب نے اُس کے ہاتھ سے پیالہ لے لیا اور صرف ایک گھونٹ پی کر پیالہ رکھ دیا۔ اُس کی عمر ستر برس ہو گئی تھی۔ بال کوئی کوئی سفید رہ گیا تھا۔ آنکھوں میں چمک ماند پڑ گئی تھی لیکن وہ سلطانہ کو دل و جان سے چاہتا تھا۔

"مجھے ایک پرانی بات یاد آتی ہے" — سلطانہ نے کمسن لڑکیوں جیسی شوخی سے کہا — "تمہیں فلورا یاد ہے نا! میں نے اُسے صرف ایک بار دیکھا تھا۔ وہ بہت خوبصورت تھی۔ میں نے ایک روز امیرِ اُندلس سے کہا تھا کہ آپ فلورا کو اغوا کرا لیں یا اسے خرید

لیں اور اپنے حرم میں رکھ لیں۔ میں نے تمہیں یہ بات کبھی نہیں بتائی تھی۔ یہ راز تھا۔ آج سن لو۔"

"اگر فلورا امیرِ اندلس کے پاس آجاتی تو تمہاری قدر و قیمت ختم ہو جاتی" — زریاب نے کہا — "فلورا عمر میں تم سے چھوٹی تھی اور بہت ہی حسین۔ امیرِ اندلس اسے پا کر دیوانہ ہو جاتا..... تم نے امیرِ اندلس سے ایسی بات کیوں کہی تھی؟ اُسے خوش کرنے کے لئے؟"

"نہیں" — سلطانہ نے کہا — "اُسے دیوانہ بنانے کے لئے۔ میں نے سوچا تھا کہ فلورا حرم میں آجائے تو ہم دونوں امیرِ اندلس کو اپنے جال میں لے لیں۔ میرا مقصد اسی طریقے سے پورا ہو سکتا تھا۔ میں نے ایک رات ایلوگیتس کو اپنی جاگیر میں بلایا تھا۔ میں نے اُسے بتایا کہ امیرِ اندلس مردِ مجاہد بنتا جا رہا ہے اور اُس کی سب سے چھوٹی بیوی مدثرہ اس پر غالب آئی ہوئی ہے۔ اگر فلورا آجائے تو ہم دونوں اسے اپنے طلسم میں لے سکتی ہیں۔ ایلوگیتس نہ مانا۔ اُس نے کہا کہ فلورا پاک لڑکی ہے۔ حرم میں جا کر وہ نہ صرف ناپاک ہو جائے گی بلکہ یہ خطرہ بھی ہے کہ جنگلوں اور گمنام جگہوں میں چھپ چھپ کر گھومنے پھرنے والی اور یسوع مسیح کے مقدس نام پر اپنا آپ قربان کرنے والی لڑکی محل میں چلی گئی تو وہ شہزادی بن جائے گی اور وہ ہمارے تمام راز امیرِ اندلس کو دے دے گی.....

"تم جانتے ہو کہ اس نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ وہ مجھے کسی خطے کی ملکہ بنا دے گا۔ میں تو اُس کے اشاروں پر ناچتی تھی۔ مگر وہ اپنے عزم اور مقصد کا اتنا سچا تھا کہ میری بات پر توجہ نہیں دے رہا تھا.....

"مجھے کچھ غصہ بھی آیا۔ ایلوگیتس پر شراب کا اثر تھا اور میرے غصے نے بھی کچھ اثر دکھایا۔ میں اُس کی مہم کو کامیاب بنانے کے لئے بہت کچھ کر سکتی تھی۔ اس لئے اُس نے مجھے ناراض کرنا اچھا نہ سمجھا.....

"اُس نے کہا — میں تمہیں ٹھکرا نہیں رہا۔ مجھے تم سے اس نیک مقصد کی وجہ سے محبت ہے۔ میں نے صرف اس لئے شادی نہیں کی کہ میں زنجیر میں بندھ جاؤں گا اور اپنے مقصد کے لئے بیکار ہو جاؤں گا۔ پھر فلورا میری مہم میں شامل ہو گئی۔ ایک رات ہم ایک مکان میں اکٹھے رہے۔ ایک پادری نے ہمیں وہاں چھپایا تھا۔ فلورا کو پتہ چلا کہ میں نے اپنے مقصد کی خاطر اپنے آپ کو عورت سے محروم کر رکھا ہے تو اُس نے میرے ساتھ بہت باتیں کیں۔ مجھے اُمید نہیں تھی کہ ایک نوجوان لڑکی دانشمندی کی باتیں کر سکتی ہے۔ اُس کی باتوں سے مجھ میں نیا جوش اور ولولہ پیدا ہو گیا.....

"ایلوگیتس نے مجھے بتایا کہ اُس کے دل میں فلورا کی محبت ایسی شدت سے پیدا ہوئی کہ وہ اسے دبا نہ سکا۔"

"تمہیں شاید معلوم نہیں کہ ایلوگیتس کا اور اُس کے مقصد کا انجام کیا ہوا تھا" — زریاب نے کہا۔

"مجھے معلوم ہے" — سلطانہ نے کہا — "ہر کسی کو معلوم ہے۔"

"تمہیں ان دونوں کی موت کا علم ہے" — زریاب نے کہا — "لیکن تم شاید نہیں جانتیں کہ انہوں نے اپنی مہم کس طرح چلائی تھی اور عورت کو اپنے آپ پر سوار کر کے ایلوگیتس کس طرح بیکار ہو گیا تھا۔"

*

زریاب نے ماضی کا ایک پردہ اُٹھایا۔ کہنے لگا۔ "فلورا نے اپنی زندگی میں ہی یسوع مسیح کی بادشاہت قائم کرنے کے لئے اُندلس کو مُسلمانوں کے قبضے سے چھڑانا ضروری سمجھا۔ اُس نے اپنے نوجوانی کے جذبات اور اپنی زندگی اس مقصد کے لئے وقف کر دی۔ وہ راہبہ بن گئی۔ عیسائیوں نے اُسے مریم ثانی کہا۔ عیسائیوں کے بعض پادریوں نے راتوں کو قبرستانوں میں فلورا کو دھوئیں میں سے نکالنے کے شعبدے دکھاتے اور اسے یسوع مسیح کی ایک عزیز ترین راہبہ کا ظہور کہا۔ ان لوگوں نے طلیطلہ اور مریدہ میں دو دو بار بغاوتیں کرائیں جن میں ہزاروں عیسائی مارے گئے اور انہیں حاصل کچھ بھی نہ ہُوا۔ محمد بن عبدالجبار جیسے مُسلمان بھی اُن کے ساتھ جاملے۔ تم نے امیرِ اُندلس کو میدانِ جنگ میں جانے سے روکنے کی پُوری کوشش کی لیکن ..."

"لیکن مدثرہ نے امیرِ اُندلس پر اپنا جادو چلا لیا"۔ سُلطانہ نے کہا۔

"صرف مدثرہ نہیں"۔ زریاب نے کہا۔ "امیرِ اُندلس عبدالرحمٰن کو اُس کے سالاروں نے بیدار کیا تھا جن کے ایمان مضبوط تھے، اور اُن کے ایمان اس لئے مضبوط تھے کہ انہوں نے اُن شہیدوں کو اپنے دلوں میں زندہ رکھا ہُوا تھا جنہوں نے اُندلس فتح کیا اور اپنی جانیں قربان کر کے کُفر کے سینے پر اسلام کا جھنڈا گاڑا تھا۔ ان سالاروں نے امیرِ اُندلس کو جس طرح بیدار کیا وہ تم جانتی ہو"۔

"کیا تم بھی فلورا کو مجھ سے زیادہ حسین سمجھتے تھے؟"۔ سُلطانہ نے نشے سے مخمور آواز میں پوچھا۔

"میں کس کو کیا سمجھتا تھا، یہ نہ پوچھو"۔ زریاب نے کہا۔ "تم مجھ سے ماضی کی باتیں سُننا چاہتی ہو جب تمہارا حُسن اور اُس کا طلسم جوان تھا۔ مجھے اب ماضی کے پردے

اُٹھا لینے دو۔ خود میں تمہاری محبت میں گرفتار ہو کر عیسائیوں کے ہاتھوں میں کھیلنے لگا تھا۔ تم نے اپنی جاگیر میں جس کا باغ تمہاری طرح حسین تھا، میری ملاقات ایلوگیئس سے کرائی تھی — وہ درویشوں کے بہروپ میں آیا تھا۔ مجھے تمہاری محبت نے اندھا کر رکھا تھا۔ ایلوگیئس نے مجھے کہا کہ میں عرب سے آئے ہوئے ان مُسلمانوں کا تمدّن اور ان کی تہذیب بدل دوں۔ تم نے کہا کہ امارتِ اُندلس کا تختہ اُلٹ دیا جاتے تو عیسائی تمہیں زمین کا ایک ٹکڑا بخش کر ملکہ بنا دیں گے اور میں بادشاہ ہوں گا ...

"مجھے تمہاری محبّت نے اور اپنے اُن نغموں نے جو تمہاری محبّت کی تخلیق تھے، مدہوش کر دیا۔ اس خواب نے بھی میری عقل پر پردہ ڈال دیا کہ تم ملکہ ہو گی اور میں تمہارا خاوند ہوں گا۔ میں نے اپنی عقل، اپنی زبان اور اپنے فن کے جادُو سے دربار میں مؤثر حیثیت حاصل کر لی اور میں سب کے لئے ایک مثالی آدمی بن گیا۔ میں نے عرب حکّام کے رہن سہن کے، لباس کے اور بالوں کی تراش کے طور طریقے بدل ڈالے اور ان میں کفرستان کے اثرات پیدا کر دیئے۔ میں نے مُسلمان امراء کی لڑکیوں کو ایسا لباس دیا جس میں وہ بے پردہ ہو گئیں۔"

"ایلوگیئس کہتا تھا کہ صرف لشکر اور تلوار سے فتح حاصل نہیں کی جا سکتی"۔ سُلطانہ نے کہا۔ "دلکش طریقوں سے کسی قوم کی تہذیب و تمدّن، رہن سہن، زبان اور فراغت کا وقت گزارنے کے انداز میں اپنے اثرات چھوڑ دو تو وہ قوم تمہاری مغلوب ہو جائے گی۔"

"میں نے تھوڑے ہی عرصے میں محسوس کر لیا تھا کہ تمہارے دل میں میری محبّت نہیں ہے"۔ زریاب نے کہا۔ "اور تم میرے ساتھ ایک کھیل کھیل رہی ہو لیکن میرے

دل پر تمہاری محبت کا ایسا قبضہ تھا جس سے میں آزاد نہ ہو سکا، اور میں اپنی قوم اور اپنے مذہب کی رگوں میں صلیب کا زہر گھولتا رہا۔"

"میں اعتراف کرتی ہوں کہ میں نے تمہیں محبت کا دھوکہ دینے کی کوشش کی تھی" سلطانہ نے کہا ــ "لیکن اپنی محبت میں تمہاری دیوانگی دیکھ کر میں اپنے دھوکے کا شکار ہو گئی اور میں نے زندگی میں پہلی بار اس محبت کا ذائقہ چکھا جو رُوح کی گہرائیوں میں اُتر جاتی ہے۔ میں نے ایلوگیتیس سے کہہ دیا تھا کہ میں اُسے دھوکہ نہیں دوں گی۔ لیکن محبت کو اب کھیل سمجھ کر زریاب کے جذبات کے ساتھ نہیں کھیلوں گی۔"

"میرے جذبات میں آج بھی وہی گرمی ہے جو اُس وقت تھی جب تم جوان تھیں" ــ زریاب نے کہا ــ "میں آج بھی تمہارے لیے اتنی بڑی قربانی کر سکتا ہوں جو تم مانگو گی ... جس طرح محبت کے باوجود تم نے مجھے کچھ باتیں نہیں بتائی تھیں اسی طرح کچھ باتیں ایسی ہیں جو میں نے تمہیں نہیں بتائی تھیں۔ وہ آج سُن لو ... میں نے جب فلورا کی شہرت سُنی اور یہ بھی سنا کہ وہ ایک مسلمان کی بیٹی ہو کر عیسائیت کے لئے اپنا آپ وقف کر چکی ہے تو میرے دل میں اُسے دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی ...

"ایک جاسوس قصرِ امارت کے ہیں۔ ایک جاسوس فوج کے ہیں اور جاسوسوں کا ایک گروہ میرا ذاتی تھا۔ اس میں حرم کی دو بڑی خوبصورت اور تیز طرار عورتیں بھی تھیں۔ میں نے معلوم کر لیا کہ فلورا کہاں ہے اور میں اُسے کس طرح دیکھ سکتا ہوں۔ ایک روز مجھے پتہ چل گیا کہ ایلوگیتیس اور فلورا قرطبہ سے ایک دن کے فاصلے پر ایک گاؤں میں ہیں۔ میں روانہ ہو گیا۔ گاؤں میں جا کر اپنے ایک خاص آدمی کے ذریعے خفیہ طور پر ایلوگیتیس کو پیغام بھیجا کہ زریاب تمہیں اور فلورا سے ملنے آیا ہے۔ گاؤں والوں

نے مجھے دیکھا لیکن کسی کو شک تک نہ ہوا کہ یہ اجنبی مسافر قرطبہ کا مشہور موسیقار ہے جس کے نغمے عیسائیوں کی موسیقی میں بھی شامل ہو چکے ہیں۔"

*

سلطانہ زریاب کی باتیں بڑے انہماک سے سُن رہی تھی۔ اُس نے شراب کا پیالہ پینے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ زریاب کہہ رہا تھا "مجھے ایک ویران سے مکان میں لے جایا گیا اور ایسے کمرے میں کھڑا کر دیا گیا جس کی چھت سے جالے لٹک رہے تھے۔ دیواروں سے لیپ اُکھڑا ہوا اور کواڑوں کو دیمک کھا رہی تھی۔ میں نے اُسے ایک جال سمجھا لیکن ایلوگیتیس آ گیا۔ کہنے لگا ــ "کیا قرطبہ کا عظیم موسیقار بتا سکتا ہے کہ اتنی دُور کے سفر کی اس نے زحمت کیوں کی؟ ...

"اُسے مجھ پر شک تھا۔ میں نے کہا ــ حیرت تمہاری بجا ہے ایلوگیتیس! ایک خواہش یہاں تک لے آئی ہے۔ کیا میں نے آج تک تمہیں دھوکہ دیا ہے کبھی؟ دھوکہ دینا ہوتا تو یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ تم یہاں ہو میں نہ آتا۔ کوئی اور آتا اور تمہیں اور فلورا کو گرفتار کر کے لے جاتا ... میں تمہارا ساتھی ہوں، ...

"اُس نے پوچھا ــ وہ کون سی خواہش ہے جو تمہیں یہاں لے آئی ہے؟ ــ میں نے کہا ــ میں فلورا کو دیکھنے آیا ہوں۔ لوگ کہتے ہیں فلورا زریاب کے نغموں سے زیادہ وجد آفریں ہیں اور اس کا عزم سنگِ سیاہ جیسا مضبوط ہے ــ ایلوگیتیس نے مجھ سے کچھ اور باتیں کیں اور جب اُسے یقین ہو گیا کہ میں اُسے دھوکہ دینے نہیں آیا تو وہ مجھے ایک اور مکان میں لے گیا اور ایک کمرے میں بٹھا دیا۔ کچھ ہی دیر بعد ایک نوجوان لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس کی خوبصورتی نے مجھے حیرت میں ڈال دیا ... سلطانہ! تم

تم بھی جوانی میں خوبصورت تھیں۔ شاید فلورا سے زیادہ خوبصورت تھیں لیکن اس عیسائی
لڑکی کے چہرے میں کشش نہیں جادو تھا۔ اُس کا قدوبُت جذباتی دُنیا میں زلزلے بپا کرتا
تھا۔ میں اُس کی آنکھوں کی چمک کا سامنا نہ کرسکا....

"ایلوگیتس نے اُسے کہا کہ فلورا! یہ ہیں وہ شخصیت جن کا قصرِ امارت پر اثر غالب
ہے اور یہ ہمارے لئے زمین ہموار کر رہے ہیں.... فلورا نے آگے بڑھ کر میرا دایاں
ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا۔ پہلے چوما پھر اپنے سینے پر رکھا اور اُس کے ہونٹوں پر
جو مسکراہٹ آئی اُس نے مجھے لرزا دیا۔ کبھی شک ہوتا تھا جیسے یہ جسم نہیں رُوح ہے سلطانہ!
فلورا پھُول نہیں کلی تھی۔ میں نے اُسے کہا کہ فلورا! تم اتنی خوبصورت اور نوجوان لڑکی
ہو۔ تم کیا کرسکتی ہو؟ کیا تم اپنی جوانی ضائع نہیں کر رہیں؟....

فلورا بولی۔ سُنا تھا کہ آپ دانشور ہیں مگر آپ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کچھ کرنے کے لئے جسم
کی طاقت ضروری نہیں ہوتی۔ انسان اپنے عقیدے اور نظریئے کا پکا ہو تو رُوح کی
قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔... اُس نے جب اپنے عقیدے کی باتیں شروع کیں تو یہ
لڑکی جسے میں کسی اور نظر سے دیکھ رہا تھا میرے لئے مقدس ہوگئی۔ ایلوگیتس نے
بتایا کہ مریدہ اور طلیطلہ کی بغاوتیں فلورا نے کرائی تھیں....

"یہ فلورا حراست سے بھاگی تھی۔ عیسائیوں نے بازاروں میں اور قاضی کی عدالت
میں اسلام کی توہین کا جو سلسلہ شروع کیا تھا، اس کی ابتدا فلورا نے کی تھی۔ میں نے جب
دیکھا کہ ایک نازک اندام لڑکی اپنے مذہب پر اپنا حُسن، اپنی جوانی اور اپنے جذبات
قربان کر چکی ہے تو مجھ میں یہ احساس بیدار ہو گیا کہ میں جو مرد ہوں اور لوگ مجھے دانشمند کہتے
ہیں، ان لوگوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا ہوا ہوں۔ مجھے اپنے مذہب کا خیال آگیا۔

مجھے شرم آنے لگی۔ میرے خیالوں میں انقلاب آگیا۔ میں نے فلورا اور ایلوگیتس کو یقین
دلایا کہ میں ان کے ساتھ ہوں لیکن میں نے قسم کھالی کہ اُن کا ساتھ نہیں دُوں گا....

"میں واپس آگیا۔ دِل میں کئی بار آئی کہ تمہیں بھی کہوں کہ ان لوگوں کے ساتھ اپنا تعلق
توڑ لو لیکن تم نے اپنے جو خواب اور خواہشیں ایلوگیتس کے ساتھ وابستہ کر رکھی تھیں
تم ان سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نظر نہیں آتی تھیں۔ میں خاموش رہا اور تم
خواب دیکھتی رہیں.... فلورا اپنے کام میں لگی رہی۔ مجھے اُس کی سرگرمیوں کی خبریں
ملتی رہیں۔ تمہیں یاد ہوگا کہ کتنی بغاوتیں ہوئیں۔ سب کی سب دبا لی گئیں۔ عیسائی ہر بار
ناکام ہوئے اور اُن کا قتلِ عام ہُوا....

"پھر ایک جواں سال عیسائی راہبہ مریم کی ملاقات فلورا سے ہوگئی۔ مریم کا
ایک بھائی اسلام کی توہین کرتے پکڑا گیا اور جلاد کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ مریم نے
گرجے سے نکل کر اسلام اور امارتِ اُندلس کے خلاف کام شروع کر دیا۔ یہاں ان
دونوں کی گرفتاری کا حکم جاری ہُوا اور ان کی تلاش کے لئے جاسوسوں اور مخبروں
کو خبردار کر دیا گیا۔"

*

سُلطانہ سُن رہی تھی اور زریاب کہہ رہا تھا — "ایک روز ایک آدمی میرے
پاس آیا۔ اُس نے مجھے ایلوگیتس کا پیغام دیا کہ وہ مجھے ایک گاؤں میں بلا رہا ہے۔
گاؤں دُور نہیں تھا۔ میں رات کو وہاں چلا گیا۔ ایلوگیتس نے مجھے کہا کہ ان کی بغاوتیں
بھی ناکام ہو چکی ہیں۔ انہیں فرانس سے بھی جنگی مدد نہیں مل رہی کیونکہ امیرِ اندلس عبدالرحمٰن
نے سرحدوں پر فوج کو چوکس کر رکھا ہے اور چھاپہ مار جیش گھوڑوں پر سوار دن رات

سرحدوں پر گھومتے پھرتے رہتے ہیں...

"مَیں نے اُس سے پوچھا کہ اب وہ کیا چاہتا ہے اور اُس نے مجھے کیوں بلایا ہے اُس نے کہا — 'میں قرطبہ میں بغاوت کرانا چاہتا ہوں لیکن اس کی ابتدا اس طرح ہونی چاہیئے کہ بغاوت قصرِ امارت سے یعنی امیرِ اُندلس عبدالرحمٰن کے محل سے اُٹھے۔ امیر کو قید کر لیا جائے اور اس کے تمام سالاروں کو فوراً قتل کر دیا جائے۔ مَیں نے اپنے طور پر کوشش کی ہے کہ فوج میں اپنے حامی پیدا کئے جائیں لیکن سالاروں نے فوج کو ایسا دین دار بنا رکھا ہے کہ کوئی سپاہی اپنے مذہب اور اپنی سلطنت کے خلاف بات سُننے کے لئے تیار نہیں'...

"وہ مجھے ابھی تک اپنا دوست سمجھ رہا تھا۔ میں نے اُسے دوستی کا دھوکہ دیئے رکھا اور اس سے پوچھا کہ وہ مجھے بتائے کہ میں کیا کروں۔ اُس نے کہا — 'سالاروں کو آپس میں ٹکرا دیں۔ ان کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کر دیں۔ نائب سالاروں اور کمانداروں میں سے ایسے آدمی تیار کریں جو خانہ جنگی پر آمادہ ہو جائیں۔ انہیں ہم اتنا سونا اور رقم دیں گے جو انہوں نے کبھی زندگی میں نہیں دیکھی۔ آپ کے ساتھ اور سُلطانہ کے ساتھ ہمارا وعدہ قائم ہے کہ آپ کو ایک خطّہ الگ دے دیا جائے گا جہاں آپ کی اور سُلطانہ کی حکمرانی ہوگی'...

"مَیں نے اُسے کہا — 'آپ اُندلس سے اسلام کا وجود ختم کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کامیاب ہو گئے اور مجھے الگ ریاست دے دی تو آپ اس اسلامی ریاست کے وجود کو کس طرح برداشت کریں گے؟' — اُس نے کہا کہ اُسے انعام میں دی ہوئی زمین پر قائم شدہ اسلامی حکومت پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اُس نے یہ بھی کہا — 'مَیں جانتا ہوں کہ آپ

اور سُلطانہ جس ریاست کے حکمران ہوں گے وہ برائے نام اسلامی ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اور سُلطانہ اپنا مذہب ترک کر کے عیسائیت قبول کر لیں گے، لیکن یہ بعد کی باتیں ہیں۔ آپ جو چاہیں گے ویسے ہی ہوگا۔ سب سے پہلے آپ اپنا اثر و رسوخ استعمال کریں اور بغاوت یا خانہ جنگی کے لئے زمین ہموار کریں۔ آپ کو جس قدر خزانہ چاہیئے مجھے بتائیں'...

"مَیں نے شراب نہ پی کیونکہ میں اپنے آپ کو ہوش میں رکھنا چاہتا تھا۔ ان دونوں لڑکیوں نے میرے دل اور دماغ پر قبضہ کر لیا تھا لیکن میں نے اپنے آپ کو آزاد کر لیا اور انہیں یہ کہہ کر کہ میں ان کا کام کر دوں گا اُٹھ کھڑا ہُوا...

"ایلوگیئس نے کہا — 'زریاب! میں اُمید رکھوں گا کہ آپ ہمیں دھوکہ نہیں دیں گے۔ اگر آپ نے دھوکہ دیا تو یہ آپ کے لئے ہی اچھا نہ ہوگا' — مجھے غصّہ آگیا۔ مَیں نے اس سے پوچھا — 'اگر یہ میرے لئے اچھا نہیں ہوگا تو مجھے کیا ہو جائے گا؟' — اُس نے جواب دیا کہ آپ اس دُنیا میں نہیں رہیں گے — میں نے کہا — 'میری ایک شرط ہے۔ اگر پوری کر دو تو محل میں بغاوت کرا دوں گا۔ چار سالاروں کو سوتے میں قتل کرا دوں گا' — ایلوگیئس نے شرط پوچھی تو — ان تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا...

"مَیں نے فلورا اور مریم کے چہروں پر نہ غصّے کا تاثر دیکھا نہ رضامندی کا نہ خوشی کا۔ دونوں کا ردِّعمل اتنا ہی تھا کہ ان کے ہونٹوں پر جو بڑی پیاری مسکراہٹ تھی وہ غائب ہو گئی۔ ایلوگیئس نے مجھے کہا کہ میں ذرا انتظار کروں اور وہ دونوں لڑکیوں کو دوسرے کمرے میں لے گیا۔ کچھ وقت لگا کر آیا۔ لڑکیاں اس کے ساتھ نہیں تھیں۔ کہنے لگا — 'ان لڑکیوں کے دلوں میں مسلمانوں کی اتنی نفرت بھری ہوئی ہے کہ کیسی مُسلمان کے جسم کے

لمس کو برداشت نہیں کر سکتیں،...

"میں بچہ نہیں تھا سلطانہ! میں ایلوگیتس کے بولنے کے انداز اور لب ولہجے میں کوئی اور ہی تاثر دیکھ رہا تھا۔ فلورا کو ان لوگوں نے مریم ثانی بنا رکھا تھا اور مریم راہبہ تو تھی ہی راہبہ جنہوں نے اپنے اُوپر شادی حرام کر رکھی ہے۔ اگر بھولے بھٹکے ان کا جسم کسی مرد کے جسم سے چھُو جائے تو وہ غسل کرتی اور گرجے میں جاکر بخشش مانگتی ہیں....

"کیا تم دل سے چاہتے تھے کہ دونوں لڑکیاں تمہارے پاس آئیں؟" — سلطانہ نے پوچھا — "تم تو میری محبت کے دعوے کیا کرتے تھے۔"

"نہیں" — زریاب نے کہا — "مجھ میں قومی غیرت تو پہلے ہی بیدار ہو چکی تھی۔ اب ایلوگیتس نے مجھے قتل کی دھمکی دی تو میں نے اُن کی غیرت کے ساتھ کھیلنے کا ارادہ کر لیا۔ ایلوگیتس نے مجھے یہ کہا کہ فلورا اور مریم کے دِلوں میں مسلمانوں کی نفرت ہے تو میرے دل میں ان لوگوں کی جو ذراسی عزت رہ گئی تھی وہ بھی نکل گئی۔ ایلوگیتس نے جب مجھے اگلی رات آنے کو کہا تو میں نے اُس کے تیور دیکھ لیے۔ اگلی رات وہ میرے ساتھ کوئی اور کھیل کھیلنا چاہتا تھا۔ یہ میرا شک بھی ہو سکتا تھا۔ ممکن تھا کہ لڑکیاں رضامند ہو گئی ہوں۔ اس قوم کے کردار کو میں جانتا ہوں۔ یہودی اور نصرانی اپنے قومی اور مذہبی مقصد پر اپنی عزت اور وقار قربان کر دیا کرتے ہیں لیکن میرا دماغ کسی اور طرف چل پڑا تھا....

"میں نے ایلوگیتس سے کہا کہ میں کل رات آجاؤں گا اور بغاوت کا منصوبہ بھی تیار کر دوں گا۔ میں اُسے اس اعتماد میں چھوڑ کر آ گیا کہ میں اگلی رات ضرور آؤں گا اور یہ کہ میں اس کے جال میں آ گیا ہوں....

"صبح ہوئی تو میں منصور بن محمد کے پاس گیا جو صاحب الشُرط (پولیس کا چیف) ہے۔ اُسے بتایا گیا کہ ایلوگیتس، فلورا اور مریم فلاں گاؤں کے فلاں مکان میں ہیں۔ انہیں آج رات پکڑا جا سکتا ہے۔ میں نے منصور کو یہ نہ بتایا کہ میں خود وہاں گیا تھا۔ یہ بتایا کہ مجھے مصدقہ اطلاع ملی ہے کہ وہ تینوں کل رات وہیں ہوں گے....

"منصور بن محمد بڑا دانشمند صاحب الشرط ہے۔ اُس نے اُسی وقت اپنے ایک مخبر پر بھکاری کا بہروپ چڑھایا اور اُسے کہا کہ وہ اُس گاؤں میں جاکر بھیک مانگے اور وہاں وہیں موجود رہے اور دیکھتا رہے۔ ایلوگیتس دو جوان لڑکیوں کے ساتھ گاؤں سے باہر جائے تو اس طرح اُس کا پیچھا کرے کہ انہیں شک نہ ہو اور دیکھے کہ وہ کہاں جاتے ہیں اور واپس آکر اطلاع دے۔ رات کو منصور نے سپاہیوں کو اس گاؤں کو بھیج دیا....

"اگلی صبح مجھے اطلاع ملی کہ فلورا اور مریم پکڑی گئی ہیں لیکن ایلوگیتس نکل گیا ہے چھاپہ مارنے والے سپاہیوں کے ساتھ دو ایسے آدمی تھے جو ایلوگیتس اور فلورا کو پہچانتے تھے۔ مریم کو انہوں نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ سپاہیوں نے جب اُس مکان پر ہلّہ بولا جہاں ایلوگیتس چھپا ہوا تھا تو گھر کے آدمیوں نے اور عورتوں نے بھی مقابلہ کیا اور شور و غل بھی کیا۔ گاؤں کے لوگ جاگ کر دوڑے آئے۔ سپاہیوں کے ساتھ جو صاحب الیل (رات کا انسپکٹر) تھا اُس نے اعلان کیا کہ وہ کون ہیں اور اگر اُن کا کسی نے مقابلہ کیا تو سارے گاؤں کو تباہ کر دیا جائے گا، لیکن فلورا اور مریم جنہیں سپاہیوں نے پکڑ لیا تھا چلّا چلّا کر گاؤں والوں کو مشتعل کر رہی تھیں کہ لوگ انہیں مسلمان سپاہیوں سے بچائیں....

"ان دونوں کو جب گھسیٹ کر باہر لائے تو فلورا بڑی بلند آواز سے کہہ رہی تھی — تمہاری غیرت کو کیا ہو گیا ہے صلیب کے پجاریو! اس مریم کو دیکھو۔ یہ راہبہ ان(

ہے۔ تم کس طرح برداشت کر رہے ہو کہ مسلمان اسے بھی اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔ خدا
کے بیٹے کی روح کو کیا جواب دو گے؟"....

"منصور بن محمد کو احساس تھا کہ وسیع پیمانے پر بغاوت کرنے والی قوم سپاہیوں کا
مقابلہ کرے گی، اس لئے اُس نے سپاہیوں کی زیادہ نفری بھیجی تھی۔ گاؤں کے درمیان
تھوڑی سی جگہ خالی تھی۔ سپاہی فلورا اور مریم کو وہاں لے آئے تھے۔ کئی مشعلیں جلا لی گئی
تھیں۔ صاحب الیئل نے کچھ نفری گاؤں کے باہر رہنے دی تھی جسے بوقت ضرورت
استعمال کرنا تھا....

"جب دونوں لڑکیوں کو سپاہی میدان میں لے آئے تو اعلان کیا گیا کہ کسی نے
مزاحمت کی جرأت کی تو پورے گاؤں کو تباہ کر دیا جائے گا۔ لوگ پیچھے ہٹ گئے مگر سات
آٹھ عیسائی برچھیوں اور تلواروں سے مسلح سپاہیوں پر حملہ کرنے کو دوڑے۔ اندھیرے
میں سے تیروں کی بوچھاڑ آئی جس نے ان سب کو وہیں گرا اور تڑپا دیا۔ گھوڑ سوار سپاہی
جو گاؤں کے باہر تھے گاؤں میں آ گئے۔ انہوں نے گھوڑے ہجوم پر دوڑا دیئے۔ لوگ
کچھ کچلے گئے اور بعض بھاگ گئے۔ سپاہی فلورا اور مریم کو ساتھ لے آئے۔"

"مجھے یقین ہے کہ ان دونوں نے راستے میں آزاد ہونے کے لئے صاحب الیئل
کو بڑے حسین لالچ دیئے ہوں گے" ۔۔۔ سلطانہ نے کہا ۔۔۔ "زر و جواہرات کا بھی
اپنا بھی۔"

"نہیں سلطانہ!" ۔۔۔ زریاب نے کہا ۔۔۔ "تم نے بھی عمر اسی خوش فہمی میں گزار دی
ہے لیکن عورت میں مرد سے زیادہ قوت ہے۔ اسے وہی عورت سمجھ سکتی ہے جو کردار
اور اپنے عقیدے کی پکی ہو۔ فلورا اور مریم نے راستے میں ایک بار بھی صاحب الیئل کو

کوئی لالچ نہیں دیا، بلکہ دونوں اسلام کو برا بھلا کہتی رہیں اور للکارتی رہیں کہ وہ اندلس میں
مسلمانوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دیں گی....

"تم حیران ہو رہی ہو سلطانہ! تمہارا کوئی عقیدہ نہیں۔ تم نے اپنی خواہشوں کو عقیدہ
بنا رکھا ہے۔ ایک وہ عورتیں تھیں جنہوں نے طارق بن زیاد اور اُن مجاہدین کو جنم دیا
تھا جنہوں نے اندلس فتح کیا تھا، اور ایک یہ مائیں ہیں جنہوں نے ان امراء کو جنم دیا
ہے جنہیں امارت اور بادشاہت عزیز ہے۔ ان کے خاندان میں جو عورت بچہ پیدا کرتی
ہے اُس کا عقیدہ یہ خواہش ہوتی ہے کہ اُس کا بیٹا تخت کا وارث بنے۔ تم بھی انہی عورتوں
میں سے ہو اس لئے تم حیران ہو رہی ہو کہ فلورا اور مریم نے رہا ہونے کے لئے اپنا آپ
کیوں نہیں پیش کر دیا....

"ان دونوں عیسائی لڑکیوں نے راستے میں اسلام کو برا بھلا کہا اور دوسرے دن
انہیں قاضی کی عدالت میں لے گئے.... قاضی القضاۃ نے فلورا سے کہا ۔۔۔ 'میں تمہیں
سزا میں صرف اس لئے رعایت دے رہا ہوں کہ تم مسلمان باپ کی بیٹی ہو۔ مجھے اُمید ہے
کہ تم قید میں عبرت حاصل کرو گی اور راہِ راست پر آ جاؤ گی'....

"فلورا نے اپنی گستاخانہ روش پھر بھی نہ چھوڑی۔ قاضی القضاۃ نے دونوں کو کچھ
عرصے کے لئے قید خانے میں بھیج دیا۔ ایک روز ایک سفید ریش راہب انہیں قید خانے
میں ملنے گیا۔ اُسے ملاقات کی اجازت دے دی گئی لیکن قید خانے کے داروغہ نے تھوڑی
دیر بعد اس راہب کو قید خانے سے نکال دیا کیونکہ وہ فلورا اور مریم سے کہہ رہا تھا کہ
ثابت قدم رہنا۔ کیونکہ بعد میں تمہیں محل کے حرم میں داخل کر دیا جائے گا....

"بہت بعد میں مجھے کسی طرح پتہ چل گیا تھا کہ یہ راہب ایلوگیئس تھا جو بھیس بدل

ر قید خانے میں ملاقات کے لئے گیا تھا۔ فلورا اور مریم نے قید خانے میں بھی اسلام
کے خلاف بولنا جاری رکھا۔ انہیں ایک بار پھر قاضی القضاۃ کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ قاضی
نے دیکھا کہ اُن کا رویہ پہلے سے زیادہ خراب ہو گیا ہے تو اُس نے قانون کا صحیح استعمال
کرتے ہوتے دونوں کی سزائے موت کا پروانہ جاری کر دیا۔۔۔

"دونوں کو موت کی نیند سلا دیا گیا۔ ایلوگیتیس غم زدہ بھی ہُوا اور انتقام کی آگ بھی
اُسے جلانے لگی۔ اُس نے اپنی تحریک تیز کر دی۔ عیسائیوں نے کھلم کھلا اسلام اور امارتِ
اُندلس کے خلاف زہر اُگلنا شروع کر دیا۔ اُن میں اب بغاوت کی جرأت نہیں رہی تھی۔
امیرِ اُندلس نے حکم دے دیا کہ اسلام کے خلاف دشنام طرازی کی سزا موت ہے۔ چنانچہ
چند مہینوں میں آٹھ ہزار عیسائیوں کو سزائے موت دی گئی۔ ایلوگیتیس فلورا کے غم میں
نیم پاگل ہو چکا تھا۔ وہ پکڑا گیا اور اُسے سرِ عام پھانسی دے دی گئی۔"

*

"زریاب!" — سلطانہ نے اُداس لہجے میں کہا — "مَیں نے تمہیں کہا تھا کہ ماضی
کی وہ باتیں سناؤ جو مجھے پھر سے جوان کر دیں مگر تم نے میرا دل اُداس کر دیا ہے" —
اُس نے صراحی اُٹھائی اور پیالے میں شراب ڈالنے لگی۔

زریاب نے صراحی اُس کے ہاتھ سے لے لی اور پرے رکھ دی۔

"سلطانہ!" — زریاب نے کہا — "عمر کی اس آخری منزل پر آکر میرا بھی دل چاہتا
ہے کہ میرے ساتھ کوئی اُس زمانے کی باتیں کرے جب مَیں بوڑھا نہیں ہُوا کرتا تھا۔ تم
بھی یہی چاہتی ہو لیکن تمہارے اور میرے چاہنے میں کچھ فرق ہے۔ تم بڑھاپے میں
جوان ہونا چاہتی ہو۔ اس کے لئے تم خوبصورت یادوں کا سہارا لے رہی ہو۔ یہ فرار ہے۔

مَیں مفرور نہیں۔ بڑھاپے کو قبول کر لو سلطانہ! تم نے ناکام زندگی گزاری ہے۔ اب اپنی
خواہشوں سے دستبردار ہو جاؤ۔"

"تم تو کہتے تھے کہ تمہیں مجھ سے روحانی محبت ہے۔"

"وہ تو مَیں اب بھی کہتا ہوں" — زریاب نے کہا — "یوں محسوس کرتا ہوں جیسے اب
تمہاری محبت اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ آگ میں کود جانے کو کہو گی تو کود جاؤں گا لیکن آج
رات گزرے ہوئے وقت کی وہ باتیں سن لو جو میں سنانا چاہتا ہوں۔"

"معلوم ہوتا ہے تم پکے مسلمان ہو گئے ہو" — سلطانہ نے ہنستے ہوئے کہا —
"امیرِ اُندلس عبدالرحمٰن نے شاید تمہیں کچھ زیادہ انعام واکرام دے دیا ہے۔"

"امیر عبدالرحمٰن نے مجھے سب سے بڑا انعام یہ دیا ہے کہ مردِ مومن بن گیا ہے"
— زریاب نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تم نے تو کبھی بھی کوشش نہیں کی تھی کہ وہ مردِ مومن بن جاتے"
— سلطانہ نے کہا — "یہ بھی ایک وجہ تھی کہ مجھے تم پر پیار آ گیا تھا۔ تم اُسے عورت اور
شراب میں ڈبوئے رکھنا چاہتے تھے۔"

زریاب اُس دَور کا صرف موسیقار ہی نہیں تھا۔ اُس نے موسیقی کو نئے آہنگ اور
نئے رنگ ہی نہیں دیئے تھے بلکہ وہ دانشمند بھی تھا۔ علم و دانش والا تھا اور اُس کی
زبان میں ایسا تاثر تھا کہ وہ جو کہتا وہ سننے والے سچ مان لیتے تھے۔ بڑھاپے کے آغاز
میں اُس نے اپنی روش اور اپنے خیالات بدل لئے تھے۔

"ہاں سلطانہ!" — اُس نے کہا — "مَیں نے امیرِ اُندلس کو عیش و عشرت میں
ڈبوئے رکھا تھا۔ میری جوانی تمہارے سامنے ہے۔ تم میرا ایک ایک گناہ میرے سامنے

رکھتی چلو، میں گھبراؤں گا نہیں۔ اعتراف کروں گا کہ یہ میرے گناہ تھے اور میں نے ان سے توبہ کی تھی۔ میں آج انہی باتوں کو یاد کرنا چاہتا ہوں جو تم سننا نہیں چاہتیں.... ہاں سُلطانہ! ایک گناہ ہے جو میں کیے چلا جا رہا ہوں۔ اس سے میں توبہ نہیں کروں گا۔ یہ ہے تمہاری محبت۔ اس سے میں دستبردار نہیں ہو سکتا۔"

"محبت کو تم گناہ سمجھتے ہو؟" — سُلطانہ نے پوچھا۔

"یہ اس پر منحصر ہے کہ محبت کس سے کی جا رہی ہے اور کس طرح کی جا رہی ہے" — زریاب نے کہا — "تم جانتی ہو ہماری محبت کیسی ہے۔ امیر عبدالرحمٰن نے بھی تمہیں حرم کا ہیرا کہا تھا۔ میں نے بھی تمہیں ہیرا ہی کہا تھا"

"کوئی اور بات کرو زریاب!"

"نہیں سُلطانہ!" — زریاب نے دُکھے ہوئے سے لہجے میں کہا — "تم نے ماضی کے پردے اُٹھا دیئے ہیں تو مجھے وہ باتیں یاد کر لینے دو جو تمہیں اچھی نہیں لگتیں۔ پھر میں تمہاری باتیں سُنوں گا۔"

"میرے پاس اب صرف ایک ہی بات رہ گئی ہے" — سُلطانہ نے کہا — "میرا بیٹا امیر عبدالرحمٰن کا جانشین ہو۔ میں نے قصرِ امارت کے تین چار با اثر لوگوں کو اپنے حق میں کر لیا ہے۔ اب میں امیر عبدالرحمٰن کے مرنے کا انتظار کر رہی ہوں۔ اسے اب مر جانا چاہیئے۔ کیا تم میرے بیٹے کے حق میں نہیں؟"

"وقت آنے دو" — زریاب نے کہا — "امیر عبدالرحمٰن کے پینتالیس بیٹے ہیں۔ ان میں کچھ اس کی منکوحہ بیویوں میں سے ہیں اور زیادہ تر حرم کی عورتوں کے بطن سے ہیں۔ ان میں ایک بیٹا تمہارا بھی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ امیرِ عبدالرحمٰن مرنے سے پہلے

اپنا جانشین مقرر کر دے۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اس کے مرتے ہی اس کے محل میں فساد بپا ہو جائے گا۔ ان سب کی نظریں مولّدین کی تخریبی کارروائیوں سے ہٹ جائیں گی اور یہ صورتِ حال سلطنتِ اُندلس کے لئے بڑی ہی خطرناک ہو گی۔ یہ سوچ لو سُلطانہ! مدثرہ کا جو اثر ہے وہ تمہارا نہیں ہو سکتا۔ اُس نے چاہا تو تمہیں محل سے نکلوا بھی دے گی۔"

سُلطانہ گہری سوچ میں کھو گئی۔

"تم نے پوچھا تھا کہ امیرِ اُندلس کو مردِ مومن کس نے بنایا ہے" — زریاب نے کہا — "تم نے مجھ پر طنز کی ہے کہ وہ میں نہیں تھا.... ہاں سُلطانہ! میں وہ نہیں تھا۔ وہ مدثرہ تھی اور وہ اسلام کی آن کے پرستار تھے اور امیر عبدالرحمٰن کے اپنے خون میں بھی کچھ غیرت تھی۔ میں تمہیں آج بتا دیتا ہوں سُلطانہ! اس امیرِ اُندلس نے عیش و عشرت میں سے نکل کر یہاں اسلام کی جڑیں اور زیادہ مضبوط کر دی ہیں۔ اس کی امارت کے ابتدائی دَور میں یہی نظر آ رہا تھا کہ نصرانی اُندلس کی جڑوں میں اُتر جائیں گے کیونکہ یہ شخص تم جیسی حسیناؤں کی جنت میں چلا گیا تھا۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ تمہارے حُسن اور ناز و ادا نے اور میرے نغموں اور میری آواز نے اسے سلطنت کے امور اور سلطنت پر جھپٹتے ہوتے خطروں سے بے نیاز کر دیا تھا؟....

"حکمران نا اہل ہو، احمق ہو یا عیاش ہو، وہ خوشامدیوں کے اور اپنی سلطنت کے دشمنوں کے کام کا آدمی ہوتا ہے۔ اسے مشیر بھی وہی اچھے لگتے ہیں جو اسے یہ احساس دلاتے رہیں کہ وہ نا اہل اور احمق نہیں۔ میں نے یہی کیا، تم نے بھی یہی کیا اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ اس کے دَورِ امارت میں عیسائیوں نے سب سے زیادہ بغاوتیں کیں تحریکِ مولّدین اسی کے دَور میں چلی۔ سب سے زیادہ کشت و خون اسی کے دَور میں ہُوا۔ شاعروں اور

ادیبوں کو سب سے زیادہ انعام و اکرام اسی کے دَور میں ملے۔ دشمن کو سب سے زیادہ شہ اسی کے دَور میں ملی، مگر یہ اس شخص کی عظمت ہے کہ اس نے شراب کے پیالے پرے پھینک دیئے، امیری بربط کے تار توڑ ڈالے اور تمہارے حسن کا جادو جھٹک ڈالا۔ یہ چند ایک مردانِ حُر کا کمال تھا۔۔۔

سمجھی میں آتی ہے کہ تنہا بیٹھ جاؤں اور اُندلس کی وہ ساری تاریخ اپنی آنکھوں کے سامنے لے آؤں جو امیر عبدالرحمٰن نے بنائی ہے۔ اس شخص کو زندہ رہنا چاہیئے۔ عیسائیوں کے زہر کو جس طرح اس شخص نے مارا ہے اس طرح کوئی اور امیر نہیں مار سکا۔ کوئی اور نہیں مار سکے گا۔۔۔

"تم نہیں جانتیں سلطانہ! یہ امیر عبدالرحمٰن ہی تھا جس کے دشمن اُس کے پاس دوستی اور مدد کی بھیک مانگنے آتے ہیں۔ بازنطینی میکائیل آیا تھا۔ تھیوفلس آیا تھا۔۔۔ اور امارتِ اُندلس کا سب سے بڑا دشمن فرانس کا شاہ لُوئی جب اپنے ہی بیٹوں کی بغاوت سے گھبرا گیا تھا تو اس نے خُفیہ طریقے سے اپنا ایک ایلچی امیر عبدالرحمٰن کے پاس اس التجا کے ساتھ بھیجا تھا کہ اُندلس میں عیسائی جو بغاوتیں کر رہے ہیں انہیں میں کوئی مدد نہیں دوں گا، اس کے عوض آپ میرے ملک پر حملہ نہ کریں۔ آپ اگر اس کرم نوازی کا کچھ معاوضہ چاہتے ہیں تو آپ جو چاہیں گے پیش کروں گا۔ امیرِ اُندلس نے جواب بھیجا تھا کہ میں صرف یہ معاوضہ چاہتا ہوں کہ اُندلس کی سرحدوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھنا اور اگر اُندلس کا کوئی باغی تمہارے علاقے میں چلا جاتے تو اُسے گھوڑے کی پیٹھ پر باندھ کر گھوڑے کو اِدھر بھگا دینا۔۔۔

"اور سلطانہ! یہ امیر عبدالرحمٰن ہی ہے جس نے سمندر پر بھی حکمرانی کی اور اپنی تلوار

کا لوہا منوایا ہے۔ تم اپنی دُنیا کی عورت ہو۔ تمہاری کوشش یہی رہی کہ امیر عبدالرحمٰن خود میدانِ جنگ میں جا کر اپنی فوج کی قیادت نہ کرے۔"

"اس لئے کہ میں نہیں چاہتی تھی کہ جس شخص کو میں چاہتی ہوں وہ جنگ میں مارا جاتے۔" سلطانہ نے کہا۔

"تم اگر اس عمر میں آکر بھی جھوٹ بولنے سے توبہ کر لو تو تمہیں روحانی سکون مل جائے" — زریاب نے کہا — "تمہیں اُندلس کے دشمنوں نے کہا تھا کہ اُن کی یہ مدد کرو کہ عبدالرحمٰن کو میدانِ جنگ میں یا کہیں بغاوت کو دبانے کے لئے نہ جانے دو کیونکہ امیر عبدالرحمٰن میں عسکری قیادت کی جو اہلیت ہے اس کے سامنے شاید ہی کوئی فوج جم کر لڑ سکتی ہو۔ اس کے علاوہ امیر جب خود فوج کے ساتھ ہوتا ہے تو سالار اور سپاہی جانیں لڑا دیتے ہیں۔۔۔ تم اسے نہ روک سکیں۔ مدثرہ نے آیاتِ قرآنی پڑھ کر تلوار پر پھونکیں اور اسے تلوار دے کر کہا، جا میرے سرتاج! اللہ تیرے ساتھ ہے۔ فتح تیری ہے۔۔۔۔

"آخر میں نارمن قزاقوں نے جنہیں ہم مجوسی کہتے ہیں، امیر عبدالرحمٰن کی غیرت اور حمیّت کو للکارا۔ پہلے امرائے اُندلس کے دَور میں بھی مجوسیوں نے سمندر میں قیامت بپا کر رکھی تھی۔ وہ تو ایک بحری فوج تھے۔ اُن کا پُورا بیڑا تھا۔ اُنہوں نے دوسری قوموں کے بڑے بڑے طاقتور بحری بیڑوں کو تباہ و برباد کیا ہے۔ یہ قزّاق جرمنی کے باشندے تھے۔ انہیں سمندر میں شکار نہیں ملتا تھا تو ساحل پر آکر بستیوں کو لوٹ لیتے تھے۔ انہوں نے سکنڈے نیویا کے ساحل کو اپنا اڈہ بنا رکھا تھا۔ وہاں سمندر اتنا خطرناک تھا کہ کوئی اور جہاز ران وہاں تک جانے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ مجوسی اتنے خونخوار اور درندے اور اتنے زبردست جہاز ران تھے کہ سمندر کے طوفان بھی جیسے ان سے ڈرتے تھے۔۔۔۔

”چند برس پہلے کا واقعہ ہے۔ امیر عبدالرحمٰن کچھ تھکا تھکا سا اپنے خاص کمرے میں نیم دراز تھا۔ اُس نے مجھے اس پیغام سے بلایا تھا کہ رباب لے آؤ۔ میں گیا تو اُس نے مسکرا کر کہا — ’زریاب! تھک گیا ہوں۔ بوڑھا ہو گیا ہوں نا!.... کچھ سنا دو۔ بڑے دھیمے سُروں میں‘ — میں نے اُس کی فرمائش پوری کی۔ میں ابھی گنگنا ہی رہا تھا کہ دربان آیا۔ کہنے لگا کہ سالارِ اعلیٰ عبیداللہ بن عبداللہ نے کچھ مسافر سی قسم کے مظلوم سے آدمی بھیجے ہیں۔ ان کے ساتھ عورتیں بھی ہیں....

”میں کہنے ہی لگا تھا کہ امیر اس وقت کسی سے نہیں ملیں گے لیکن امیر عبدالرحمٰن سیدھا ہو کے بیٹھ گیا اور مجھے کہا کہ ساز الگ رکھ دو۔ اگر یہ لوگ مسافر اور مظلوم ہیں تو انہیں ساز اچھا نہیں لگے گا.... تین آدمی اندر آئے۔ ان کے ساتھ ایک عورت ادھیڑ عمر تھی اور دو جوان لڑکیاں تھیں۔ چہروں، سروں اور پھٹے پرانے کپڑوں پر گرد کی تہہ کے باوجود لڑکیاں خوبصورت لگتی تھیں۔ عورت اور دونوں لڑکیوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ یہ لوگ مُسلمان نہیں تھے۔ یہ سب فرش پر دو زانو ہو گئے اور سب نے ہاتھ جوڑ دیئے ....

”امیر عبدالرحمٰن نے انہیں آرام سے بیٹھنے کو کہا اور دربان کو بلا کر کہا کہ ان کے لئے وہ شربت لائے جو وہ خود پیا کرتا ہے اور ان کے آگے پھل اور میوے کا ڈھیر لگا دے۔ پھر ان سے پوچھا کہ وہ کیوں آئے ہیں۔ ادھیڑ عمر عورت نے دیہاتی زبان اور انداز میں کہا — ’کیا ہمیں اس لئے اُن درندوں اور وحشیوں کے رحم و کرم پر آپ نے پھینک رکھا ہے کہ ہم مُسلمان نہیں؟ کیا ہم انسان نہیں ہیں؟‘ — اس کے ساتھ کے ایک آدمی نے اُسے کہنی مار کر کہا — ’تمیز سے بات کرو۔ یہ بادشاہ ہیں‘ — امیر عبدالرحمٰن نے گرج کر کہا — ’اور

زیادہ غصّے سے بات کرو۔ یہاں کوئی بادشاہ نہیں۔ ہم تمہاری مدد کریں گے۔ وہ درندے اور وحشی کون ہیں؟‘ — عورت نے کہا — ’وہ جرمن قزاق ہیں۔ انہیں نارمن بھی کہتے ہیں۔ انہوں نے بستیاں اجاڑ دی ہیں۔ ہمارے پاس فصل کے دانوں کے سوا ہوتا ہی کیا ہے۔ وہ تمام اناج اور مویشی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ خوبصورت لڑکیوں اور چھوٹی بچیوں کو، خوبصورت اور کمسن لڑکوں کو اٹھا لے جاتے ہیں۔ ان سب کو سمندر پار کے ملکوں میں بیچ ڈالتے ہیں.... ہم لوگ کہاں جائیں۔ ان کا بیڑہ ہمارے ساحل پر لنگر انداز ہوا تو لوگ گھروں سے بھاگ گئے۔ یہ لڑکیاں میری بیٹیاں ہیں۔ ہمیں ان کا غم تھا۔ ہم جنگل میں جا چھپے۔ رات کو سردی اتنی زیادہ پڑی کہ میرا ایک بچہ ٹھٹھر کر مر گیا۔ میں پاگل ہونے لگی۔ میرے خاوند نے کہا کہ چلو قرطبہ چلیں.... ہم اتنے دنوں کی مسافت بھوکے طے کر کے آئے ہیں۔ اگر آپ کی تلوار قزاقوں کے خلاف نیام سے نہیں نکل سکتی تو میری ان بیٹیوں کو پناہ میں لے لیں۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ مسلمان عورت کی آبرو پر مرمٹتے ہیں‘....

”سلطانہ! مجھے وہ رنگ یاد ہے جو امیر عبدالرحمٰن کے چہرے پر آگیا تھا۔ اُس نے دربان کو کہا — ’ان سب کو شاہی مہمان خانے میں رکھو۔ انہیں نہلاؤ دھلاؤ، کھلاؤ پلاؤ اور انہیں کپڑے دو.... اور سالارِ اعلیٰ کو فوراً میرے پاس بھیج دو‘ — میں نے دیکھا کہ امیر عبدالرحمٰن کے بوڑھے چہرے پر جوانی کی چمک آگئی۔ اُس نے مجھے کہا — ’خُدا نے یہ فرض بھی مجھے ہی سونپا ہے۔ میں یہ فرض ادا کروں گا‘ — اس کی اُداسی اور بڑھاپے کی تھکن دُور ہو چکی تھی۔“

*

”سالارِ اعلیٰ عبیداللہ بن عبداللہ آیا تو عبدالرحمٰن نے اُسے کہا — ’آپ کے

بھیجے ہوئے آدمی اور عورتیں میرے پاس آئی تھیں۔ ہمارے پاس ویسا بحری بیڑہ نہیں جیسا مجوسیوں کے پاس ہے لیکن میں اُن سے ٹکرا کر اُنہیں ختم کرنا چاہتا ہوں۔ سالارِ اعلیٰ نے کہا۔ ہمارے پاس بڑی کشتیاں اور بہت چھوٹے چھوٹے جہاز ہیں۔ ان سے ہم سمندری لڑائی نہیں لڑ سکتے۔ اگر آپ حکم دے دیں تو بڑے جہازوں کا بیڑہ تیار ہو جائے گا۔ اس دوران ہم فوج اُن ساحلوں پر بھیج دیں جہاں مجوسی لنگر انداز ہو کر خشکی پر لوٹ مار کے لئے آیا کرتے ہیں ....

"فوری طور فوج کو کوچ کا حکم دے دیا گیا۔ مجوسیوں کے حوصلے اتنے بڑھ گئے تھے کہ وہ بید اور چمڑے کی بنی ہوئی کشتیوں پر دریاؤں میں بھی آنے لگے اور اُن کی لوٹ مار کا سلسلہ وسیع ہو گیا۔ قرطبہ سے بھیجی ہوئی فوج کا ان کے ساتھ پہلا تصادم وادی الکبیر میں سے گذرنے والے دریا کے کنارے ہوا لیکن انہوں نے فوج کی ایک نہ چلنے دی۔ وہ خشکی پر بھی لڑے اور انہوں نے کشتیوں سے ایسی زبردست تیر اندازی کی کہ فوج کو پسپا ہونا پڑا ....

"اس کے ساتھ ہی بحری بیڑہ تیزی سے تیار ہونے لگا۔ کچھ تیار بحری جہاز مل گئے۔ ساحلی علاقوں میں فوج کے دستے بھیج دیئے گئے۔ کئی جگہوں پر قزاقوں کے ساتھ ان دستوں کی جھڑپیں ہوئیں۔ اس طرح اُن کی لوٹ مار کم ہوتی گئی اور وہ سمندر میں چلے گئے جہاں انہوں نے دوسرے ملکوں کے بحری جہازوں کو لوٹنے اور تباہ کرنے کا سلسلہ نئے سرے سے شروع کر دیا ....

"امیر عبدالرحمٰن نے انہیں ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا عہد کر لیا۔ اُس نے ذاتی نگرانی میں بحری بیڑہ تیار کر لیا۔ بڑے جہازوں کی تعداد پندرہ ہے۔ ان کے

ساتھ چھوٹے جہاز اور بڑی بادبانی کشتیاں ہیں۔ سمندری لڑائیوں کے لئے فوج تیار کی اور اسے کئی کئی مہینے سمندر میں رہنے کا عادی بنایا گیا۔ ساحل کے ساتھ ساتھ بڑے اُونچے بُرج بنائے گئے جن میں دن رات سنتری کھڑے رہتے ہیں۔ وہ دُور سے جہازوں کو دیکھ لیتے ہیں۔ اگر کوئی جہاز ساحل کی طرف آ رہا ہو یا مشکوک ہو تو بُرج کے گھوڑ سوار قاصد اپنی بحری فوج کو اطلاع کر دیتے ہیں ....

"ان نارمن قزاقوں نے ایک بار اپنی تمام تر بحری طاقت اکٹھی کر کے جنگی طاقت کا مظاہرہ کیا۔ امیر عبدالرحمٰن کو اطلاع ملی تو اُس نے ساحل پر پہنچ کر بحری بیڑے کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی اور کھُلے سمندر میں نکل گیا۔ اُس نے اپنے بیڑے کو تربیت دے رکھی تھی۔ قزاقوں کا کبھی کسی کے ساتھ مقابلہ نہیں ہُوا تھا۔ اب مقابلہ ایک تربیت یافتہ فوج کے ساتھ ہو گیا۔ اُن کا بیڑہ جل کر ڈوب گیا اور وہ بڑی مشکل سے باقی جہاز نکال کر لے گئے۔ اس کے بعد مجوسیوں کا صرف نام رہ گیا۔ اُندلس کا ساحل محفوظ اور دُور دُور تک سمندر محفوظ ہو گیا۔"

*

سُلطانہ زریاب کی باتیں سُنتے سُنتے اُکتا گئی۔ وہ زریاب کی مدد سے اپنے آپ کو اس خود فریبی میں مبتلا کرنے کی خواہش لئے ہوئے تھی کہ وہ ابھی جوان ہے اور اس کا حُسن ماند نہیں پڑا لیکن زریاب نے اسے خود فریبی میں سے نکال کر حقیقت کے آئینے کے سامنے کھڑا کر دیا اور اسے بتا دیا کہ تمہارے لئے اب کہیں بھی چین اور سکون نہیں۔ وہ زریاب کے اثر و رسوخ کو اپنے بیٹے عبداللہ کے لئے بھی استعمال کرنے کی اُمید لئے ہوئے تھی۔ اسے توقع تھی کہ زریاب اس کے بیٹے کو عبدالرحمٰن کا جانشین بنوا دے گا۔

اور عبدالرحمٰن کے بعد اس کا بیٹا امیرِ اندلس ہوگا مگر زریاب نے اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔

"بوڑھا ضعیف!" — اُس نے زریاب کے جانے کے بعد بڑی نفرت سے اپنے آپ سے کہا — "اب جب اس کا جسم گل سڑ گیا ہے اور کسی عورت کے قابل کیا اپنے آپ کے بھی قابل نہیں رہا تو ولی اللہ بن گیا ہے۔ اب امیرِ اندلس کا خیر خواہ اور اُس کا مرید ہو گیا ہے... میں اس سے زیادہ اثر رکھتی ہوں۔ وہ آدمی میرے قبضے میں ہیں جو قصرِ امارت میں جیسا انقلاب چاہیں لے آئیں گے۔ میں ایک طرف سے شروع کروں گی۔ پہلے امیر عبدالرحمٰن اس کے بعد مدثرہ، پھر..."

اُس کے رگ و ریشے میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اُس کی ذات میں جو شیطانی قوت سموئی ہوئی تھی وہ بیدار ہو گئی۔ سر کے سفید بالوں نے اور زریاب کی باتوں نے اُسے ناگن بنا ڈالا اور وہ ڈسنے کے لئے تیار ہو گئی۔

تاریخ میں جہاں زریاب، سلطانہ، ملکہ طروب، مدثرہ، جاریہ، شفا وغیرہ کا ذکر آتا ہے کہ امیر عبدالرحمٰن کو ان سے دلی محبت تھی۔ وہاں ایک غلام کا نام نمایاں ہے۔ یہ نام ہے نصر۔ اس میں کچھ خوبیاں تھیں کہ امیر عبدالرحمٰن نے اسے غلامی سے نکال کر دربار میں اونچا رتبہ دے دیا تھا۔ اس شخص کا ایک رُخ شیطانی بھی تھا۔ سلطانہ نے اسے شروع سے ہی اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ سلطانہ امیرِ اندلس کے سامنے اس کی بہت تعریفیں کیا کرتی تھی۔ جوانی میں چونکہ سلطانہ سارے محل، دربار اور حرم پر چھائی ہوئی تھی، اس لئے نصر اس کا غلام بنا رہتا تھا۔ وہ اُسے مال و دولت بھی دیتی تھی۔

وہ نصر جو زریاب کی عمر کا بوڑھا ہو گیا تھا، اب بھی سلطانہ کا ممنون تھا۔

اگلے روز سلطانہ کی آنکھ کھلی تو سورج سر پر آیا ہوا تھا، اس نے جاگتے ہی خادم کو بلایا اور اُسے کہا کہ نصر کو بلاؤ۔

نصر آیا تو اُسے اُس نے اپنے پلنگ پر ہی بٹھا لیا اور اس کے ساتھ اس نے گذرے ہوئے وقت کی باتیں شروع کر دیں اور اس کے بوڑھے جذبات میں جوانی کی کچھ گرمی پیدا کر کے اُسے کہا کہ ایک آخری کام کر دو۔ اُس نے منہ اس کے کان کے ساتھ لگا دیا۔ نصر کی آنکھیں کھلتی گئیں۔

"یہ گناہ میرے ہاتھوں کرانا ہے؟" — نصر نے اُس کی بات سُن کر کہا۔

"ہاں نصر! یہ گناہ بھی تمہارے ہاتھوں کراؤں گی" — سلطانہ نے کہا — "ان حسین گناہوں کو یاد کرو جو میری کرم نوازی سے تم کرتے رہے ہو۔ ان میں کچھ گناہ ایسے ہیں جو آج بھی تمہیں جلاد کے حوالے کرا سکتے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ جلاد کی تلوار میرے اشارے پر چلے گی... میرا یہ کام کر دو گے تو میرا بیٹا امیرِ اندلس ہوگا اور تمہارے بیٹے فوج میں سردار اور کماندار ہوں گے۔"

نصر زنجیروں میں بندھ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ سلطانہ ناگن ہے جسے چاہے ڈس لے۔ اس کے ساتھ اُسے اپنی اولاد کا مستقبل بھی روشن نظر آیا۔ اُس نے مسکرا کر سلطانہ سے کہا کہ میں نہیں کروں گا تو یہ کام اور کون کر سکتا ہے۔

بہت دیر بعد نصر سلطانہ کے گھر سے نکلا اور شاہی طبیب حرّانی کے پاس گیا۔ حرّانی بھی اب بہت بوڑھا ہو چکا تھا۔ نصر نے حرّانی کے کان میں وہی بات کہی جو اُسے سلطانہ نے کہی تھی۔ حرّانی کا ردِ عمل بڑا ہی شدید تھا۔ وہ اچک کر پرے ہو گیا اور سر سے پاؤں تک کانپنے لگا۔

"آپ کے لئے دو راستے ہیں"۔ نصر نے اُسے کہا ۔۔۔ "ایک یہ کہ قید خانے میں پڑے رہیں اور اس عمر میں وہ اذیتیں برداشت کریں جو جوان آدمی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ آپ جانتے ہیں کہ میری زبان سے آپ کے خلاف جو بھی الزام نکلے گا وہ بغیر شہادت سچ مانا جائے گا اور آپ کی عمر قید خانے میں گزرے گی۔ دوسرا راستہ آپ کو اسی دنیا میں بہشت دکھا دے گا۔ سونے کے دینار آپ کے آگے ڈھیر کر دیئے جائیں گے .... آپ سوچ لیں"۔

ضعیف العمر حرّانی پر خوف طاری ہو گیا۔ وہ اپنے انجام سے اتنا گھبرایا کہ اُس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اُسے وہ زہر دے دیا جو فوراً اثر کرتا تھا۔ تاریخ میں اس زہر کا نام لبیان المنوک لکھا گیا ہے۔ نصر نے اُسے یہ نہ بتایا کہ یہ زہر وہ کس کے ایما پر لے جا رہا ہے۔

*

امیر عبدالرحمٰن کی بیوی مدثرہ کی عمر سلطانہ سے کچھ کم تھی۔ وہ بھی اب بوڑھی ہو چکی تھی۔ امیر عبدالرحمٰن کو موسیقی اور شراب سے نکالنے میں مدثرہ کا سب سے زیادہ ہاتھ تھا۔

شام کے وقت مدثرہ کو ایک عورت کی زبانی طبیب حرّانی کا پیغام ملا کہ کسی بیماری کا بہانہ کر کے مجھے بلاؤ۔ مدثرہ نے کچھ دیر بعد اپنی خادمہ سے کہا کہ شاہی طبیب کو فوراً بلاؤ، میرے پیٹ میں شدید درد ہے۔ خادمہ دوڑی گئی اور طبیب حرّانی آ گیا۔

"ملکہ عالیہ!" ۔۔۔ حرّانی نے مدثرہ سے کہا ۔۔۔ "آج مجھے وہ وقت یاد آ رہا ہے جب سلطانہ ملکہ طروب نے مجھ سے آپ کو دینے کے لئے زہر لیا تھا اور میں نے آپ

کو خبردار کر دیا تھا کہ کوئی خادمہ آپ کو شہد یا شربت سلطانہ کی طرف سے پیش کرے تو نہ لینا، اس میں زہر ہو گا"۔

"ہاں محترم!" ۔۔۔ مدثرہ نے کہا ۔۔۔ "مجھے یہ بھی یاد ہے کہ آپ اتنے دل برداشتہ تھے کہ آپ نے کہا تھا کہ آپ یہاں سے چلے جائیں گے۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ نہ جائیں۔ ہو سکتا ہے امیر اندلس کو دینے کے لئے آپ سے زہر لیا جائے اور آپ انہیں خبردار کر دیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ میں نے ایسے کیوں کہا تھا.... آپ نے مجھے وہ واقعہ کیوں یاد دلایا ہے؟ آپ میرے ساتھ کیا بات کرنا چاہتے ہیں؟"

"آپ چونکہ نیک نیت عورت ہیں اس لئے خدا نے آپ کو اُس وقت اشارہ دے دیا تھا"۔ طبیب حرّانی نے کہا ۔۔۔ "آج امیر اندلس کا وہ غلام جسے انہوں نے دربار میں آقا بنا دیا تھا مجھ سے زہر لے گیا ہے جو وہ امیر اندلس کو دے گا"۔ حرّانی نے مدثرہ کو تفصیل سے بتایا کہ نصر اُسے کیسی دھمکی اور کیسا لالچ دے کر زہر لے گیا ہے ۔۔۔ "کیا آپ میری مجبوری سمجھتی ہیں؟"

"بالکل سمجھتی ہوں" ۔۔۔ مدثرہ نے کہا ۔۔۔ "نصر نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کس کے کہنے پر اتنا بڑا جرم کر رہا ہے؟"

"نہیں" ۔۔۔ طبیب حرّانی نے کہا ۔۔۔ "میرے پوچھنے پر بھی اُس نے نہیں بتایا.... آپ امیر اندلس کو خبردار کر دیں کہ نصر کے ہاتھ سے کوئی چیز نہ کھائیں.... اب مجھے اجازت دیں۔ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے"۔

*

امیر عبدالرحمٰن کی صحت بڑھاپے کی وجہ سے اور زیادہ تر میدان جنگ میں

رہنے سے اور آخر میں بحری لڑائی لڑنے اور سمندر میں زیادہ عرصہ گذارنے کی وجہ سے بگڑ گئی تھی۔ وہ کوئی نہ کوئی دوائی کھاتا ہی رہتا تھا۔ ایک روز اُس کا معتمدِ خاص نصر اُس کے پاس آیا اور اُسے ایک معجون دے کر کہا کہ یہ دوائی وہ ایک گمنام حکیم سے لایا ہے۔ یہ کھائیں تو اس بڑھاپے میں جوان ہو جائیں گے۔

"تم بھی بہت بوڑھے ہو گئے ہو نصر!"— امیر عبدالرحمٰن نے کہا— "بڑھاپے میں جوان کر دینے والی دوائی تمہیں بھی چاہئے۔ مَیں بہت دوائیاں لے رہا ہوں۔ یہ دوائی تم کھالو۔"

نصر نے انکار کر دیا اور کہا— "یہ تو مَیں آپ کے لئے لایا ہوں۔"

"نصر!"— امیر عبدالرحمٰن نے بادشاہوں کے رعب سے کہا— "مَیں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ یہ دوائی فوراً اپنے مُنہ میں ڈال لو۔"

نصر کے چہرے پر پسینہ پھُوٹ آیا۔ اُس نے حکم تعمیل کرتے ہوئے معجون اپنے مُنہ میں ڈال لی۔ امیرِ اُندلس نے اُسے چلے جانے کو کہا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ نصر باہر نکلا اور دوڑتا ہُوا طبیب حرانی کے پاس گیا اور اُسے بتایا کہ جو زہر وہ امیر عبدالرحمٰن کو کھلانے لے گیا تھا وہ زہر اسے کھلا دیا گیا ہے۔ خُدا کے نام پر کوئی دوائی دو۔

"فوراً جا کر بکری کا دُودھ پی لو۔" طبیب حرانی نے کہا۔

نصر باہر کو دوڑا مگر زہر اثر کر چکا تھا۔ وہ راستے میں گر پڑا اور مر گیا۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ امیر عبدالرحمٰن اس زہر سے تو بچ گیا اور زہر لانے والا اس زہر کا شکار ہو گیا لیکن امیر عبدالرحمٰن کے دل پر بڑی سخت چوٹ پڑی کہ جنہیں اُس نے رُتبے دیئے اور اپنا ہمراز اور معتمد بنایا تھا وہی اُسے زہر دینے پر تُل گئے۔ اُسے اتنا صدمہ ہُوا کہ سات آٹھ دِنوں بعد ۲۲، ستمبر ۸۵۲ء کے روز وہ مر گیا۔

یہ راز ایک مدت بعد کھُلا تھا کہ نصر نے سُلطانہ ملکہ طروب کے کہنے پر امیر عبدالرحمٰن کو زہر دینا چاہا تھا۔ امیر عبدالرحمٰن کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد امارت کی گدی پر بیٹھا اور سُلطانہ اپنے بیٹے عبداللہ کے ساتھ تاریخ کی تاریکی میں گُم ہو گئی۔

***

نغمے خریدے گئے ہیں، میرا حسن بک گیا ہے۔ نہ تم بھاگ سکتے ہو نہ میرے
لئے کوئی راہِ فرار ہے۔ بھاگ کے جائیں گے کہاں؟ پکڑے جائیں گے
اور مارے جائیں گے۔"

اور سلطانہ نے اُسے اشارہ دے دیا تھا کہ وہ اُس کی اور اپنی نجات
کا انتظام کر رہی ہے اور ایلوگیئس نام کا ایک عیسائی اُس کی مدد کر رہا ہے۔
اگر وہ کامیاب ہو گئے تو سلطانہ کو ایک ریاست مل جائے گی اور زریاب کو
وہ اپنے ساتھ رکھے گی۔

وہاں زریاب کا تعارف ایلوگیئس کے ساتھ ہوا۔ سلطانہ کا رویّہ زریاب
کے ساتھ ایسا تھا جیسے ماں کا جذباتی رویّہ اپنے اکلوتے بچے کے ساتھ ہوتا
ہے۔ تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ زریاب صرف گویا اور موسیقار ہی نہ تھا بلکہ
غیر معمولی ذہانت اور فہم و فراست کا آدمی تھا لیکن سلطانہ نے آسیب کی طرح
اُس کی عقل پر قبضہ کر لیا۔ اگر کچھ کسر رہ گئی تھی تو وہ ایلوگیئس نے پوری کر دی۔
زریاب اُن کے ہاتھوں میں کھیلنے کے لئے تیار ہو گیا۔

"ان لوگوں کے طور طریقے اور تہذیب و تمدن کو بدل دو۔" ایلوگیئس نے
اُسے کہا۔ "جو قوم اپنی تہذیب و تمدن بدل دیتی ہے وہ زیادہ دیر تک زندہ
نہیں رہ سکتی، یا یوں سمجھو کہ وہ آزاد بھی نہیں رہ سکتی اور حکمرانی کے قابل بھی
نہیں رہتی ... میں جانتا ہوں کہ اس میں وقت لگے گا۔ کئی سال لگیں گے
لیکن کسی قوم کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں۔
اگر ہم شاہِ اندلس کو میدانِ جنگ میں للکاریں گے تو عرب سے مزید فوج

آجائے گی۔ شاہِ اندلس عبدالرحمٰن کو جنگ میں شکست دینا آسان نہیں۔"

سلطانہ اور ایلوگیئس نے زریاب کو باتوں باتوں میں درباری گویّے سے
ایک ریاست کا بادشاہ اور سلطانہ کو اُس کی ملکہ بنا دیا۔ سلطانہ نے زریاب کو تین
روز اپنی جاگیر پر رکھا۔ وہ بڑی دلفریب جگہ تھی۔ باغ تھا۔ پھول تھے اور روح
افزا ہریالی تھی۔ سلطانہ اور زریاب نے تین راتوں کا بیشتر وقت جاگیر کے
باغ میں ایک دوسرے میں جذب ہو کر گذارا۔ سلطانہ کا طلسماتی حسن اور
زریاب کے وجد آفریں نغمے محوِ اختلاط رہے ـــ اور جب وہ واپس عبدالرحمٰن
کے محل میں گئے تو زریاب کے خیالات، تصورات اور انداز بدلے ہوئے
تھے۔ اس کی آواز میں سوز تو پہلے ہی تھا، اب اس میں سلطانہ کی محبت نے
ایسا تاثر پیدا کر دیا کہ سننے والے مسحور ہو کے رہ جاتے تھے۔

سلطانہ نے اپنی کوششوں سے زریاب کو عبدالرحمٰن کے اعصاب
پر پہلے سے زیادہ سوار کر دیا۔

*

پھر حالات وقت کی رفتار سے زیادہ تیزی سے بدلنے لگے۔ ایک رات
عبدالرحمٰن کا وزیرِ اعلیٰ حاجب عبدالکریم بن عبدالواحد دو آدمیوں کو ساتھ لئے
سالارِ اعلیٰ عبیداللہ بن عبداللہ کے گھر گیا۔

"عبید!" ـــ اُس نے سالارِ اعلیٰ سے کہا ـــ "ان دو آدمیوں کو پہچانتے ہو؟"

"ہاں کیوں نہیں!" ـــ عبیداللہ نے جواب دیا ـــ "ہمارے مخبر ہیں۔
مخبری اور سراغرسانی کے اُستاد ہیں۔"